ماہنامہ
حنا
نومبر 2017ء
PDF
NOVEMBER 2017

ہر گھر کیلئے

ماھنامہ

حنا

جلد 39 شمارہ 11

نومبر 2017ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناولٹ

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! نومبر 2017ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی معاشرہ عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ کوئی بھی معاشرہ کفر پر تو قائم رہ سکتا ہے۔ ظلم، ناانصافی پر نہیں۔ دنیا کے ہر نظام کو ایک ایسی عدلیہ کی ضرورت ہوتی ہے جو طاقتور بھی ہو اور معتمد عدلیہ بھی۔ عدلیہ کا بنیادی فرض قانون کی حفاظت ہے آئین میں اس ادارے کی جو ذمہ داریاں متعین ہیں انتہائی اہم ہیں پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ ہر حکومت نے اس ادارے کو اپنے زیر اثر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مولوی تمیزالدین کیس میں نظریہ ضرورت سے لے کر پرویز مشرف کے عہد میں ایل او ایف کی منظوری تک عدلیہ پر الزام تراشیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ مشرف دور میں عدلیہ بحالی کی تحریک اور اس کے بعد عدلیہ کے کردار نے ماضی کے تمام داغ دھو ڈالے ہیں۔ عدلیہ نے اپنے فیصلوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتی اور نہ ہی کسی کی مرضی کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔ عدلیہ کے بارے میں پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے حکومتی جماعت کا رویہ تو قابل افسوس رہا ہی ہے میڈیا کے چند غیر ذمہ دار عناصر کا کردار بھی درست نہیں ہے ایسے حساس معاملات پر بے تکان تبصرے کیے جاتے رہے جو عدالت میں زیر سماعت تھے۔ عدالت کے باہر اپنی عدالت سجائی جاتی تھی جس میں لوگ اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔ سب نے یہ حقیقت فراموش کر دی کہ کوئی معاملہ تب عوامی ملکیت بنتا ہے جب اس پر عدالت فیصلہ دے۔ اس فیصلے پر بھی بلا جواز تنقید کی بجائے یہ سوچنا ضروری ہے کہ یہ فیصلہ کیوں آیا؟ ان حالات میں عدلیہ نے تحمل و برداشت سے کام لیا اور ایسے بے شمار معاملات کو نظر انداز کر دیا جن پر کہ عدلیہ ازخود نوٹس لے سکتی تھی۔ عدلیہ پر بلا جواز تنقید کرنے والوں کے لئے چیف جسٹس آف پاکستان کے یہ الفاظ انتباہ کا درجہ رکھتے ہیں کہ "عدلیہ کو نشانہ بنانے والے ہوش کے ناخن لیں یا میں صبر و تحمل سے کام لے رہا ہوں ملک کی بہتری اسی میں ہے کہ اپنی سیاست چمکانے کے لئے عدلیہ پر بلا جواز تنقید سے گریز کیا جائے اور عدالتی مقدمات کا سامنا عدالت میں کیا جائے۔ اسی میں ملک کا مفاد ہے۔"

سانحہ ارتحال:۔ گزشتہ دنوں مجھے ذاتی طور پر دو صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے دو جواں سال کزن تو قیر احمد بھٹی اور روحی انشاء قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے التماس ہے کہ مرحومین کے لئے مغفرت اور لواحقین کے لئے صبر کی دعا فرمائیں، آمین۔

اس شمارے میں:۔ حنا اصغر، اعمار الامداد کے مکمل ناول، بشریٰ سیال، سونیا چوہدری اور ثمینہ چوہدری کے ناولٹ، وجیہہ بخاری، آسیہ مظہر چوہدری، رابعہ افتخار شیخ، نورین شاہد اور کنول ریاض کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہے۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود
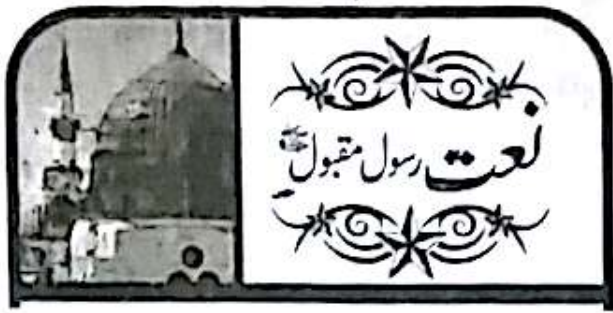
الٰہی سلسلہ ایسا زمیں تا آسماں کر دے
پڑھوں جب حمد تو ہر اک سخن اس کا اذاں کر دے

یہ کب خواہش ہے دل سے دور تو بے تابیاں کر دے
بس اپنی یاد میں گم کر کے مجھ کو بے نشاں کر دے

زبان حمد میں دل کھول کر تجھ سے کروں باتیں
مرے الفاظ و معنی کو عطا حسن بیاں کر دے

میں سوچوں بھی بجز تیرے کسی کے ذکر کا جس دم
مرے معبود تو مجھ کو اسی پل بے زباں کر دے

دل عابد کی ہر دھڑکن عبادت ہی کرے تری
خدایا تو مری اس آرزو کو جاوداں کر دے

عابد شاہ جہاں پوری

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

اک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کا گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

احمد ندیم قاسمی

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

حقوق ہمسایہ

اسلامی معاشرت میں ہمسایہ کے حقوق پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں (اس قدر) برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ خیال ہوا کہ وہ اسے (ترک کا) وارث بھی بنا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس کو اس قدر حقوق نہ دیے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بدباطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پر ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں، ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے، اسلام جس معاشرت کا داعی ہے، اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا جان و مال کا دشمن نہیں بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر و غریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے، اس کی شہادت قرآن و حدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) یہ فرمان سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کی عزت و تکریم کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہمسائے کی خبر گیری

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے ابو ذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔'' (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج) (صحیح مسلم)

تحفہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کے لئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری)

قریبی ہمسایہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔'' (صحیح بخاری)

مومن نہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔'' (شعیب الایمان للبیہقی)

بہترین دوست

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لئے بہترین ہے۔'' (ترمذی شریف)

ہمسائے کا حق

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:۔

☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔

☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔

☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔

☆ اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔

☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تو اسے مبارکباد دے۔

☆ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اس طرح بلند نہ کرے کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔

☆ تو اپنی ہنڈیا کی ہمک سے اسے اذیت نہ دے، الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

یتیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کے متروکہ مال واسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل وشعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانت داری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے، اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں۔'' (انعام:19)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔
''اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء:١٩)
یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے۔
''اور اڑا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھا جاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (النساء:١)
دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔
''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتار ہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔'') (النساء:١)
یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں، ارشاد خداوندی ہے۔
''اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں سے اگر ہوشیار دیکھو تو ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:١)
یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔
سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔
''کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے۔
''نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔'' (الفجر:١)
مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے، اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جا سکتا ہے، ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کو چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا،
سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے۔
''یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔''
سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا۔
''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔''
سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا۔
''یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''
''بنی اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔'' (البقرہ:٨٢)
سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے۔
''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔'' (البقرہ:٢٢)

غرضیکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالا اختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کرسکتے ہیں۔

۱۔ یتیم بچے کا احترام واکرام اور پیار ومحبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تاکہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

۲۔ یتیم بچے کی پرورش اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

۳۔ یتیم بچے کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے ادا کیے جارہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

۴۔ یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔

۵۔ یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی وعقلی استعداد وکمال کا مالک نہ بن جائے۔

۶۔ خوش کلامی وخوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

۷۔ یتیم کے ساتھ معاشرتی عدل واحسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے، یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

۸۔ یتیم کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات وخیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کے خورد و نوش، لباس اور تعلیم وتربیت کے اخراجات ہیں۔

۹۔ غریب ویتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا ناجائز نہیں ہے۔

۱۰۔ یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے جس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانت داری سے اس کا اصل بمع منافع اس کو واپس کردے۔

۱۱۔ یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب وتربیت دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

☆☆☆

انشاء نامہ

کچھ ادھر ادھر سے

ابن انشاء

''یہ میرے دوست ہیں، بہت شریف آدمی ہیں، آپ کی فرم میں جگہ مل سکے تو......''

''کس قسم کی جگہ؟''

''منشی رکھ لیجئے، جوشاندے کوٹنے چھاننے کا تجربہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ کے ہاں میڈیکل افسر بھی ہو سکتے ہیں، علم نجوم میں دخل ہے، آپ کے اسٹاف کے ہاتھ دیکھ دیا کریں گے۔''

''کیا نام ہے؟''

''سید فصاحت حسین۔''

''والد کا نام؟''

''جے کے جنجوعہ چوہدری، جھنڈے خان جنجوعہ۔''

''کیا کرتے ہیں ان کے والد؟''

''جی ان کے والد زندہ ہوتے تو ان کو کام کرنے کی کیا ضرورت تھی، بیچارے یتیم ہیں، ان کے والد تو ان کی پیدائش سے کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔''

''والدہ؟''

''جی ان کا سایہ بھی ان کی پیدائش سے دو سال قبل ان کے سر سے اٹھ گیا تھا۔''

''اور رشتہ دار تو ہوں گے؟''

''جی نہیں اور رشتہ دار بھی نہیں کیونکہ ان کے دادا لاولد مرے اور پردادا نے شادی نہیں کی تھی، یہ تنہا ہیں اس بھری دنیا میں۔''

''حال ہی میں سات سال کی طویل اقامت کے بعد جیل سے رہا ہوئے ہیں، وہ تو اب آ کر ان پر وقت پڑا ہے تو نوکری تلاش کر رہے ہیں ورنہ وہ پیسوں میں کھیلتے تھے۔''

''کیا کرتے تھے؟''

''بس دستکاری اپنے ہاتھ کی محنت کا کھاتے تھے، اپنے فن میں وہ دستگاہ بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے ان کے آگے کان پکڑتے تھے، وہ تو ان کا ایک شاگرد کچا نکل آیا، اوچھا ہاتھ پڑا اس کا، بٹوے میں سے کچھ نکلا بھی نہیں اور اس کی نشاندہی پر فصاحت صاحب مفت میں پکڑے گئے۔''

''ہمارے ہاں نوکری کے لئے چال چلن کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''وہ ہم داروغہ جیل سے لے لیں گے، نیک چلنی کی بنا پر ان کو سال بھر کی چھوٹ بھی تو ملی تھی اس کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔''

''تعلیم کہاں تک ہے؟''

''اجی تعلیم، یہ آج کل کے اسکولوں کالجوں میں جو پڑھایا جاتا ہے وہ تعلیم ہوتی ہے کیا؟ ہم نے بڑے بڑے میٹرک پاسوں اور ڈگریوں والوں کو دیکھا ہے گنوار کے گنوار رہتے ہیں۔''

''اچھا تو فصاحت صاحب! آپ عرضی لائے ہیں نوکری کے لئے؟''

''جی لایا ہوں یہ لیجئے۔''

''پڑھ کر سنائیے۔''

''جی عینک میں گھر بھول آیا ہوں۔''

''اچھا تو دیجئے، اس پر تو دستخط آپ نے کیے ہی نہیں اور یہ کیا سیاہی کا دھبہ ڈال دیا ہے درخواست کے نیچے۔''

''حضور یہ دھبہ نہیں ہے، میرا نشان انگشت ہے، دیکھیے نا بات دراصل میں یہ ہے......''

☆☆☆

''دیکھو میاں ہمیں خالص دودھ چاہیے ہو گا۔''

''جی خالص بالکل خالص ہو گا۔''

''اور صبح پانچ بجے دینا ہو گا۔''

''جی پانچ بجے کیسے ہو سکتا ہے کمیٹی کے نل تو چھ بجے کھلتے ہیں۔''

''کتنی بھینسیں ہیں تمہاری؟''

''جی بھینسیں، کیسی بھینسیں؟''

''ہاں ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم گوالے ہو۔''

''جی ملتان میں برسوں گوشت ہی بیچتا رہا، پھر اخبار والے پیچھے پڑ گئے تو یہاں چلا آیا۔''

''یہاں کام کیوں نہیں کیا؟''

''جی یہاں جانور پکڑنے کا ٹھیکہ کارپوریشن والوں نے کسی اور کو دے دیا ہے۔''

''تو گویا اب تمہارا صرف دودھ بیچنے پر گزارا ہے؟''

''جی نہیں، گھی کی دکان بھی کر رکھی ہے، آپ کو چاہیے تو رعایت سے دوں گا، گھر کی سی بات ہے۔''

''وہ بھی خالص ہے نا؟''

''خالص سا خالص؟ ایسا خالص تو گائے بھینس کے دودھ سے بھی نہ بنتا ہو گا، اسے چکنا کرنے کے لئے ہم ولائتی گریس ڈالتے ہیں، یہاں کا دیسی مال نہیں ڈالتے، پھر جسم میں تیزی طراری اور چستی پیدا کرنے کے لئے اس میں موبل آئل بھی ملاتے ہیں جو بازار میں کوئی دوسرا دکاندار نہیں ملاتا، یہی تو وجہ ہے کہ ہمارے خریدار ہمیشہ فرانٹے بھرتے چلتے ہیں''

☆☆☆

''فیض صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں بس شاعری کر رہے ہیں۔''

''شاعری؟ بہت دن سے ان کی کوئی چیز نظر سے نہیں گزری، حالانکہ میں ریڈیو کا کمرشل پروگرام باقاعدگی سے سنتا ہوں۔''

''کوئی تازہ مجموعہ آ رہا ہے ان کا؟''

''دست تہ سنگ۔''

''اس کے بعد کا پوچھ رہا ہوں، وہ تو دیکھا ہے۔''

''اس کے بعد کا تیار ہے فقط نام کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔''

''نام؟ نام میں کیا دھرا ہے؟''

''فیض صاحب کو ایسا نام چاہیے جو دست سے شروع ہوتا ہو جیسے دست صبا، دست تہ سنگ۔''

''میں عرض کروں ایک نام؟ اگر آپ فیض صاحب تک پہنچا دیں تو۔''

''ہاں ہاں ضرور فرمایئے، لیکن ان کی شاعری سے مناسبت رکھنے والا ہو، درد دل یا گلدستہ فیض قسم کا نہ ہو۔''

''دست سے شروع ہونے والوں میں دست پناہ کیسا رہے گا؟''

''دست پناہ؟''

''جی ہاں اسے مختصر کر کے دسپنا بھی کہتے ہیں، دیکھیے کیا مناسبت ڈھونڈی ہے، فیض صاحب کی شاعری آگ ہے آگ۔''

''سچ ہے، بلکہ انگارہ کہیے، فیض صاحب تک یہ نام پہنچا دوں گا، امید ہے کہ سن کر خوش ہوں گے۔''

☆☆☆

تیئسویں قسط کا خلاصہ

آپا کو سلیمان کا یکطرفہ فیصلہ بالکل پسند نہیں آیا، انہیں باز رکھنے کو وہ انہیں قدر کی منگنی توڑنے کی دھمکی دیتی ہیں، سلیمان غصے میں فون بند کر دیتے ہیں۔
کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آیا منصف حمدان حرم پہ اپنی بے بسی کی ہر کیفیت کو عیاں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حرم اس کا اپنے لئے قربانی دینا سہہ نہیں پا رہی۔
قدر اور علی شیر کے درمیان چپقلش اور فاصلے بڑھتے ہیں، علی شیر اپنی ڈگر سے ایک انچ بھی سرکنے کو تیار نہیں۔
حمدان کی شادی کی تاریخ مقرر کرنے کی تقریب میں ہی منیب چوہدری وزیر کے بیٹے کے ساتھ حجاب کی منگنی کا اعلان کرتے ہیں تو افراد خانہ پہ ایک قیامت ٹوٹ پڑتی ہے، عمر بھی اس تقریب کا حصہ ہوتا ہے۔

چوبیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

اذیت کے سب رنگ حجاب کے چہرے پہ ثبت ہو گئے، اس نے آنسو بھری نظریں نہیں اٹھائیں اور کترا کر بچ کر نکلنا چاہا مگر عمر نے یہ کوشش پھر ناکام بنا دی، پھر اس کے راستے کو مسدود کر دیا۔

''اتنی اجنبی کیوں بن رہی ہو آخر؟ پرائی تو ہونے جا ہی رہی ہو مگر یاد رکھنا چاہیے کہ راہ و رسم کی ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی تھی حجاب خاتون، پھر اتنا تعلق تو ہے ہمارے بیچ کہ میں تمہیں مبارک باد ہی پیش کر دوں۔'' عمر کا لہجہ بتاتا تھا اس کے اندر کیسی آگ بھڑکی ہوئی ہے، غصہ وحشت اور رد کیے جانے دوسری بار رد کیے جننے کی ذلت کا احساس اس کے پورے وجود کو گویا تشنج کے جھٹکے لگا رہا تھا، حجاب کو لگا وہ آنسو ضبط نہیں کر سکے گی، جبکہ وہ اس کے سامنے رونا بھی نہیں چاہتی تھی، دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرا تھپتھپاتے ہوئے بے قابو ہوتی دھڑکنوں پر قابو پانے لگی۔

''راستہ چھوڑ دیں میرا۔'' وہ بولی تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی، عمر طنزیہ مسکرایا۔

''آپ کے تو سارے راستے ہی صاف تھے، میں تو کسی راستے پہ نہیں کھڑا ہوا، حالات گواہ ہیں۔'' وہ پھر طنز کر رہا تھا، ڈل گولڈن کلر کے ایمبر ڈیزائن لباس میں اپنے نازک سراپے اور کم سن پرکشش چہرے پر میک اپ کا نقش و نگار کیے یہ لڑکی اس وقت ایسے کسی ڈائن سے کم نہیں لگ رہی تھی، ہتھیلی پر ہاتھ کا مکا مار کر بولا، اس کی کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی، اس سے اپنے بے قابو جذبات سنبھالے نہیں جا رہے تھے۔

''اچھا......تو یہ معاملہ تھا، سوری یار، کچھ تھوڑا سا غلط سہی مگر اتنا بھی نہیں، وہ شیطان کی آلہ کار یہاں پھر ٹپک پڑی، رنگ میں بھنگ اسے خوب اچھی طرح ڈالنا آتا تھا۔'' حجاب نے عمر کو بے حد شاکی نظروں سے دیکھا اور لباس سنبھالتی سسکیاں دباتی کمرے میں دوڑ گئی، عمر کو یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا، ہونٹ سختی سے بھینچتا ہوا وہ پلٹا تھا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا، پیچھے سے شانزے پھر کوئی بکواس کر رہی تھی جس پہ کان دھرے بغیر عمر آگے بڑھتا رہا تھا، دھوپ ابھی بھی تیز تھی، حالانکہ سورج واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا، سائے لمبے ہو گئے تھے، مگر تپش میں کمی واضح نہ ہو سکی، کچھ فاصلے پہ سڑک کے دائیں جانب چند کھیت تھے، جن میں چارے کی بڑی بڑی گانٹھیں ایک ترتیب سے پڑی تھیں، چند مزدور ان گانٹھوں کو اٹھا کر لکڑی کے بنے گودام میں رکھ رہے تھے، ان کھیتوں سے پرے ہی مکانوں سے یکسر مختلف ایک خوب صورت مکان تھا، مکان کی کھڑکیوں میں سرخ رنگ کے گملے دھرے تھے، سڑک پہ بالکل ویرانی تھی، کسی وین یا بس کے آثار نہ تھے، ہوا دھول اڑاتی پھرتی تھی بس، وہ کسی چیز پہ دھیان دیئے بغیر لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آئی غانیہ نے اسے اتنے اصرار سے کیوں بلوایا، یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اسے یہ دکھ دینا چاہتی ہو، جو بھی تھا، جیسے بھی تھا، اس کا بدگمان دل جو بڑی دقت سے ذرا صاف ہوا تھا، پھر بے بدگمانیاں سمیٹ لایا، جواب مشکل سے ہی دور ہونے والی تھیں۔

☆☆☆

اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پر مسکراتے رہے

میں بہت دور تک چلتا رہا
تم بہت دیر تک یاد آتے رہے

اویس نے ٹھوکر سے دروازہ کھولا تو عباس کے کمرے سے آتی آواز سن کر ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''یہ باسے کو کیا ہوا؟ مغز میں پڑ گئی اس کے طلاق کے مطالبے والی گل؟'' وہ ٹھٹھہ لگاتے ہوئے زور سے بولا، تائی چولہے کے پاس بیٹھی چائے بنا رہی تھی، کچھ بولے بغیر بناتی رہی، صبح صادق کی ہلکی نیلی روشنی جو ٹھنڈک کا احساس لئے تھی ہر سو پھیلی ہوئی تھی، گاؤں کی کچی پکی گلیوں والے اس گھر میں کل سے سوگ کا سا سماں تھا، جب سے حجاب کے رشتے کے متعلق سنا تھا، نہ صرف حمدان اور حرم ہاتھوں سے نکلے بلکہ یہ آخری امید بھی جاتی رہی، تائی خوب واویلا مچا کر تھک کر سوئی تھی، سعدیہ نے تو رات خوب خوب بین بھی ڈالے، عباس پہلے تو خوب اچھلتا رہا دھمکیاں دیتا رہا غائبانہ پھر نصیبو کو سن کر دل کو ڈھارس دینے کی کوشش کرتا کرتا جانے کیسے یہ گیت لگا بیٹھا تھا۔

کل کچھ ایسا ہوا
میں بہت تھک گیا
اس لئے سن کے بھی ان سنی کر گیا
اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پر مسکراتے رہے
میں اکیلا بہت دیر چلتا رہا
تم بہت دیر تک یاد آتے رہے

اویس سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا، جہاں چھوٹا سا صحن یا برآمدہ تھا، مکمل طور پر چھتا ہوا، وہاں ہر وقت گھپ اندھیرا ہوتا مگر گلی کے ایک رخ کی کھڑکی ادھر کھلتی تھی، جس کی وجہ سے نیم مٹیالی سی روشنی اس اندھیرے برآمدے میں پھیلی ہوئی تھی، سامنے ہی دو کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے، یہ عباس اور اویس کے کمرے تھے، اویس عباس کے کمرے کی جانب آیا، برآمدے کی اس کھڑکی کے نیچے مٹی کے تیل کا چولہا پڑا تھا اور دیوار پہ ایک سلیب سی بنی ہوئی تھی برتن وغیرہ رکھنے کے لئے، اس کچن کے مقابل غسل خانہ تھا، جس کے خستہ لکڑی کے دروازے کو لوہے کی پتریاں لگا کر مضبوط اور محفوظ بنانے کی کوشش کی گئی تھی، سارا گھر پچھلے دنوں چلنے والی آندھیوں کے باعث مٹی اور دھول کی دبیز تہوں سے اٹا تھا اور گھر کی خواتین نے صفائی کی زحمت گوارہ نہ کی تھی دیواروں سے جالے لٹک رہے تھے، اویس نے دیوار کی اونچائی پہ لگے ڈلیش بورڈ پہ پہلے بٹن کو دبایا، کمرے کا اکلوتا بلب پوری شان سے جل اٹھا، کمرے کی حالت صحن کی نسبت بہتر تھی، نواڑی پلنگ جس پہ جالی کی فرل بجی قدرے صاف ستھری پھول دار چادر بچھی تھی، اکلوتی کرسی اور میز جس پہ عباس کے دھونے والے اور دھلے کپڑے دھرے تھے، ایک عدد لکڑی کی الماری جس کے دروازے تختی سے بند تھے، کھڑکی البتہ کھلی تھی اور تیز دھوپ کو اندر آنے کا راستہ دے رہی تھی، اس نے پہلے ٹیپ بند کیا پھر اس کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟ دفع کیوں نہیں ہو جاتے یہاں سے؟'' اوندھے منہ پڑا عباس اسے دیکھتے ہی مزید برہم ہو گیا۔

''تم کس بات کا سوگ منا رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کو گردن موڑ کر اسے دیکھا، استفسار کیا اور پھر سے توجہ کھڑکی کے پار کھیتوں کے نظارے پہ لگا دی، جہاں چلچلاتی دھوپ میں کسان کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے، ڈھور ڈنگر ہل کے ساتھ جتے ہوئے تھے، کچھ کھیتوں میں ٹریکٹر چل رہا تھا، زندگی رواں دواں تھی، بس عباس پہ ہی آ کے منجمد ہو گئی تھی۔

''اگر تمہیں سوگ کی وجہ معلوم نہیں ہے تو...... معلوم کر اور لڈیاں ڈال لے۔'' اس سے آگے گندی گالیاں تھیں، جو وہ منیب اور ان کے گھر والوں کو بھی بک رہا تھا ساتھ میں اویس کو بھی لپیٹ لیا، اسے افسوس اور رنج بھری نظروں سے خود کو دیکھتا پا کر عباس کے اعصاب مزید تن گئے تھے، اویس نے کھڑکی بند کی اور اس کی جانب چلا آیا، چند لمحے اور خاموشی سے سرکے، کمرے میں اب کھڑکی بند ہونے کے باعث ملگجا سا اندھیرا در آیا تھا، بلب کی کمزور روشنی ناکافی تھی یہاں۔

''میں دشمن قبیلے سے ہوتا تو لڈیاں ڈال لیتا، پر میرا تعلق تو تجھ سے ہے پاگلا، دے طلاق، تیز سیاپا، اصل کھیل تو پھر شروع کرنا؟'' وہ سرگوشی سے مشابہہ آواز میں رازدارانہ انداز میں بولا مگر عباس اتنی بات سن کر ہی بدک گیا تھا۔

''مر جاؤں گا، پر طلاق نہ دوں گا۔'' وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

''پھر پاگل بن رہا ہے، ارے احمق گامڑ، گدھے دشمن کا انتقام میں اگر سر کچل دیا جائے تو بدلے کا مزا نہیں آتا، جان ختم سواد ختم، مزا تو اسے تڑپانے میں ملتا ہے اور تڑپانا کیسے ہے، یہ میں تجھے بتاتا ہوں۔'' وہ اس کی سمت اور جھکا اور جانے کیا کھسر پھسر کرنے لگا، عباس کی آنکھوں میں پہلے حیرت اتری پھر غیر یقینی اس کے بعد مسرت کے جگنو چمکنے لگے تھے۔

''تت...... تم سچ کہہ رہے ہو چھوٹے؟ کیا یہ اتنا آسان ہے؟'' عباس عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو کر سوال کرنے پہ مجبور ہوا، جواباً اویس بہت پراسرار انداز میں مسکرایا تھا۔

''استاد بلکہ گرو مانتے ہیں سارے چیلے ہمیں، حجاب کی منگنی ہوگئی، پرواہ کی میں نے؟ کیوں؟ اپنی طاقت پہ گھمنڈ ہے، چڑیا اڑان بھرے جتنی بھرنی ہے، جتنی بلندی پہ جائے گی اتنی آسانی سے جال ڈالوں گا، قید کروں گا اور ذبح کروں گا، لکھوا لے۔'' وہ منہ پہ ہاتھ پھیر پھیر کے دعوے کر رہا تھا، عباس کی نظروں سے ستائش ٹپکنے لگی۔

''ہا سے ابھی سے تعریف نہ کر، پہلے صلاحیت کا مزا چکھنا پھر تعریف سننے کا لطف آئے گا۔'' وہ سگریٹ سلگا رہا تھا، عباس کچھ نہیں بولا، وہ تصور میں اسی وقت کو دیکھ رہا تھا جس کا نقشہ اویس نے اس کے سامنے کھینچا تھا۔

☆☆☆

رنجشیں ہی سہی دل کو دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ
کچھ تو میرے پندار محبت کا بھرم رکھ

تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لئے آ

وہ نڈھال پژمردہ بستر پہ دراز تھی، وہ جس کی آنکھوں میں وہ آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، وہ تین دن سے رو رہی تھی مگر ان کے دل کو کچھ نہیں ہوا تھا، اس نے بہتے آنسو بے دردی سے پونچھے۔

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لئے آ

دروازہ کھٹکا، ملازمہ کے سوا کون ہو سکتا تھا، وہ مزید برہم ہو گئی۔

''دفع ہو جاؤ، مجھے نہیں کچھ کھانا ایک بار کہہ جو دیا۔'' اس کی آواز دھاڑ سے مشابہہ تھی، سلیمان خان نے ہونٹ بھینچ لئے، آیا ماں الگ شرمسار نظر آئیں۔

اب تک دل خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں
یہ آخری شمع بھی بجھانے کے لئے آ

اور وہ آخری شمع بجھانے کے لئے ہی آئے تھے، شاید کہ اس بار خود دروازہ دھڑ دھڑایا، کچھ ایسے کہ آنسو بہاتی قدر اندر جھنجھلا گئی۔

''تمہیں ایک بار سمجھ نہیں آئی کہ میں......'' معاً اس کی زبان کو بریک لگی بلکہ نظر سلیمان خان پہ پڑتے ہی زبان گویا تالو سے چپک گئی، اس کے صبیح مگر اس پل متورم چہرے پہ یکبارگی بہت سی کیفیات اتریں۔

غصہ، خفگی، جھنجھلاہٹ، مان محبت، ناراضگی، شکوہ، دکھ، اس نے بہت چاہا کٹھور بن کر پھر سے دروازہ بند کر دے، چٹخنی چڑھا دے، مگر دل نے بتایا وہ تو کب سے اسی آمد کا منتظر تھا، یہ ساری کیفیات یکدم پگھلیں اور آنسوؤں کی صورت ٹوٹ کر برسنے لگیں، وہ پلٹ کر رخ پھیرتی کھڑی ہو گئی۔

''آیا ماں آپ جا کر چائے بنا لائیں، مگر بہت اسٹرانگ۔'' انہوں نے اپنے مقابل کھانے کی ٹرے سنبھالے کھڑیں آیا ماں کو رخصت کیا اور خود قدم بڑھاتے اندر آ گئے، ٹرے میز پہ رکھی اور وہیں کھڑے کھڑے پورے کمرے کا جائزہ لے لیا، کمرے میں موجود ہر شے قیمتی اور خوب صورت تھی، ہر چیز جس کی خواہش یا ضرورت اس عمر کی لڑکی کو ہو سکتی ہے، خوب صورت بیڈ جس پہ خوش نما پھولوں کی ریشمی جھالر والی بیڈ شیٹ بچھی تھی، گلابی ریک جس پہ اس کی کتابیں میڈل اور بچپن کے کچھ کھلونے سجے تھے جو انہوں نے ہی مختلف موقعوں پہ اسے تحفہ دیئے تھے، فرش پہ بچھا دبیز قالین اور دیواروں پہ بہت خوبصورت پینٹنگز، انہوں نے اپنے تئیں اسے کوئی کمی نہ دی تھی، مگر اب لگتا تھا وہ اس کی ذات کی کمیوں کو پورا نہ کر سکے تھے۔

''آپ خفا ہو مجھ سے بیٹے؟'' انہوں نے گہرا سانس بھر کے سوال کیا۔

''نہیں...... کیونکہ میں سمجھتی ہوں مجھے آپ سے خفا ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔'' جواباً وہ بہت ناراضگی سے بہت خفگی سے تڑخی۔

''ایسا مت کہو بیٹے؟'' وہ دکھ سے ٹوٹ کر بکھرنے لگے، قدر اور زیادہ بھڑکی۔

''کیوں نہ کہوں، آپ نے یہ ثابت کیا ہے۔'' آنسو جو قطار باندھے پلکوں کی دہلیز پہ کھڑے

تھے ٹپ ٹپ برسنے لگے، وہ کتنے بے قرار ہوئے وہ کیا جانے۔
''بیٹے پپا نے بہت سوچ سمجھ کے......''
''تو......تو یہ......ملی آپ کو......اور......آپ......نے مجھے اس عورت کے لئے مارا......اس عورت کے لئے۔'' وہ بولی کم سسکی زیادہ، خان کی بے بسی میں اضافہ ہوا۔
''اچھا پپا سوری کرر ہے ہیں نا۔'' انہوں نے سب ہتھیار پھینک دیئے، وہ اور اکڑ گئی۔
''میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ چلائی۔
''آپ فیصلہ کرلیں، آپ کو بیٹی رکھنی ہے یا وہ عورت۔''
وہ ان کی بیٹی ہوکر ان کی زندگی کا فیصلہ کررہی تھی، ان کی زندگی کا، سلیمان خان کی کا، جنہوں نے یہ حق کبھی کسی رشتے کو نہ دیا تھا، وہ اسے دیکھتے رہ گئے، وہ دن بھی تھے جب وہ اپنے ننھے سے وجود کے ساتھ آکر ان سے لپٹ جایا کرتی تو کیسا سکون اندر سرائیت کر جایا کرتا، ہر دکھ مٹ جاتا، ہر غم غلط ہو جاتا، ساری تھکاوٹ اتر جایا کرتی، ایک بار جب اس نے اپنے گداز ننھے ننھے ہاتھوں سے گل دوپہری کی کیاری اجاڑ دی تھی تو انہوں نے اس کی وہ ننھی سرخ ہتھیلیاں چوم لی تھیں، آج مخروطی انگلیوں والا نوخیز ہاتھ اس قابل تھا کہ کسی بھی پل اس پہ شگن کی مہندی کا رنگ سجا دیا جاتا، اس کے اتنے جلدی بڑا ہو جانے پہ انہیں اپنا آپ بہت کمزور اور بوڑھا محسوس ہونے لگا۔
''چائے دوں صاحب۔'' آیاماں آچکی تھیں، چائے سمیت ٹرے میز پہ رکھتیں بولیں، اس سے قبل کہ سلیمان کوئی جواب دیتے وہ پھر زہر اگلنے لگی۔
''ہاں دے دیں، آخری بار اپنے ہاتھوں سے دے دیں۔'' آیاماں اس بدتمیزی کے مظاہرے سے زیادہ اس بدفال پہ ہولیں بے اختیار ٹوکا۔
''اللہ نہ کرے کہ آخری بار ہو۔''
''پھر تو پپا بیوی کے ہاتھ کی پئیں گے، سنا ہے ایک بار بیوی کے ہاتھ کا ذائقہ لگ جائے تو پھر کسی اور کے ہاتھ کی اچھی نہیں لگتی۔'' ان کی خاموشی کو نشانہ بناتے ہوئے وہ کفن پھاڑ کر بولی تھی، آیا ماں کو کہاں توقع تھی اس سے اس درجہ گل افشانی و بدتمیزی کی، اتنی خائف ہوئیں کہ اٹھ کر ہی چلی گئیں، ماحول کی اس گمبھیرتا میں انہیں اپنی موجودگی مناسب نہ لگی تھی، سلیمان کچھ نہیں بولے، اٹھے اور باہر نکل گئے، اس بدتمیزی کا جواب تھپڑ تھا، جو وہ اسے مارنا نہیں چاہتے تھے، وہ ان کی بیٹی تھی، تلخ ہونے پہ آئی تو ہر لحاظ اٹھا دیا، سگریٹ سلگاتے ہوئے انہیں اپنا آپ بھی سلگتا محسوس ہوا، رہ رہ کے پھر اس کی ماں یاد آئی جو ضد کرتے ہوئے ایسی ہی بے لحاظی کا مظاہرہ کرنے لگتی تھی۔
باہر دور سرو کے پیڑ کے پیچھے سورج گم ہو رہا تھا، اداس نارنجی روشنی ہر سو پھیلی تھی، وہ بے خیال تھے، بلکہ فکر مند تھے، جانتے تھے قدر کتنی جذباتی ہے، اس کے اندر ایک باغی روح ہے، وہ جانتے تھے اس کی نادانی و کم فہمی کو ایک ذرا سے اشارے کی ضرورت ہے، کہیں وہ بھٹک نہ جائے، وہ اسی بات سے ڈرتے تھے، اس نازک صورتحال میں جبکہ آپا نے بھی بے اعتنائی کی حد کردی تھی، علی شیر جس کی جانب سے وہ بالکل مایوس ہو چکے تھے اس کسی صورت بھی اس کے متعلق اس انداز میں سوچنا نہ چاہتے تھے، ایسے میں فی الفور ایسا کوئی قابل اعتماد قابل بھروسہ شخص نہیں بجھائی نہ دیتا تھا

جس کے ہاتھ میں پورے اعتماد اور تسلی سے قدر کا ہاتھ تھما سکتے، ان کی بیٹی ان سے بہت قریب نہ تھی، اسے غلط صحیح بتانے والا کوئی نہ تھا، پھر اسے بے اعتمادی اور بدگمانی کا بہت بڑا مرض لاحق تھا جو بھی رستے میں آیا اسی کو ہمدرد جان کر اس پہ بھروسہ کر بیٹھی یہ جانے بنا کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے بھی کہ نہیں، اب جس طرح اس نے ری ایکٹ کیا اس کا رویہ اس کے مستقبل کے تعلق کو ان پر عیاں کر رہا تھا، وہ وقت گیا تھا، جب وہ بہت چھوٹی سی ہوا کرتی تھی تو ان کے کندھے سے لٹک کر ہر فرمائش کیا کرتی تھی، پتا نہیں وہ ننھی معصوم گڑیا کہاں کھو گئی جسے اپنے باپ سے محبت بہت تھی اور شکوہ ایک بھی نہیں، انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ کب اتنی بڑی ہو گئی کہ اپنے فیصلے خود کرنے لگی اور وہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ وہ اب بھی وہی چھوٹی بچی ہے جو انہیں ہی سب کچھ سمجھتی ہے۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئے، نارنجی شعاعیں سمٹتی سمٹتی اب دیواروں سے اتر کر لان کی گھاس پر پڑ رہی تھیں، وہی سبز گھاس جس پہ ان سے ملاقات کو آیا وہ نوجوان آفیسر ٹہل رہا تھا، جسے ان سے انسیت بہت تھی، احترام کا خلوص کا ایسا اٹوٹ تعلق استوار ہوا تھا جسے وہ تن تنہا ہی نبھا رہا تھا، پولیس یونیفارم میں ملبوس جس کا چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد مضبوط کسرتی جسم اور مردانہ پرکشش وجیہہ نقوش گندمی چہرے پہ اس کا عزم اور ذمہ داری کے ساتھ فرض شناسی کا احساس روشنی بن کر پھیلا ہوا تھا، وہ رکے ہوئے تھے، رکے رہ گئے، ان کی سوچیں ان کے تفکرات ایک مرکز پہ جمع ہو رہے تھے، وہ گہری بہت گہری سوچ میں مبتلا تھے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات کی خواہش کو آیا نوجوان انتظار کی اذیت سہتا بالآخر یونہی ملے بغیر مایوس لوٹ گیا۔

☆☆☆

لطف غبار راہ محبت نہ پوچھئے
اس میٹھے میٹھے درد کی لذت نہ پوچھئے
چاہیں تو بخش دیجئے قربت کا ایک پل
فرصت میں حال دل میرا حضرت نہ پوچھئے
کوئی طبیب کر نہ سکے گا میرا علاج
اس عشق لا دوا کی علالت نہ پوچھئے
کتنے فراق یار میں جل کر ہوئے تمام
ماضی کی ہم سے کوئی حکایت نہ پوچھئے
ایسا لگا کہ جیسے قیامت گزر گئی
درد فراق یار کی لذت نہ پوچھئے

شادی نزدیک تھی، تیاریاں عروج پہ، سب سے زیادہ سرگرم بھی شانزے ہی نظر آتی، ابھی تو شادی ہوئی بھی نہ تھی مگر وہ ضرور چوتھی کی دلہن جیسا تیار شیار رہنے لگی تھی، شاید یہ سولہ سنگھار حمدان کو متوجہ کرنے کے جتن تھے، جو کامیاب نہ ہوئے تھے، حجاب کو تو وہ اس تیاری کے ساتھ اسٹیج کی تھرڈ کلاس فنکارہ کے سوا کچھ نہ لگتی مگر یہ اس کا خیال تھا، شانزے کا ذاتی خیال کچھ مختلف اور بہت پراعتماد تھا، اسے یقین تھا وہ اسی سنگھار کے بل بوتے پہ اک دن حمدان کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پہ

مجبور کر دے گی، آج وہ لوگ شادی کا جوڑا خریدنے کے لئے آئے تھے، جس کی مالیت ایک لاکھ سے اوپر ہی تھی، وہ بڑے فخر سے اس کی نمائش کر رہی تھی، خود تو حمدان کی توجہ حاصل نہ کر سکی، کنیز کے ذریعے ضرور کامیاب رہی۔

''بیٹے! آپ کو پسند آیا نکاح کا جوڑا؟ بتایا نہیں کیسا لگا؟'' ان کا انداز مخصوص تھا، بے حد محبت آمیز، حمدان جو اخبار بینی میں مصروف تھا گہرا سانس بھرتا متوجہ ہوا، شانزے یکدم الرٹ نظر آنے لگی، اس کی رائے کا تو اسے بھی انتظار تھا۔

''مالیت کے لحاظ سے تو سو سو ہے، اتنا مہنگا لباس لینے کی کیا ضرورت تھی، محض چند گھنٹوں کی خاطر اتنی فضول خرچی، جو سراسر اسراف میں آتا ہے۔'' وہ کسی طرح بھی اپنی ناگواری نہیں دبا سکا، شانزے نے تنفر سے اسے دیکھا تھا اور زور سے پھنکار اٹھی۔

''اس سے کیوں پوچھ لیا مام، یہ تو جلے دل کے پھپھولے ہی پھوڑے گا، یہی میری بجائے بہن کے لئے لایا ہوتا سوٹ تو باچھیں چیر چیر کے تعریف کے پل باندھتا نہ تھکتا، مجھ سے تو جانے کیوں ہر قسم کا بیر باندھ لیا ہے اس نے۔'' لحاظ مروت تو اس میں سرے سے نہ تھا، جھگڑالو بھی انتہا کی تھی، اس وقت جس طرح بغیر کسی کا خیال کیے بغیر بولی کنیز کو عجیب سی خفت و شرمندگی نے آن لیا۔

''شانزے!'' انہوں نے اسے گھورا۔

''ایسے بات کرتے ہیں، اس کے ساتھ اپنا رشتہ دیکھو۔'' وہ آنکھیں نکالتی گھرک رہی تھیں، مگر وہاں مطلق اثر نہ تھا۔

''اسے آپ نہیں میں جانتی ہوں ممی، جبھی اس لحاظ سے ٹریٹ کر رہی ہوں ڈونٹ وری۔'' اس کا انداز ہنوز تھا، آنکھوں میں حیاء نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کنیز اتنی خفت زدہ ہوئیں کہ مزید کچھ نہ بولیں، ہر سو سناٹا چھا گیا، شانزے اپنی شاپنگ سمیٹ کر تن فن کرتی اپنے کمرے میں جا گھسی، غانیہ گم صم بیٹھی تھیں، حرم کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

غانیہ نے اک نظر اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں لائٹ روشن تھی، گویا وہ شخص جاگ رہا تھا، وقت کو اگر بیس بائیس سال پیچھے پلٹا دیا جاتا تو اس جگہ یہ جہاں آج حمدان تھا وہ شخص خود تھا، شادی کی تیاریوں میں سرے سے دلچسپی نہ لی تھی، وہ وقت اور آج کا دن، وہ کسی خوشی کو ترسی تھیں اور حالات کی آزمائش کی چکی میں پستی مسلسل اذیت سہتی تھیں، حمدان کا حال بھی اس سے مختلف ہونے والا نہیں تھا، دکھ کا شدید اور قوی احساس ان کا دل نچوڑنے لگا، انہیں اپنا آپ بھی حمدان کا مجرم محسوس ہوا، ان کی خاموشی ان کا خوف ان کے جرم کی وجہ تھی، اب وہ بیس سال پہلے والی غانیہ تو نہ تھی، ڈری سہمی نازک لڑکی، اب تو وہ ایک ماں تھیں اور ماں ہرگز کمزور نہیں ہوتی، وہ تو شیرنی ہوتی ہے، جو اس کے بچوں کی طرف ذرا سی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت کرتا ہے اسے چیر پھاڑ کے رکھ دیتی ہے، وہ تو ماں ہونے کا حق ادا ہی نہ کر سکیں، انہوں نے تو اس مقدم رتبے پہ اپنی بزدلی سے کلنک کا ایسا داغ لگا دیا جو سات سمندروں کے پانیوں سے بھی دھلنے والا نہیں تھا، ان کے اندر عجیب سی سنسناہٹ ہوئی اور ایک بے انت وحشت کا احساس جاگ اٹھا، وہ ایک دم سے

اٹھیں تو ان کا چہرہ متغیر تھا، اٹھتے قدموں میں لرزاہٹ تھی، چہرا تمتمار ہا تھا، کمرے میں آئیں تو منیب چوہدری حسب معمول کسی فائل کے مطالعے میں محو و مگن تھے، وہ جا کر ان کے سامنے کھڑی ہوگئی تھیں، اس شخص نے توجہ نہ کی، وہ اکثر جب کوئی بات کرنی ہوتا ایسا ہی انداز اپناتی تھیں، سائلوں والا، فقیروں کا سا، سخی کی مرضی توجہ دے نہ دے، مگر آج انداز بھلے وہی تھا، مگر رنگ ڈھنگ وہ ہرگز نہ تھے۔

''منیب......!'' وہ بولی تھیں تو آواز کی لرزش پہ کنٹرول حاصل ہو چکا تھا، وہ شخص چونکا، اک نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر سے فائل کی جانب متوجہ ہوا مگر غانیہ نے ہاتھ بڑھا کر فائل اٹھالی۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اس شخص کی حیرت پہلی جرأت پہ تمام نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے اگلا دھچکا لگا دیا۔

''فائل واپس رکھو، کرو بات، یہ کیا حرکت ہے؟'' اس شخص نے برہمی سے کہا، غانیہ نے فائل رکھ دی تھی مگر بند کر کے وہ شخص انہیں گھورتا فائل کھولنے کو تھا کہ غانیہ نے بھانپتے ہوئے ہاتھ فائل پہ جما دیا۔

''حمدان اور شانزے کی سوچوں میں بہت فرق ہے، ہم نے ان کی زندگی کے فیصلے میں عجلت کا مظاہرہ کیا ہے، آپ سے گزارش کر رہی ہوں، دوبارہ نظر ثانی کریں پلیز۔'' انہوں نے انہیں یوں دیکھا گویا ان کی ذہنی حالت پہ شبہ ہو، آنکھوں میں طنز اور سرد مہری اتر آئی۔

''بس یہی کہنے آئی تھیں تم؟ اب جاؤ میرے پاس فالتو باتوں کے لئے ٹائم نہیں۔'' ان کی آواز ان کی نظروں کی طرح سرد تھی۔

''یہ فضول بات نہیں ہے، آپ کو کیوں سمجھ نہیں آتی۔'' وہ ایک دم ایسے ہسٹریک ہو کر چلائیں کہ کمرے کی دیواریں تک گونج اٹھیں، انہوں نے چونک کرنا گواریت میں مبتلا ہو کر غانیہ کو دیکھا۔

''میں...... یہ شادی نہیں ہونے دوں گی، اس لئے کہ میرا بیٹا خوش نہیں ہے۔'' وہ پھر اسی طرح چلائیں، منیب کا ہاتھ اٹھا مگر ان کے چہرے پہ نہیں برسا، وجہ اچانک حمدان کا وہاں آجانا تھا، پہلے تو وہ ماں کو باپ کے مقابل کھڑے پا کر ہی کم حیران نہ تھا، اس پہ باپ کا اٹھا ہاتھ، وہ جیسے صدمے سے چور وہیں کھڑا رہ گیا۔

''اسے لے جاؤ یار، یہ عورت پاگل ہوگئی ہے، دماغ چل گیا ہے اس کا۔'' وہ تلملا کر بولے، غانیہ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''ایسا مت کریں منیب، اللہ کا واسطہ ہے نہ کریں ایسا، میرے بیٹے کی زندگی سے نہ کھلیں، یہ دیکھیں میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے آگے۔'' وہ گڑگڑانے لگیں، اس شخص نے بے حد تنفر سے انہیں جھٹک ڈالا تو حمدان جو تب سے پتھرایا ہوا کھڑا تھا تڑپ کر حواسوں میں لوٹا اور سرعت سے لپک کر بے قراری مچلتی ماں کو سنبھالنے لگا۔

''کیا ہو گیا ہے ممی، پلیز کنٹرول یور سلف۔'' وہ روہانسا ہی تو ہو گیا تھا انہیں اس حال میں دیکھ کر ایسی حالت تباہ کن تو اس نے کبھی زندگی میں ان کی نہ دیکھی تھی، یہ عورت تو صبر و برداشت کا پہاڑ تھی۔

''حمدان...... میرے بچے...... تم یہ شادی نہ کرنا...... انکار کر دو، آپ کے پپا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے، آپ یہ گھر چھوڑ دو مگر خود کو یوں......'' وہ اب اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگیں، ان کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی، حمدان کی آنکھیں نم ہونے لگیں، اس نے انہیں بانہوں میں بھرتے سینے سے لگا لیا، اک نظر باپ کو دیکھا، جن کے پتھریلے چہرے پہ از حد نفرت رقم تھی۔

''بہکا رہی ہے یہ عورت تمہیں، مان لو اس کی بات، آج تم نے ابھی دیکھ لیا اس کا اصل روپ۔'' وہ زور سے پھنکارے، حمدان نے جواب نہیں دیا، غانیہ کے بے جان ہوتے وجود کو سنبھالنے میں مصروف رہا۔

''آئیں میرے ساتھ، خود کو ناحق ہلکان کر رہی ہیں، میری مرضی کے بغیر شادی کیسے ہو سکتی تھی مما، ریلیکس ہو جائیں، میں بالکل راضی ہوں۔'' انہیں یونہی تھامے وہ اپنے کمرے میں آ گیا، غانیہ نیم جان ہو رہی تھیں، اس نے انہیں بستر پہ لٹا دیا تھا، خود انہیں پانی پلایا، ہاتھ سہلاتا رہا۔

''میں تو آپ کے پاس خوش خبری لے کر آیا تھا، کیا پتا تھا کہ آپ اتنی ڈسٹرب ہوں گی۔'' انہیں بے دم انداز میں آنکھیں موندے پا کر وہ ان کا دھیان بٹانے کو بولا، وہ تب بھی یونہی رہیں، کوئی تحریک ان کے اندر بیدار نہ ہو سکی۔

''مجھے معاف کر دو میرے لاڈلے شہزادے، میں تمہاری ماں ہونے کا حق ادا نہ کر سکی۔'' ان کی آواز جیسے کنویں سے آ رہی تھی، اتنی نحیف اتنی ڈوبی ڈوبی سی تھی، حمدان نے جھک کر ان کے ہاتھ پہ بوسہ ثبت کیا۔

''بے کار کی باتوں کو لے کر خود کو نہ تھکائیں ممی، پلیز مائی سیک۔'' وہ خود آبدیدہ ہو گیا، غانیہ نے سرد آہ بھری۔

''گڈ نیوز نہیں سنیں گی؟'' وہ ہر صورت ان کا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا، غانیہ نے آنکھیں کھول دیں، حمدان انہیں دیکھتا رہ گیا کہ پلکیں وا ہوتے ہی جانے کب کا رکا آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا تھا۔

''عباس نے بغیر کسی قانونی کاروائی کے ہی طلاق کے پیپرز سائن کر کے دے دیئے ہیں اور ممی اگر سمجھا جائے تو یہ ہماری بہت بڑی اچیومنٹ ہے، بی کوز اگر کیس عدالت میں جاتا تو معاملہ گھمبیر ہو سکتا تھا، اب اگر اس معاملے کو راز بھی رکھنا چاہیں تو پرابلم نہیں ہو گی۔'' وہ بہت ریلیکس بہت مطمئن لگ رہا تھا، جس دن سے شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی، غانیہ نے اسے پہلی بار یوں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا، ان کے دل سے ہوک سی اٹھی، کاش اس کی اپنی زندگی بھی ایسی ہوتی کہ اس کے تصور سے بھی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ آ جاتی، انہیں بیٹے پہ ٹوٹ کر پیار آیا۔

''کیا بات ہے مما، آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ مضطرب ہونے لگا، غانیہ نے سرد آہ بھری۔

''خوشی اگر کبھی ملی بھی تو غم کے پردے میں لپٹی ملی، جتنا میں ان لوگوں کو جانتی ہوں آپ نہیں جانتے، وہ ایسا تو نہیں کہ یوں آسانی سے ہر معاملے سے دستبردار ہو جائے، میرے دل کو تو جانے کیسے دھڑکے آن لگے ہیں، خدا خیر کرے آمین۔'' خود کو سنبھالتی وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، حمدان نے سر لاپرواہی سے جھٹک ڈالا۔

''کیوں ہر بات پر پریشان ہوتی رہتی ہیں مما، یہ عادت تو نہیں اچھی، خوشی کے موقع پہ

تفکرات سے جان چھڑا لینی چاہیے، بس مسکرائیں یہ سوچ کر کہ آپ مجھے مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔'' جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ لیتا ہوا وہ اتنی محبت سے کہہ رہا تھا، کہ عقیدت کی خوشبو سے الفاظ مہکنے لگے تھے، غانیہ کا دل بھر آیا، آنکھیں پھر سے چھلک گئیں، انہوں نے اسے بے اختیار و بے ساختہ اپنے بازوؤں میں بھرلیا۔

''جیتے رہو، دلی مرادیں پاؤ۔'' وہ ہزار ضبط کے باوجود پھر سے سسکنے لگیں، اب کی بار حمدان کچھ نہیں بولا، بس انہیں ساتھ لگائے تھپکتا رہا، یہ بھی تسلی کا ایک انداز تھا اور کیا خوب تھا۔

☆☆☆

رنگیں ہے تو رنگوں سے بھی زیادہ
شوخ لگتی ہے رہ کے بھی سادہ
بے جائیں گے تم کو اٹھا کر
تیرے بنا لاگے نہ مورا جیا

آسمان گرد آلود تھا، آندھی کے آثار تھے، وہ صحن کے بیچوں بیچ بیٹھا جھوم جھوم کے گا رہا تھا اور تائی ماں کے علاوہ سعدیہ وغیرہ کا بھی خیال تھا واقعی دماغ چل گیا ہے، عباس نے اویس کی بات پر کان دھر لئے تھے، کسی کو اصل معاملے کی ہوا تک نہ لگنے دی تھی۔

''منہ پہ کارا مل دیا اس کتورے نے، ارے ست پستوں سے کبھی طلاق نہ دی اس خانوادے میں کسی نے، اور یہ اک ہمارا سپوت ہے، سپولیا ہے سپولیا، ماں پیو کے سر کے کھے ڈال کر بیٹھ گیا، اب دیکھ کیسا کنجر بنا گانا وجانا کر رہا ہے۔'' تائی ماں کے پر سر پہ لگی تھی اس کی یہ خوش مزاجی اچھی باتیں نکال نکال کر بھڑاس نکالنے لگیں۔

''بنا بنایا کھیل وگاڑھ دیا اس باسے نے، اللہ کرے کسے کی آئی اسے آئے۔'' سعدیہ کا اپنا رونا اپنا غم و غصہ تھا، وہ دونوں کو بولتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا، آندھی باقاعدہ چلنے لگی، کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بجنا شروع ہو گئے تھے، اس نے کھڑکی اور دروازہ بند کیا اور خود بستر پہ لیٹ گیا۔

''کیا حسین منظر ہو گا تم سے حرم بیگم جب تم مجھ سے رحم کی اپلیں کرو گی اور میں معاف نہیں کروں گا ہاہ۔'' وہ اس لمحے کے تصور میں کھونا چاہتا تھا کہ فون کی بیل پہ سخت بدمزہ ہوا، کرتے کی بغلی جیب سے سیل فون برآمد کیا تو شانزے کا نام اسکرین پہ دیکھ کر اس کے چہرے پہ برستی خباثت میں اضافہ ہوا۔

''تم بھی کیا شے ہو شانزے ڈیئر، موقع ملا تو کبھی تم پہ بھی ہاتھ ضرور صاف کروں گا اسی بہانے سالا صاحب کو عمر بھر کا نمک بھی لگا دوں گا، اپنے زخم چاٹنے سے فرصت نہ ملے گی اسے انشاء اللہ۔'' اس نے کال ریسیو کرنے سے قبل من پسند سوچ کو مزید وسعت دی۔

''ہیلو۔'' وہ چہک کر بولا، دوسری جانب وہ چھوٹتے ہی اس کے گلے پڑ گئی۔

''تمہارے آس پاس کہیں پانی موجود ہے؟'' عباس اس سوال پہ حیران ہوتا لاشعوری طور پہ اطراف میں نگاہ دوڑا کر نفی میں سر ہلاتا بولا تھا۔

''آں...... نہیں تو...... مگر تم نے کیوں پوچھا؟''

''اس لئے کہ اگر ہے تو اس میں سے چلو بھر لو اور اسی میں ڈوب مرو، یہی کرنا چاہیے اب تمہیں۔'' وہ ایسے بھڑکی ہوئی تھی جیسے شہد کی مکھی کا کوئی چھتہ الٹا دے تو وہ غصے میں باؤلی ہو کر حملہ کرنے والے پہ جھپٹ پڑتی ہے، عباس خفیف تو بہت ہوا مگر اس کی بھی ماں بہن ایک کرنے میں ذرا جو لحاظ سے کام لیا ہو۔

''شٹ اپ، تمیز سے بات کیا کرو، اگر ہوتی ہو تو، ورنہ خاص ضرورت بھی نہیں۔'' اسی جواب پہ شانزے طنزیہ ہنستی چلی گئی۔

''کیوں...... اب تو تمیز کا رشتہ بھی نہ رہا جو برتی جائے۔'' وہ کون سا کم تھی، بے باکی میں یا بے شرمی میں، عباس خباثت سے ہنسنے لگا۔

''رشتے کا کیا ہے، کبھی بھی وقت بنایا جا سکتا ہے، تم سے بنا لوں کیا؟'' شانزے ایک پل کو چپ سی ہو گئی، پھر اسے ڈانٹ دیا۔

''بدتمیزی نہیں چلے گی۔''

''کیوں؟ تمہاری قبر پہ جھنڈے چڑھیں گے جو صرف تمیز سے پیش آؤں۔'' جواباً وہ اس کا منہ توڑ کر رکھنے میں لمحہ نہیں لگا رہا تھا، شانزے سخت بدمزا ہوئی۔

''فضول باتیں چھوڑو، اصل بات کی جانب آؤ۔''

''فضول بات شروع کس نے کی تھی؟'' عباس نے پھر اسے لاجواب کیا، وہ زچ ہوئی۔

''تم نے طلاق دے کر سخت حماقت کی، مجھے تم سے ایسی بزدلی کی توقع نہیں تھی۔'' وہ پھر مرکز پہ آئی، عباس بے تکی ہنسی ہنسنے لگا۔

''دراصل مجھے تم پسند آ گئی تھیں، حرم میں تھا ہی کیا خالی خولی حسن کے علاوہ، جبکہ تم تو اداؤں سے ناز سے بھری ہو، سوچا تم سے فیض حاصل کیا جائے۔'' وہ بڑے دھڑلے سے کہہ رہا تھا، یہ شانزے جیسی عورتوں کے لئے ہی مرد ایسا دھڑلہ استعمال کرتا ہے، جنہیں خود اپنی عزت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

''بکواس نہ کرو، یہ منہ اور مسور کی دال۔'' وہ برا منائے بغیر اسے لتاڑنے لگی، عباس نے جواباً اسے گھسیٹ لیا۔

''سالا صاحب کے مقابلے میں اگر تمہیں دیکھا جائے تو یہ منہ اور مسور کی دال وہاں بھی گلتی نہیں مگر تم قسمت کی دھنی نکلیں۔'' وہ تعریف بھی ذلت کے پردے میں لپیٹ کر کر رہا تھا اور سامنے عقل سے ماورا حیا سے عاری عورت تھی اسی سے لطف کشید کرتی ہنسے گئی، جیسے کسی کارکردگی پہ میڈل پہنا دیا گیا ہو، وہ ایسے ہی اٹھلائی۔

''ہاں دیکھ لو، ایسی قسمت بھی ہر کسی کو نہیں ملتی؟'' عباس نے ہنکارا بھرا مسکرایا پھر گنگنانے لگا۔

خوب گزرنے گی جو مل بیٹھیں گے ہم دونوں
قاتلانہ ادائیں تیری عاشقانہ مزاج میرا

''پھر وہی بکواس۔'' وہ بھڑکی، عباس کو بھی تاؤ آ گیا۔
''کیوں؟ ہر قسم کی بکواس کا حق تم سمجھتی ہو صرف تمہارے پاس ہے، میرا بھی جو دل کرے گا بولوں گا، تم روک نہیں سکتیں۔'' اس نے جتایا اور پھر گنگنانے لگا۔

وارے نیارے ہو جائیں
جو آپ ہمارے ہو جائیں

''آج تم ہوش میں نہیں لگتے، خواہ مخواہ فون کر لیا میں نے، پی رکھی ہے کیا؟'' جواباً عباس پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔
''نہیں ابھی تو نہیں پی، اس دن پیئوں گا جس دن تم سے ملنے کا ارادہ ہوگا، ابھی تو بس یہی مشغلے ہیں۔''

تین ہی تو مشغلے ہیں میرے
تجھے سے عشق شاعری سگریٹ

وہ پھر بہکا، شانزے کو ٹوٹ کر ہنسی آئی، اس کھیل میں بھی مزا تھا، اس نے تو کھیلا بھی پہلی بار تھا، حمدان نے بھلا کہاں اسے اتنی توجہ اتنی اہمیت سے نوازا تھا، یہ برجستگی یہ والہانہ پن بالکل انوکھا اور نیا تھا اس کے لئے۔
''تم تو پاگل ہی ہو گئے ہو لگتا ہے۔''
''ابھی کہاں، یہ پاگل پن دیکھنا ہے تو ملنے آؤ کبھی کہ۔''
''شٹ اپ، تم جتنے مرضی رومنٹک سہی مگر حمدان کے مقابلے میں کیا قدر و قیمت ہے تمہاری۔'' اس کے لہجے میں غرور سا اتر آیا، عباس کو توہین محسوس ہوئی۔
''سالا صاحب میں بھی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے، ایویں شوخیاں مار رہی ہو تم اب۔'' اس کا انداز جلا کٹا تھا، شانزے کی ہنسی نے اس آگ پہ مزید تیل چھڑکا، شانزے کچھ مزید کہتی مگر وہ یکدم اس جھک جھک سے اکتا گیا جبھی فون بند کر ڈالا، بیل کچھ توقف سے پھر ہونے لگی، عباس نے فون سائلنٹ پہ لگا کر تکیے کے نیچے سرکا دیا۔
''میں کس چکر میں تمہاری محرومیوں اور تشنگیوں کا مداوا کرتا پھروں بھلا، اونہہ کمینی عورت۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر کھڑکی میں آیا، آندھی رک گئی تھی، اب آسمان کو سیاہ بادلوں نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا، بلکہ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چند کوس کے فاصلے پہ بارش برس رہی تھی، بے حد نیلا شفاف آسمان، نوک برگ سے پھسلتے شفاف موتی، بارش میں بھیگا باغوں کو جاتا راستہ بھیگی گھاس کی پتیاں اور اور پتیوں سے الجھتے گلہری کے بچے، وہ سگریٹ سلگاتا یہ منظر دیکھتا رہا۔
''کتنا خوب صورت ہے یہ سب مگر تم سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے حرم۔'' دھواں اڑاتا وہ اس کے تصور سے ہم کلام ہوا۔
تو میری پہلی محبت، تو میری پہلی تشنگی ہے، وہ بے قرار سا ہو کر کمرے سے نکلا اور باہر کی جانب ہو لیا، وقت ٹھہر گیا تھا جیسے کہ جبکہ ادریس نے اسے ٹھنڈا کر کے کھانے کی ترغیب دی تھی، اس کا سواد ہی الگ ہے۔

ان کا حسن یوں ہے صاحب
جیسے برف میں ڈھکا کشمیر ہو
وہ گنگنایا، ابھی تو محض تصور سے دل بہلاتا تھا، اور وہ اسی پہ مجبور تھا۔

☆☆☆

خدا کی مرضی ہے وہ میرے ہاتھوں پہ ہجر لکھے وصال لکھے
رضا جو اس کی ہے میں بھی خوش ہوں عروج بخشے زوال لکھے
سنو میرے دل کہ آج سے ہیں جدا جدا ہمارے راستے
تمہارے رستے پہ چل کے ہم نے دکھ پڑھے ہیں ملال لکھے
جو تمن تھا بنایا اس نے ہے اتنا مشکل حیات پرچہ
کہ ہم سے ممبر تو فیل ہوں گے ہیں اس میں ایسے سوال لکھے
یہ لفظ میرے ہیں دراصل سب قصیدے تیری ادا کے
جو حرف لکھا یا لفظ لکھا ہے اس میں تیرے جمال لکھے

جاتی دوپہر کے صحن میں آخری قدم تھے، سناٹا گھر کے آنگن پہ چھایا ہوا تھا، وہ اپنے کمرے میں سر جھکائے بیٹھی تھی، پردے گرے ہونے کے باعث ماحول میں ملگجا سا اندھیرا پھیل چکا تھا، آیا ماں مایوس سی کھانے کی ٹرے جوں کی توں اٹھا کر لے گئی تھی، گھر کے ماحول نے انہیں بے حد افسردہ کر رکھا تھا، باپ بیٹی دونوں اک دوسرے سے خفا اور گم صم تھے، زرد شام کی اڑتی ہوئی دھول اس کی آنکھوں میں مایوسی بھر رہی تھی، امید کے گھروندے ٹوٹے تو دل کی راہیں خس و خاشاک سے اٹ گئیں، علی شیر نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی، کسی کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی شاید، اس کی آنکھیں بھر آئیں، دھیان بٹانے کو اٹھ کر کھڑکی تو شام کی قدم چومتی ہلکی دھوپ نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور کمرے میں جھانکنے لگی، ہوا نامعلوم خوشبو کا جھونکا چرا لائی تھی، وہ آگے کو جھک کر باہر جھانکنے لگی، کالونی کی صاف شفاف سڑکوں پر خاموشی کا راج تھا، شام کے ماند پڑتے رنگ بتاتے تھے کہ اندھیرے انہیں نگلنے والے ہیں، سڑکوں پر گھروں کو لوٹنے والوں کی آمد و رفت تھی، مائیں باہر کھیلتے بچوں کو آوازیں دے دے کر اندر بلا رہی تھیں، وہ وہیں کھڑی رہی یہاں تک کہ مغرب بھی ہوگئی، فضا میں اب مغرب کے بعد کی نیم تاریکی گھل مل رہی تھی، سڑک کے دونوں اطراف بنے نئے اور پرانے گھروں میں زندگی بولی اور مسکراتی گنگناتی محسوس ہوئی تھی، شور ہنگامہ آوازیں ہنسی، بس وہ اور اس کا گھر اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے، اس نے احتجاجاً کالج جانا چھوڑ دیا، سلیمان نے پھر بھی پرواہ نہیں کی، اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ اس سے اتنے غافل بھی ہو سکتے ہیں۔

دروازے پہ دستک ہوئی، وہ بہری بنی بیٹھی رہی، یہاں تک کہ آیا ماں اندر آ گئیں۔

''بیٹی، تمہیں صاحب بلا رہے ہیں اپنے کمرے میں۔'' انہوں نے پیغام دیا، وہ تب بھی بہری بنی رہی، ان سنی کیے، دھیان بٹانا ضروری تھا از حد ضروری اس کی ساری توجہ باہر لان میں کھڑے ہولے ہولے اندھیرے میں ڈوبتے درختوں پہ تھی، جامن جس کی شاخیں پھیل کر املتاس کے پیڑوں سے ہم آغوش ہو رہی تھیں، یوں لگتا تھا املتاس نے اپنی پیلاہٹ جامن کی شاخوں سے

بانٹ لی ہے ان ہی پیڑوں پر کبھی کبھی ابابیل آیا کرتی تھی مگر عرصہ ہوا وہ بھی یہاں کا راستہ بھول گئی تھی، اب اجنبی پرندہ ہلکی اور پژمردہ آواز میں اس سنسان رات کی آہٹوں پہ کان لگائے رخصت ہو جانے والی شام میں چھید ڈال رہا تھا، زرد کھمبوں کے عقب سے دن میں شفاف آسمان کی نیلاہٹ ضرور نظر آئی تھی، اب تو وہاں تاریکی تھی۔

''بیٹی......!''

''آپ نے کہا، میں نے سن لیا، اب آپ جائیں۔'' وہ غرائی تھی، آیاماں اس کے اس موڈ سے واقف تھیں، جب وہ غصے میں ہوتی کسی کی نہ سنتی تھی۔

''بدتمیز۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

''بدتمیز کس کو کہا؟'' وہ آنکھیں نکال کر پھر غرائی، آیاماں بھی خائف نہ ہوئیں۔

''تجھے اور کس کو، اپنی حرکتیں دیکھو، بڑی ہو گئی ہو اب۔'' انہوں نے ماتھا پیٹ کر کہا، وہ تیوری چڑھائے منہ دوسری طرف کر گئی۔

''چل میری پتری، ایسے ناراض نہیں ہوتے، باپ تو تیرا ہیرے جیسا ہے کیسی خفگی بھلا، چل میری دھی۔'' انہوں نے اسے بچکارنا شروع کیا، اب کے وہ نہ اینٹھی نہ اکڑ دکھائی اٹھ کر چپل پہنی اور ان کے ساتھ ہولی۔

''انہیں میری پرواہ کیوں کر ہونے لگی، انہیں تو اپنی شادی کی پڑی ہوئی ہے۔'' شکوہ پھر زبان پر آ گیا، آیاماں نے بھی کان لپیٹ لئے، دونوں چلتیں آگے پیچھے چلتیں سلیمان خان کے کمرے تک آئیں، یہاں آیاماں نے بہت خوبی سے اسے دغا دیا۔

''چل تو اندر، میں ذرا باورچی خانہ دیکھ لوں، ہانڈی چڑھا رکھی ہے، سڑ سڑا ہی نہ جائے۔'' انہوں نے ایک دم ایسے دہائی دی جیسے ابھی ابھی اپنی غفلت یاد آئی ہو، قدر نے تھم کر انہیں راہداری کا موڑ مڑتے دیکھا اور گہرا سانس بھر کے دروازہ تھپتھپایا، جو یونہی بھڑا ہوا تھا، کھلتا چلا گیا، سامنے ہی مخملیں صوفے کی ایک سنگل سیٹ پہ سلیمان خان فروکش تھے، ٹانگ پہ ٹانگ رکھے فون کانوں سے لگا ہوا، مزاج برہم برہم۔

''ہاں تو ضرورت کیا ہے رابطے کی، اس تکلف میں نہ پڑا کریں براہ کرم۔'' انداز خشک و سرد تھا، پتا نہیں کس بیچارے کی شامت آئی ہوئی تھی اس کے علاوہ بھی، قدر کو اس انجان ہستی سے ہمدردی کا بخار چڑھا، اب کھسک بھی نہ سکتی تھی، سلیمان کی نظر پڑ چکی تھی، اشارے سے اندر آ کر بیٹھنے کا حکم بھی مل چکا تھا، وہ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق آگے بڑھی، مگر ایسے کہ ہر انداز سے خفگی چھلک رہی تھی۔

''ہم اپنی مرضی کے خود مختار ہیں محترمہ، جو چاہے اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیں آپ کو کس نے حق دیا مداخلت کا؟ بات سن رہے ہیں آپ کی اسے غنیمت سمجھئے، دھمکیاں نہ دیں ہمیں، ڈرنے والے نہیں ہیں جانتی ہیں آپ۔'' ان کی آواز سے سرد مہری کا تاثر زیادہ ملتا تھا یا تلخی و ترشی کے ساتھ برہمی کا، قدر اندازہ نہ کر پائی۔

''آپ ہمیں کسی طرح بھی مجبور نہیں کر سکتی ہیں، سمجھ لیں آخری بار بات کر لی ہے، آئندہ ٹرائی

بھی اگر کریں گی تو نمبر ناٹ رسپانڈنگ ہی ملے گا۔'' انہوں نے بے اعتنائی کی حد کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر ڈالا، سرخ وسفید چہرے پہ اس پل سرخی زیادہ تھی، یا تمتماہٹ قدر اپنی خفگی بھول کر ان سے خائف ہو چکی تھی، انہیں فون رکھتے متوجہ ہوتے پایا تو گھبرا کر سر جھکاتی بھیگی پلکیں رگڑنے لگی۔

''کیسی ہو بیٹے؟'' انہوں نے محسوس کر لیا تھا اس کی وحشت کو جبھی لہجے میں حتی الوسیع نرمی سموئی، قدر نے نہ جواب دیا نہ انہیں دیکھا، اتنی ہی بدگمان خفا اور برگشتہ تھی وہ اس پل۔

''ابھی تک معاف نہیں کیا اپنے پپا کو۔'' انہوں نے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کے قریب آ گئے، دست شفقت اس کے سر پہ کیا آیا، دل موم کی مانند پگھل کر بہہ گیا، گداز ہو گیا، وہ قریب کیا آئے، ان کی مخصوص دلربا خوشبو جس کی وہ بچپن سے دیوانی تھی اس کے حواسوں پہ چھا گئی، وہ ٹوٹی شاخ کی مانند ڈھلک کر ان کے سینے سے لگی اور زار و قطار روئے گئی، وہ شخص جادوگر تھا، انگلی کے اشارے پہ سب کچھ ہی کر گزرنے والا، ان کا برہمی و تنفر والا روپ سرے سے غائب تھا، اب وہ سراپا ابر تھے، ٹھنڈک تھی۔

''مجھے پتا تھا میری بیٹی مجھ سے زیادہ خفا نہیں رہ سکتی، بیٹے یہ تو والدین ہوتے ہیں نا، یہ قدرت کی بہت انوکھی مخلوق ہوتے ہیں، ان کو قیاس گمان یا شک سے کچھ غرض نہیں ہوتی، اپنی اولاد کے لئے تو ان کے اندر یقین کا ایک جہاں آباد ہوتا ہے، آپ کا اٹھتا ہوا ہر قدم ہر جنبش ہر نگاہ کا مفہوم مجھ پہ بہت واضح انداز میں عیاں ہو جاتا ہے، والدین اگر اپنی اولاد سے اتنی محبت کرتے ہیں تو ان کے لئے کوئی غلط فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں، یا کر سکتے نہیں، بتاؤ۔'' وہ جو بے خیال سی سن رہی تھی، چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی، نظریں خالی پن لئے تھیں، یہ پتا نہیں کس موضوع کی تمہید تھی، وہ سمجھنے سے قاصر رہی البتہ خوفزدہ ضرور ہو گئی۔

''پپا پلیز آپ شادی نہ کریں، یا اگر کرنی بھی ہے تو اس عورت سے نہ کریں۔'' وہ ایکدم ان کا بازو تھام کر التجا آمیز لہجے میں منمنائی، اس کے چہرے پہ ہراس تھا، خفت پریشانی انہوں نے محسوس کیا تو مضطرب ہو اٹھے، نرمی سے اس کے گالوں کو سہلایا۔

''بیٹے ہم آپ کی شادی کر رہے ہیں، آپ کو بہت انمول اور قیمتی خوشی سے ہمکنار ہوتا دیکھنے کے متمنی ہیں۔'' انہوں نے جتنی نرمی سے پیار سے رسان سے سمجھانا چاہا، اس کا وجود اتنے ہی گہرے اور دبیز سناٹے کی زد پہ آ کر تھرا گیا، مرجھائے ہوئے چہرے کے رہے سہے رنگ بھی اڑ گئے۔

''واٹ؟'' ایک حیرانی ایک وحشت ایک طیش کے عالم میں وہ زور سے چلائی، آنکھوں میں پھر سے آنسو آ گئے، پھر جیسے دل کا دکھتا پھوڑا بہہ نکلا غم کی شدت نے اسے کھڑے نہیں رہنے دیا، وہ بیٹھتی چلی گئی۔

''تو یوں کہیں نا پپا کہ آپ مجھے سزا سنا رہے ہیں راستے کا پتھر سمجھ کر ٹھوکر سے اڑا رہے ہیں۔'' ان کے شرمسار چہرے پہ گہری دکھ بھری نظریں جمائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، سلیمان کو تو لینے کے دینے پڑ گئے، انہیں سمجھ نہیں آئی اس بے وقوف نادان لڑکی کو آخر کیسے سمجھائیں

کہ اس کے خانے میں یہ بات آ جائے۔
جبکہ دوسری طرف قدر حال سے بے حال تھی، صدمے سے چور، علی شیر نے اتنی توہین کی اس کی وہ پھر بھی اتنی آسانی سے اس کے پلے بندھ جائے نہیں ایسا ہوا تو ساری زندگی قدر نہیں کرے گا میری پپا کو بتانے والی بات بھی نہیں، کیسے انکار کروں۔
''ایسا کچھ بھی نہیں ہے بیٹے، شادی سزا نہیں ہوتی، آپ تو میرا فرض ہو جسے مجھے ادا کرنا ہی تھا، بات کو سمجھیں آپ پلیز۔'' وہ بے بس سے زچ ہو کر قائل کرنے کو دلیلیں دینے لگے، قدر نے کچھ حیرت سے کچھ ڈر کے انہیں دیکھا، وحشت کے مارے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرا حدت جذبات سے دہک اٹھا تھا، اسے کسی طرح بھی خود پہ کنٹرول حاصل نہیں ہو رہا تھا۔
''اگر میں فرض ہوں تو اسے احسن طریقے سے ادا کریں، بوجھ سمجھ کر اسے اتار کر نہ پھینکیں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی، علی شیر سے تو بالکل نہیں کرنی، آپ نے زبردستی کی تو اچھا نہیں ہوگا پپا۔''
اپنی طرف سے اس نے ترپ کا پتا پھینکا، اسے پورا یقین تھا یہاں باپ ہار جائے گا، اس کی جان چھوٹ جائے گی، اسے وقت چاہیے تھا، اسے وقت مل جاتا، اس سے قبل کہ سلیمان خان جواباً کچھ کہتے ملازمہ نے لا کر انہیں وزٹنگ کارڈ ان کی جانب بڑھایا۔
''سر یہ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔'' صاحب کی نگاہ کارڈ پہ کیا پڑی گویا باقی سب بھول گیا، یکلخت اٹھے اور لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے، ڈرائینگ روم میں معزز مہمان کی صورت وہی نوجوان آفیسر تھا، جس کے لئے انہوں نے کچھ خاص سوچا تھا اور عمل کرنے کی ٹھان لی تھی، وہ انہی کا منتظر تھا، انہیں روبرو پاتے ہی احتراماً اٹھا اور کھڑا ہوتے ہی کسی نوخیز چیتے کی طرح چوکنا شاندار اور ہوشیار نظر آنے لگا۔
''بیٹھو بھئی بیٹھو بیٹھو بیٹے۔'' اس کے سلام کا جواب دیتے وہ نرمی سے گویا ہوئے، وہ بیٹھ گیا تو کچھ دیر اس پہ نظریں جمائے اس کا بغور جائزہ لیتے رہے تھے پھر ایک دم سلسلہ کلام جوڑ دیا۔
''ہم نے آپ کے لئے ایک فیصلہ کیا ہے، اس اعتماد کے ساتھ کہ آپ ہمارے فیصلے کا دل سے خیر مقدم کریں گے، کیا ہم ایسا کرنے کا کوئی حق رکھتے ہیں۔'' ان کا لہجہ بہت معتدل مضبوط اور ٹھہراؤ لئے تھا، وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، اعتماد سے مسکرایا۔
''شیور سر، آپ حکم کریں انشاء اللہ العزیز آپ کو ہرگز مایوسی نہ ہوگی۔''
''میری بیٹی ہے قدر سلیمان خان، اسے میں آپ کی زوجیت میں دینا چاہتا ہوں ابھی اسی وقت آپ کو اعتراض تو نہیں کچھ۔'' وہ بولے بھی تھے تو کیا، وہ جو بہت اعتماد سے بیٹھا تھا، پزل ہوئے بغیر نہ رہا، سارا اعتماد ہوا ہو گیا، دھماکہ ہی ایسا شدید تھا، وہ بھی غیر متوقع۔

(جاری ہے)

☆☆☆

صراط المستقیم
حنا اصغر

اس نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا تھا وہ باقاعدہ ہانپ رہی تھی، اس نے سرعت سے پرس سے منرل واٹر کی بوتل نکالی تھی اور گھونٹ در گھونٹ ٹھنڈا پانی حلق میں اتارنے لگی تھی، سوکھے حلق میں ایکدم سے ٹھنڈا پانی جانے سے ایک سکون سا اس کے اندر اتر آیا تھا، اس نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

''آر یو اوکے؟'' اس کے قریب ایک نسوانی آواز ابھری تھی اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر سر کو ہلکی سی جنبش دے کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ جو بھی تھی حجاب میں ملبوس تھی حتی کہ اس کی آنکھیں بھی بامشکل نظر آتی تھیں اس نے اپنے ہاتھوں پر بلیک کلر کے دستانے پہنے ہوئے تھے حالانکہ حجاب اس نے بھی لیا ہوا تھا، لیکن پریکٹ ہونے کی وجہ سے اس نے چادر کو محض منہ پہ ڈالا ہوا تھا اس طرح سے کہ اس کی دو آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔

''جی بس تھوڑی سی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے سانس پھول جاتا ہے۔'' اس نے ہولے سے کہہ کر پھر سے آنکھیں موند لی تھیں۔

''آپ اپنے میکے جا رہی ہیں؟'' اس نے دوبارہ سوال کیا تھا۔

اب کی بار اس نے اسی پوزیشن میں رہ کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا، اسی وقت سلمان کا فون آ گیا تھا، اس نے مندی ہوئی آنکھوں سے فون نمبر دیکھا تھا اور پھر کال آن کر کے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو ساشا کیسی ہو ٹھیک سے بیٹھ گئی ہو ناں۔'' وہ فکرمندی سے بول رہے تھے حالانکہ وہ خود اس کو ڈائیوو میں سوار کر کے تسلی کر کے گئے تھے اب محض پینتالیس منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ ان کا فون آ گیا تھا ان کی فکرمند و پر تشویش

مکمل ناول

آواز نے اس کی ساری تھکاوٹ آہستہ آہستہ تحلیل کر دی تھی، ایک اچھا ہم سفر زندگی کی کٹھنائیوں مشکلوں کو بہار کے تازہ جھونکے کی طرح دور کر دیتا ہے۔

''طبیعت بس ٹھیک ہی ہے، دل تھوڑا سا گھبرا رہا ہے، اب پانی پیا ہے تو کچھ طبیعت سنبھلی ہے۔'' اس نے نقاہت سے کہا تھا۔

''یار کچھ دیر کے لئے چہرے سے نقاب ہٹا لو اتنا ٹائٹ کر نقاب کرتی ہو جبھی تو سانس ہی نہیں لیا جاتا، میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں لیکن چھوٹی امی کے کہنے پر تمہیں بھیجا ہے ورنہ کبھی یوں نہ آنے دیتا۔''

''کچھ نہیں ہوتا سلمان، پریشان نہ ہوں میں پہنچ جاؤں گی باحفاظت، فاطمہ کا فون آیا ہے وہ اور عمر مجھے ریسو کر لیں گے میری طبیعت اب بہتر ہے آپ ٹینشن نہ لیں۔''

''ساشا تم ایسا کرو کچھ کھا لو میں نے چھوٹے بلیک بیگ میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہیں تم نے دیکھیں ہیں۔'' اس نے کان سے فون ہٹاتے ہوئے بلیک چھوٹے بیگ کی جانب دیکھا تھا جس کے متعلق اس نے ہی قیاس کیا تھا کہ شاید اس میں سلمان نے اپنی چیزیں رکھی ہونگی۔

''میں اب دیکھتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی تھی کہ قریب بیٹھی لڑکی نے اشارے سے اس کو اٹھنے سے منع کر دیا تھا اور خود اٹھ کر اس نے بلیک بیگ اٹھا کر اس کے قریب رکھ دیا تھا، وہ لڑکی اچنبھے سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں پھیلے اضطراب واستعجاب نے اس کو ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا دیا تھا اس کے اس طرح دیکھنے پر اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

''او کے سلمان میں پھر بات کرتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے بات سمیٹی تھی لیکن وہ سلمان ہی کیا جو فکر مند ہونا چھوڑ دے۔

''نہیں تم بلو ٹوتھ لگا لو اور اطمینان سے بات کرتی رہو مجھے اطمینان رہے گا ورنہ میں یونہی پریشان ہوتا رہوں گا کھانا بھی کھاتی رہو۔''

''آپ ہیں کہاں محترم۔'' وہ ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''یار میں نماز پڑھ کر اب آفس جا رہا ہوں اگر یہ کم بخت میٹنگ نہ آتی تو میں کبھی بھی تمہیں یوں اکیلا نہ بھیجتا اور کیا ضرورت تھی چھوٹی امی کو آنسہ کی ڈیٹ دینے کی، ہم فارغ ہو جاتے پھر شادی کر لیتیں اس کی، اب تم ٹھیک سے انجوائے بھی نہیں کر سکو گی۔'' وہ اس کی طبیعت کے متعلق ضرورت سے زیادہ ہی تشویش کا شکار تھا۔

''آپ جانتے تو ہیں سلمان لڑکے والوں کو بہت جلدی ہے اور آپ فکر نہ کریں میں اس حال میں بھی انجوائے کر لوں گی۔'' اس نے بیگ کھولا تھا اس میں سلمان نے دنیا جہان کی کھانے کی اشیاء بھری ہوئی تھیں، اس نے چیز رول نکال لئے تھے، اس نے بکس کھولا اور لڑکی کے سامنے کر دیا تھا۔

''ارے نہیں آپ کھائیں۔'' لڑکی نے ہچکچا کر کہا۔

''کھا لیں میں اتنے زیادہ نہیں کھا پاؤنگی اور اس حالت میں تو ہرگز نہیں کھا سکتی۔'' اس نے تذبذب کا شکار ہو کر ایک رول بہرحال اٹھا ہی لیا تھا۔

''آپ حجاب ہٹا کر کھا لو۔'' ساشا نے رول کھاتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں میں ایسے ہی کھا لونگی۔'' اس نے عبایا کے اندر سے ہی رول کھانا شروع کر دیا تھا، ساشا کو اس کی استقامت نے بہت متاثر کیا تھا۔

اس کو اسلامک لیکچر کے دوران مس عائشہ کا ایک لیکچر یار آرہا تھا وہ کہتی تھیں۔

''ساشا تم نے اب نقاب کرلیا ہے تو اس پر قائم رہنا، اسے کبھی بھی نہ چھوڑنا کسی بھی حال میں کسی بھی صورت میں، عام طور پر ایسا ہوتا ہے ناں جب ہم لوگ بڑے شہروں میں یا پھر کسی اور ملک جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہمیں کس نے دیکھنا ہے اور نقاب کی پرواہ نہیں کرتے، اللہ پاک سورۂ الاحزاب میں فرماتے ہیں عورتوں پر اپنے بھائیوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھتیجوں سے اور نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے اور نہ لونڈیوں سے اور (اے عورتو) خدا سے ڈرتی رہو بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے، اس کے علاوہ عورت کا ہر اس انسان سے پردہ ہے جو نامحرم ہے خواہ وہ دیور ہو یا کزن ہو، پھر اللہ پاک فرماتے ہیں اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں بناؤ سنگھار کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو، یہ پیغمبر پاک کی ازواج مطہرات کے لئے کہا گیا ہے، لیکن ہم عام عورتیں انہی کی پیروی کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتی ہیں۔''

اور اس نے یہ بات گرہ سے باندھ لی تھی، حالانکہ سلمان بہت براڈ مائنڈڈ انسان تھا انہوں نے کبھی اس کو حجاب کرنے یا نہ کرنے سے نہیں روکا تھا بلکہ شادی سے پہلے وہ اور فاطمہ (نند) اپنی مرضی سے نقاب کر چکی تھیں جس کو سب گھر والوں نے Appreciate کیا تھا، کافی عرصہ تک سلمان خود اس کے ساتھ اسلامک سینٹر جوائن کر چکے تھے، شادی سے پہلے تو وہ نماز بھی نہیں پڑھتے تھے لیکن شاید ساشا کا اثر تھا کہ اب وہ باقاعدہ نماز پڑھتے تھے۔

''آپ کے شوہر بہت اچھے ہیں میں بہت حیران ہوئی ہوں۔'' لڑکی نے ستائشی نظروں سے اس کو دیکھا تھا وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''بالکل میں واقعی بہت خوش نصیب ہوں سلمان میری سوچ سے بھی زیادہ بہترین انسان ثابت ہوئے ہیں اگر عورت اچھی ہو تو مرد خود بخود اچھائی کو اپنانے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔'' وہ بے خیالی میں بولی تھی یہ سوچے سمجھے بغیر کہ مقابل بندی بھی اس سے اتفاق کرتی ہے یا نہیں۔

''ضروری نہیں ہے بعض عورتیں اپنا گھر بنانے کے لئے ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرتی ہیں برداشت کرتی ہیں لیکن ان کے حصے میں نہ تو ستائش آتی ہے اور نہ ہی شوہروں کا التفات۔'' ابھی اس کی بات مکمل ہی نہیں ہو پائی تھی کہ اس کا فون بول اٹھا تھا۔

اے عشق نبیؐ میرے دل میں بھی سما جانا
مجھ کو بھی محمدؐ کا دیوانہ بنا جانا

ساشا نے انتہائی تحیر سے اس لڑکی کی جانب دیکھا تھا جو کہ فون آن کر کے دھیمے لہجے میں بات کر رہی تھی، اس نے اپنا سر ایک بار پھر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا تھا، اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، اس کا ذہن بہت تیزی سے ماضی کے دھندلکوں میں گھوم رہا تھا۔

وہ ایک چیرٹی شو تھا جس میں شرکت کے لئے وہ اور فاطمہ گئی تھیں، سامنے اسٹیج پر کھڑے آدمی کو دیکھ کر اس کو جہاں اس کو حیرت ہوئی تھی وہیں اس کی آواز نے اس کے دل کو اپنے حصار میں لے لیا تھا، اس کی آواز نے پورے ماحول کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

جو رنگ کے جامی پر رومی نے چڑھایا تھا
اس رنگ کی کچھ رنگت مجھ پر بھی چڑھا جانا
وہ سامنے اسی کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھیں بند تھی ایسے جیسے وہ اس ماحول میں موجود ہوکر بھی موجود نہ ہو، وہ حق دق سی اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی، اس کا دل کسی اور ہی لے میں دھڑکنے لگا تھا۔
قدرت کی نگاہیں بھی جس چہرے کو دیکھتی تھیں
اس چہرہ انور کا دیدار کرا جانا
سفید کبوتروں کا ایک غول اس کے سر کے اوپر سے گزرا تھا تو کیسی ٹھنڈی ہوا نے اس کے سر کا بوسہ لیا تھا وہ خود کو ان وادیوں میں چلتا پھرتا محسوس کررہی تھی، جہاں آقائے دوجہان پھرتے تھے تو کبھی اس کو ایسا لگتا تھا وہ سفید مرمر کے فرش پہ بیٹھی ہو اور بالکل سامنے سنہری جالیوں کے پیچھے آقاء دوجہاں نے اس کو دیکھا ہو اس لمحے فرشتے اس کی حاضری کو لکھ رہے ہوں، وہ کبھی بھی چاہ کر اس احساس کو اس نور کو اس تجلی کو جس کو اس نے ہر لمحہ اپنی روح کے ساتھ شیئر کیا تھا، کسی کو نہیں بتا پائی تھی۔
اس احساس نے اس کے اندر نور پیدا کردیا تھا، روشنی پیدا کردی تھی، اس کا دل بوجھل اور آنکھیں نم ہورہی تھیں، اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول لی تھیں خواب دور اور حقیقت قریب آگئی تھی، وہ خواب کتنا معطر کتنا دل نشین تھا جس نے اس کی ساری کثافت بھاپ کی طرح سے اڑا دی تھی، اس کی روح تک میں تروتازگی بھر دی تھی، خواب کی کیفیت ابھی بھی اس پر طاری تھی اس کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی، اس کی آنکھیں ابھی بھی پرنم تھیں البتہ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رقصاں تھی، اس کو یاد آنے لگا تھا کہ سلمان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ بے بی کی پیدائش کے بعد وہ اس کو اس کی من پسند جگہ پر لے جائے گا اور اس مقام سے پسندیدہ جگہ بھلا کون سی ہوسکتی تھی، اس نے رخ موڑ کر لڑکی کی جانب دیکھا تھا وہ فون بند کرچکی تھی، پھر اس کو بتانے لگی۔

''میرے شوہر کا فون تھا، پوچھ رہے تھے کہاں تک پہنچی ہوں میری نند کی شادی ہے میں اپنے والدین کے گھر آئی ہوئی تھی اور اب سسرال جارہی ہوں، سسرال کے خیال سے ہی دم گھٹنے لگتا ہے ہم لڑکیوں کا۔'' وہ ہنس کر بولی تھی لیکن اس لمحے ساشا کو اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''اچھا میرے ساتھ ایسا معاملہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ مجھے تو اپنے سسرال میں رہنا ہی نہیں پڑا ہماری شادی کے فوراً بعد سلمان کا ٹرانسفر ہوگیا تھا اور سسرال میں میری دو ہی نندیں ہیں دونوں شادی شدہ ہیں اور بڑی امی اتنی سویٹ نیچر خاتون ہیں کہ کبھی لڑائی جھگڑے کا سوچ ہی نہیں سکتیں اور میرے ہسبنڈ کا حال تو آپ نے خود ہی ملاحظہ کیا ہے دیوانے ہیں وہ میرے۔'' ساشا تفاخر سے بولی تھی اور تبھی اس کے سیل پر سلمان کے ایس ایم ایس آنا شروع ہوگئے تھے، جن کو پڑھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا، ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ سج سی گئی تھی۔

''دیوانہ ہے یہ شخص۔'' وہ ہولے سے بڑبڑائی تھی جبکہ اس کو گہری نظروں سے دیکھتی عنوہ کی آنکھیں ایک لمحے کو ساکن سی ہوگئی تھیں۔

''میں نے بھی اپنی زندگی کے لئے ایسے ہی خواب دیکھے تھے، بالکل ایسے ہی ہم سفر کی خواہش کی تھی، ہم لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں ناں، ایک عرصہ خوابوں کی آبیاری میں لگا دیتی ہیں، خوابوں کو ننھے ننھے پودوں کی طرح اپنے

اندر پالتی ہیں اپنے خیالوں سے سینچتی ہیں، حتی کہ ان کو تناور درختوں کی شکل دے دیتی ہیں اور جب حقیقت کی زندگی میں قدم رکھتی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ درخت تو ہم نے یونہی پروان چڑھا دیئے خوش گمانیوں میں رہ کر، ایک سراب کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے والے کبھی پرسکون نہیں رہ سکتے، ان کے اندر اور باہر یونہی جنگ جاری رہتی ہے۔''

''آپ خوش نہیں ہو اپنی شادی شدہ زندگی سے۔'' اس نے اچانک سے سوال کیا تھا پھر ساشا کو اپنے سوال کے بے تکے پن کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''ہوں بھی اور نہیں بھی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی، اس کے لہجے میں برسوں کی تھکن عیاں تھی۔

''میرے ہسبنڈ بذات خود بہت اچھے انسان ہیں نیک ہیں پرہیزگار ہیں لیکن بہت سخت ہیں کسی چٹان کی مانند ایسی چٹان جس کو میں اپنی محنت سے کوششوں سے ایک دن سر کرتی ہوں اور اگلے دن وہ جوں کی توں لگتی ہے، وہ کسی کو پسند کرتے تھے کہتے ہیں وہ دین دار تھی اور ماڈرن تھی لیکن ملنا ہماری قسمت میں نہ تھا۔'' عنوہ کے الفاظوں نے اس کو ساکت کر دیا تھا حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، وہ اب بھی بول رہی تھی۔

''میری زندگی میں Space نہیں ہے جیسی آپ کی زندگی میں ہے ایک کنزرویٹو مولوی کبھی بھی لیبرل مولوی نہیں بن سکتا جبکہ ایک ماڈرن انسان مولوی بن کر بھی جو Space بیوی اور بچوں کو دیتا ہے وہ دقیانوسی مولوی کے ہاں مفقود ہوتی ہے، میں شادی سے پہلے حجاب نہیں کرتی تھی، پھر میں نے کرسٹین مرے کا انٹرویو پڑھا جس کا موجودہ نام سارہ ہے وہ کہتی ہیں قبول اسلام کرنا میرے لئے ایک بہت بڑا قدم تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں میں مسلمان بن کر رہ بھی سکوں گی یا نہیں لیکن دو ہی دن کے بعد میں نے اسلامی لباس کو اپنا لیا اور حجاب پہننا شروع کر دیا، ابتداء میں حجاب پہننے کے بعد مجھے عجیب سا لگا جیسے کہ میں عام عورت نہیں رہی لیکن حجاب سے مجھے ایک طرح کا تحفظ حاصل ہوا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو معلوم ہونا شروع ہو گیا کہ میں ایک عورت ہی نہیں بلکہ ایک انسان بھی ہوں، کیونکہ مغربی ماحول میں عورت کو ایک طرح کا کھلونا بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ میں ہر کسی کے لئے نہیں ہوں، میرے حجاب سے لوگوں کو تکلیف ہے تو ہوا کرے، تب سے میں نے مکمل حجاب کو اپنایا، میرے شوہر نے ایک نظر مجھے دیکھا تھا ان کو میں اور میرا حجاب کرنا بہت پسند آیا تھا۔''

ساشا نے غور سے اس کو دیکھا تھا۔

''کیا ہر انسان کی ایک ہی کہانی ہے۔'' اس کو بھی ریجیکٹ کیا گیا تھا، دھتکارا گیا تھا، وہ بھی کسی کے معیار پر پورا نہیں اتری تھی محض اس لئے کہ وہ اتنی دین دار نہیں تھی، جتنا کہ اس کو ہونا چاہیے تھا، پھر اس نے خود کو دین دار ثابت نہیں کیا تھا، وہ اس ریا کار معاشرے میں منافقت کے الم توڑنے والوں میں سے تھی اس لئے اس کے حصے میں ناکامی آئی تھی، نامرادی نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔

''لیکن ان سب باتوں میں جو ایک بات اچھی ہے وہ یہ ہے کہ میرے شوہر شریف النفس اور انتہائی اچھے انسان ہیں۔'' وہ اب بھی بول رہی تھی جبکہ ساشا کو مگو کیفیت کا شکار تھی۔

''لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل میں، میں کہیں نہیں ہوں۔'' ساشا کو عنوہ کی

آنکھیں بھیگی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں تاسف کی لہروں نے اس کو شرمسار کر دیا تھا۔

''میں ایک بڑے گھر سے ایک چھوٹی سوچ والے لوگوں کے گھر میں آئی ہوں جہاں صبح سویرے ہوتے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہوتے ہیں اور رات گئے تک چلتے رہتے ہیں، میرے ہسبینڈ دوسرے شہر میں جاب کرتے ہیں وہ سیٹرڈے کو آتے ہیں اور سنڈے کی شام کو چلے جاتے ہیں وہ سارا دن بزی ہوتے ہیں جب وہ فری ہوتے ہیں تو میں اتنی تھکی ہوئی ہوتی ہوں کہ پانچ سے سات منٹ بامشکل بات ہو پاتی ہے۔''

''تو آپ ان کے پاس چلی جائیں جہاں وہ جاب کرتے ہیں۔'' ساشا نے اپنے تئیں اس مسئلے کا حل نکالا تھا، عنوہ کے چہرے پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری تھی جو کہ اس کی آنکھوں سے ظاہر تھی۔

''ہر انسان آپ کے شوہر کی طرح نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ساس آپ کی بڑی امی کی طرح کھلے دل کی ہوتی ہے۔'' اس کے جواب نے ساشا کی بولتی بند کر دی تھی، ماحول پر ایک لمحے کو سنجیدگی سی چھا گئی تھی، پھر اس سنجیدگی کی دبیز چادر کو عنوہ نے ختم کیا تھا، وہ اپنا سیل آن کرتے ہوئے بولی۔

''آؤ میں تمہیں اپنے سسرال والوں سے ملاتی ہوں، آئی مین Pics دکھاتی ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی اور اس لمحے ساشا کو ایسا لگا تھا جیسے اس کے سخت و کرخت شخصیت کے پیچھے چلبلی سی عنوہ چھپی ہوئی ہو جس کو اس کے سسرال والے اور حالات پل پل ختم کر رہے ہیں، وہ پکس دیکھ رہی تھی اور ایک پکس پہ اس کی انگلی تھمی تھی اور ساشا کو وہ لمحہ وہ پل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''یہ میرے ہسبینڈ ہیں، ضیا حیدر۔'' اور ساشا کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''وعلیکم السلام سوری میں بزی تھا۔'' اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی آئی ڈی اوپن کی تھی اور سب سے پہلے ہی ضیاء حیدر کا میسج دیکھ کر وہ حق دق رہ گئی تھی اور وہ جو کافی دنوں سے جھنجھلا رہی تھی غصے میں تھی اس کے ایک ہی ایس ایم ایس سے اس کا سارا غصہ سارا گروفر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''What happened کیا ہم بات کر سکتے ہیں۔'' اس نے جلدی سے ایس ایم ایس ٹائپ کیا تھا اور ایس ایم ایس ٹائپ کرنے کے بعد وہ آف لائن ہو گئی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اتنی جلدی جواب نہیں دے گا وہ بڑی امی کے پورشن میں آ گئی تھی، بالکونی میں ہی اس کو سلمان بھائی مل گئے تھے جو فون کان سے لگائے صباحت کو منانے میں لگے ہوئے تھے، اس کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو شپٹا کر بولے۔

''وہ میں پھر بات کرتا ہوں تم سے۔'' وہ فون بند کر چکے تھے، جبکہ اس نے شرارت سے ان کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''میں دیکھ رہی ہوں صباحت نے آپ کو کیا سے کیا بنا دیا ہے سچ میں سلمان بھائی آپ خوار ہو گئے ہیں چہ چہ۔'' وہ مضائقہ خیز لہجے میں بولی تھی، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''جانتا ہوں کیا کروں ہر دوسرے دن اس کو ناراض ہونا ہوتا ہے اور جب جب وہ ناراض ہوتی ہے مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بے بسی سے بولے تھے اور ان کی بے بسی نے اس کو ایک لمحے کے لئے چپ کروایا تھا، شاید وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں محبت اور انسیت انسان کو یونہی خوار کرا دیتی ہے اور اسی کشمکش میں وہ خود بھی کچھ دنوں

سے مبتلا تھی، دل کو کسی طور چین اور سکون نہیں مل رہا تھا۔

''تم آج صبح صبح یہاں کیسے آن وارد ہوئیں خیریت؟'' سلمان بھائی نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ میں رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''وہ فاطمہ کہاں ہے اس کا پوچھنے آئی تھی میں۔'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو یونی چلی گئی ہے کہہ رہی تھی تم آج نہیں جا رہی ہو یونی۔'' وہ بیگ کندھے پر لٹکا چکے تھے اور ایک بار پھر سے موبائل چیک کر رہے تھے۔

''طبیعت ٹھیک نہیں تھی میری۔'' وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے گیٹ تک آئی تھی۔

''اوکے بھئی اللہ حافظ۔'' وہ بائیک پر بیٹھ چکے تھے جبکہ وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے پورشن میں آئی تھی، دل میں بے کلی سی چھائی ہوئی تھی، لیکن خود کو سمجھانے کا عمل اس نے تیز سے تیز کر دیا تھا، اگر انسان خود کا استاد بن جائے تو زندگی کے کئی مسائل سہل ہو سکتے ہیں وہ خود کو سمجھا سکتا ہے، کسی ناصح کی طرح جھڑک سکتا ہے، کسی بڑے کی طرح لاڈ کر سکتا ہے، کسی دوست کی طرح روٹھ سکتا ہے، منا سکتا ہے وہ خود اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے، وہ کچن میں آ گئی تھی جہاں سکینہ آٹا گوندھ رہی تھی، وہ ڈائننگ ٹیبل کے سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی، سکینہ نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھ دیا تھا۔

چائے پیتے ہوئے بھی اس کی سوچیں کسی اور جانب کو محو پرواز تھیں، وہ جتنا ان کو جھٹکنا چاہتی تھی، ان سے پہلو تہی کرنا چاہتی تھی وہ اسی قوت سے اسی دھونس سے اس پر سوار ہو جاتی تھیں چائے پینے کے بعد اس نے امی کا پوچھا تھا، وہ قرآن پاک پڑھ رہی تھیں، بابا جان آفس اور آمنہ سکول جا چکی تھی جبکہ عزیز بھی کالج جا چکا تھا، وہ اپنے روم میں آ گئی تھی، اس کی نظریں بے اختیار اپنے بیڈ پر پڑے سیل پر پڑی تھیں، لیکن وہ اس کو اگنور کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

متناسب سراپے کے ساتھ وہ کسی طور بھی اگنور کرنے کے قابل نہیں تھی۔

اور جس کے لئے وہ کچھ دنوں سے خوار ہو رہی تھی وہ ایک معمولی شکل و صورت کا انسان تھا لیکن ان چند ہی دنوں میں اس نے اس کو بہت مس کیا تھا ہر پل ہر منٹ اس کے آمد کی دعا کی تھی، وہ ایک عام سا عام سے حلیے کا انسان لیکن اس نے اس طرح سے اپنی باتوں کا سحر اس پر پھونکا تھا کہ وہ چاہ کر بھی خود کو اس فسوں سے نکال نہیں پا رہی تھی، اس کو اپنے چاروں طرف ایک قلعہ سا محسوس ہوتا تھا جس میں اس کا دل ہمہ وقت پھڑ پھڑاتا رہتا تھا، اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سیل اٹھا کر آن کیا تھا، اس کے کئی ایس ایم ایس آئے ہوئے تھے۔

''سوری میں عمرے سے آ کر بزی ہو گیا تھا اس لئے آپ کے ایس ایم ایس نہیں دیکھ سکا تھا، کیسی ہیں آپ؟'' اس نے سرعت سے ٹائپ کرنا شروع کیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کا سفر کیسا گزرا۔'' اس کے ایس ایم ایس پہنچنے کے محض ایک سیکنڈ بعد ہی سین کر لیا گیا تھا اور اب اسکرین پر ضیاء ٹائپنگ جگمگا رہا تھا، وہ بے تابی سے اس کے ایس ایم ایس کا انتظار کر رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے سفر بہت اچھا گزرا، میں نے آپ کے لئے دعا بھی کی تھی۔'' اس کا ایس ایم ایس پڑھنے کے بعد اس نے ٹائپ کیا تھا۔

''آپ نے مجھے جواب نہیں دیا تھا میں نے

سوچا شاید آپ بات نہیں کرنا چاہتے اس لئے میں نے آپ کو ان فرینڈ کر دیا تھا اب میں آپ کو فرینڈ ریکوئسٹ نہیں بھیجوں گی آپ کو بھیجنی ہو گی۔"

"نو پرابلم میں بھیج دیتا ہوں۔"

"اوکے میں ذرا بزی ہوں فری ہو کر بات کرتی ہوں۔" اس نے کوئی وضاحت نہیں کی تھی اس کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ دوبارہ آ کر اس سے بات کر رہا تھا، اس نے حسب معمول ٹائم دیکھ کر لکھا تھا اس کی عادت تھی وہ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔

"آپ پھر کب آن لائن ہوں گی میں بھی اسی وقت آن لائن ہو جاؤں گا کافی ٹائم ہو گیا ہے آپ سے ڈی ٹیل سے بات ہی نہیں ہو سکی۔" وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

"میں پانچ بجے آن لائن ہونگی تبھی آپ سے بات ہو سکے گی۔"

"اوکے جی ٹیک کیئر اللہ حافظ۔" اس کا ایس ایم ایس وہ اسکرین پر دیکھ چکی تھی، لیکن اس نے Seen نہیں کیا تھا اور موبائل آف کر کے وہ چت بیڈ پر لیٹ چکی تھی، آنکھوں میں کئی خواب کئی جگنو بیک وقت جگمگانے لگے تھے، خواہشات اور آرزوئیں جو کچھ دنوں پہلے نا مرادی اور نا امیدی کی سرحدوں پر کھڑی تھیں اب ان کو امید کے در ملنا شروع ہو گئے تھے، اس کے الفاظ اس کے ذہن میں محو رقص تھے۔

☆☆☆

وہ سو گئی تھی اس کی آنکھ امی جان کی آواز پر کھلی تھی وہ بڑبڑا رہی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"ظہر کی نماز کا ٹائم ہو گیا ہے نماز پڑھ لو ساشا۔"

"جی امی۔" اس نے جونہی گھڑی پر نظر دوڑائی تھی دوپہر کے تین بج رہے تھے، وہ سٹپٹا کر بیڈ سے نیچے اتری تھی، جلدی سے وضو کر کے اس نے نماز ادا کی تھی نماز پڑھنے کے بعد وہ نیچے آئی تھی۔

"ارے واہ آج تو موسم بہت زبردست ہو رہا ہے شاید بارش ہو۔" اس نے ڈرائنگ روم کے کرٹن ایک جانب کو سرکائے تھے جہاں سے لان کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا، اس نے سکینہ کو چائے بنانے کے لئے کہا تھا اور کافی دیر مبہوت ہو کر آسمان پر بکھرے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔

"لوگوں کیا حال چال ہے کہاں بزی ہو۔" فاطمہ نے آنے کے ساتھ ہی تیز تیز بولنا شروع کر دیا تھا وہ جو سوچوں میں غرق تھی ایکدم سے حال کی دنیا میں آ گئی تھی۔

"میں تو گھر میں ہی تھی، تم کہاں تھیں آج کل بڑی باقاعدگی سے یونی جایا جا رہا ہے اللہ خیر کرے لیکن کوئی چکر وکر تو نہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی تھی۔

"لاحول ولاقوۃ شرم کرو، شکل اچھی نہ ہو تو کم از کم انسان کو بات ہی اچھی کرنی چاہیے، میں پہلے بھی اسی شد و مد سے یونی جایا کرتی تھی اور ویسے بھی میں ایسی ویسی نہیں ہوں منگنی شدہ ہوں۔" وہ اس کو باتیں سنانے کے ساتھ ساتھ سکینہ کی لائی ہوئی نمکو بسکٹ اور پیسٹریز سے انصاف بھی کر رہی تھی۔

"آرام سے کھاؤ بھینس، میں اتنا سارا نہیں کھاؤں گی تم ہی کھانا لیکن تحمل سے۔" ساشا نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا اور چائے کے سپ لینے لگی تھی جبکہ وہ ابھی بھی کہیں اور الجھی ہوئی تھی۔

''آج سر عمران تمہارا پوچھ رہے تھے، کہہ رہے تھے جوڑی نامکمل ہے آج بولنے والی تو موجود ہے سننے والی غائب ہے۔'' وہ پیسٹری منہ میں ڈال کر مزے سے بولی تھی۔

''پھر تم نے کیا کہا ان سے؟''

''میں نے کیا کہنا تھا میں نے کہا سر آج کے دن آپ سامع بن جائیں میں بلا تکان بولنے کے لئے تیار ہوں۔'' اس کی بے وقوفی پہ ساشا ہنس ہنس کر دہری ہو گئی تھی۔

''انہوں نے پھر کچھ نہیں کہا۔''

''کہنا کیا تھا شرمندہ ہو گئے تھے جبکہ پوری کلاس کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا، اچھا اب یہ بتاؤ گم صم کیوں بنی ہوئی ہو جب تم یہ مخصوص عورتوں والا لبادہ اوڑھ کر سوچوں میں غرق ہو جاتی ہو ناں تو قسم سے بہت بھیانک لگتی ہو، مجھے بالکل عمر کی طرح۔'' وہ اپنے منگیتر کا نام لے کر بولی تھی جو کہ کبھی اس کو اہمیت نہیں دیتا تھا اس کے لاکھ التفات کے باوجود اس پر ایک نظر ڈالنا تو درکنا جہاں فاطمہ اس کو کھڑی نظر آ جاتی وہ جگہ اس کے لئے شجر ممنون بن جایا کرتی تھی اور اس بات پر فاطمہ کو مذاق کا نشانہ بنایا کرتی تھیں۔

''وہ...... وہ واپس آ گیا ہے۔'' اس نے دھیمے سے جواب دیا تھا۔

''کون...... وہ...... وہ مولوی۔'' فاطمہ نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''تم کتنی بڑی بے غیرت ہو ناں تین دن سے وہ عمرے سے واپس آیا ہوا ہے تمہارے کتنے ایس ایم ایس کا اس نے جواب تک نہیں دیا تھا اور تم پھر سے اس کی باتیں کر رہی ہو تف ہے تم پر ساشا، جبکہ تم نے تو کہا تھا اس کو ان فرینڈ کرنے کے بعد اب اس سے کبھی بات نہیں کرو گی۔''

''اس نے خود ایس ایم ایس کیا تھا اور ویسے بھی میں کون سا اس سے افیئر چلا رہی ہوں وہ نیک ہے دین دار ہے اس کی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں دین کو قرب سے پڑھو مطالعہ کروں اس لئے میں نے جواب دیا ہے۔'' وہ سر جھکا کر ایسے بولی تھی۔

''جیسے اعتراف جرم کر رہی ہو، پتہ نہیں ساشا تمہیں کیا ہو گیا ہے میں نے تو شرارت کر کے اس مولوی کو فرینڈ ریکوسٹ بھیجی تھی مجھے کیا معلوم تھا تم سیٹنگ کر لو گی کیا وہی رہ گیا تھا ساشا۔'' اس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے جبکہ ساشا کو اس کے الفاظ سخت گراں گزر رہے تھے۔

''Behave yourself fatihema یہ نہ تو کوئی افیئر ہے اور نہ میں ایسا کبھی سوچ سکتی ہوں تم جانتی ہو یونی میں کتنے لڑکے ہیں جو میری جانب بڑھتے ہیں فیملی میں بھی لیکن میں نے کبھی کسی کی جانب نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا Co میں پڑھنے والی لڑکیاں لڑکوں سے بات تو کر سکتی ہیں لیکن اس Fake world میں کسی کو دل دینا افیئر چلانا افورڈ نہیں کر سکتی۔'' اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ الفاظ خود کو سمجھانے کے لئے استعمال کر رہی ہے یا پھر اس کو، دفع کرو اس ملاد کو اندر سے کایاں ہے باہر سے معصوم بن رہا ہے دیکھ لینا تم، پس کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ، ساشا جا گو اس نے کچھ عرصہ تم سے بات چیت کی تھی لیکن عمرے سے واپس آنے کے بعد اس نے تمہیں اگنور ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ تم سے رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا تم ہی خواہ مخواہ کمبل ہو رہی ہو، وہ ہمارے لیول کا نہیں ہے تم کیوں نہیں سمجھتیں۔'' وہ اپنا سر تھام کر بولی تھی۔

''بکواس نہ کرو تمہیں تو نماز قرآن پڑھنے

والا یونہی لگتا ہے خود جو بے دین ہو۔'' ساشا بھڑک اٹھی تھی۔

''ساشا رہنے دو، وہ مولوی تمہیں بڑا درس و تدریس دے رہا تھا ناں اللہ کا شکر ہے پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں، قرآن پڑھتی ہوں اندر باہر سے ایک جیسی ہوں، جو دوسروں کے لئے حرام سمجھتی ہوں خود کے لئے بھی یہ نہیں کہ جو FB پہ بیٹھ کر حرام حلال کا درس دوں اور ہر حرام کو خود پر حلال کرلوں۔''

''فاطمہ اسٹاپ اٹ۔'' اس نے اپنے تئیں ٹی وی آن کر کے بات ہی ختم کرلی تھی وہ جانتی تھی کہ فاطمہ کبھی بھی اس کے موقف سے متفق نہیں ہو سکے گی اور اس کو سمجھانا ایسا ہی تھا جیسے بھینس کے آگے بین بجانا اس نے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''اچھا چھوڑو بھی ایک فیک انسان کے لئے اپنی حقیقی کزن سے لڑو گی۔'' فاطمہ نے چپس منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا اور اسی وقت عمر اور سلمان بھائی اندر داخل ہوئے تھے، ان دونوں کو دیکھ کر ساشا نے خود کو کمپوز کرلیا تھا۔

''عمر بھائی آپ تو نظر بھی نہیں آتے آج کل۔'' ساشا شرارت سے فاطمہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی جبکہ فاطمہ نے اپنی ساری توجہ ٹی وی کی جانب مبذول کرلی تھی۔

''بس کام ہی بہت ہیں صبح آفس پھر شام کو سٹڈی تم سناؤ تم کون سا نظر آجاتی ہو امی بلا رہی تھیں تمہیں۔'' وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے، ساشا نے بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی کچھ دیر پہلے پر کھنے والی فاطمہ اب سنجیدگی کی چادر اوڑھ کر بیٹھی تھی ہوئی تھی جبکہ اس دوران عمر نے ایک نگاہ غلط بھی اس پر نہیں ڈالی تھی، امی جان آچکی تھیں۔

آنسہ اور عزیز بھی ڈرائننگ روم میں آکر بیٹھ گئے تھے امی جان ان سے باتوں میں مشغول ہوگئی تھیں، ساشا نے ٹرالی کچن میں گھسیٹی اور اب وہ سکینہ کے ساتھ مل کر چائے اور دیگر لوازمات کی تیاری دیکھ رہی تھی، اس وقت فاطمہ بھی برے برے منہ بناتی کچن میں آگئی تھی، فاطمہ کو دیکھ کر ساشا کو ہنسی آگئی تھی۔

''آج لگتا ہے بارش ہوگی فاطمہ۔'' اس نے یونہی بر سبیل تذکرہ بات شروع کی تھی لیکن فاطمہ کا ''ہوں'' کہہ کر کھو جانا ساشا کو ٹھٹکا گیا تھا۔

''خیریت کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس نے اس کا چہرہ جانچتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں تم نے دیکھا ناں اس کی اکڑ مجال ہے جو ایک لمحے کے لئے بھی اس نے میری جانب دیکھا ہو، پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔'' فاطمہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی اور اس کو ہنسی آرہی تھی۔

''محترمہ ایسا ہی ہوتا ہے ہمیں درد گھٹن محسوس ہوتی ہے جن لوگوں سے ہم توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور وہ کہیں نہ کہیں ہماری توقعات توڑ دیتے ہیں یا ہماری توقعات پر پورا نہیں اترتے۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر بولی تھی اس کی نگاہیں کچن کے دائیں جانب بنی کھڑکی سے ہوتی ہوئی لان کی جانب اٹھیں تھیں، جہاں سلمان بھائی فون پر وضاحت دے رہے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہی اٹھک بیٹھک شروع کردیں۔

''ان کو دیکھو نہ دن کا پتہ نہ رات کی خبر سارا دن ان کو منانے میں گزرتا ہے اور وہ محترمہ ہر چھوٹی بڑی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔'' فاطمہ نے کڑھ کر کہا تھا۔

''بچی صباحت بہت خوش قسمت ہے مجھے تو اب اس سے جیلسی محسوس ہوتی ہے سارا دن بھائی اس کی فرمائشیں پوری کرتے ہیں اور جو بھی ایک منٹ دیر سے ری پلائے کر دیں تو وہ ناراض ہو جاتی ہے اور بھائی کا سارا سارا دن اس کو منانے میں نکل جاتا ہے اب تو یہ حال ہے سیل ہاتھ میں لئے لئے پھرتے ہیں کہ کہیں محترمہ کا ایس ایم ایس نہ آ جائے اور وہ ری پلائے کرنے میں لیٹ نہ ہو جائیں۔'' ساشا نے پرسوچ نظروں سے سلمان بھائی کی جانب دیکھا تھا جو کہ اب ہنس رہے تھے اور صباحت کو کوئی واقعہ سنا رہے تھے۔

☆☆☆

''اوہ سوری میں بزی تھی اس لئے آپ کو ری پلائے نہیں کر سکی۔'' رات کے آٹھ بجے وہ آن لائن ہوئی تھی، اس کے تین ایس ایم ایس اس کو چار گھنٹے پہلے موصول ہوئے تھے اور اب وہ آدھے گھنٹے سے آف لائن ہو چکا تھا، اس کے ایس ایم ایس سینڈ ہونے کے ایک منٹ بعد بھی وہ آن لائن ہو گیا تھا۔

''اٹس او کے اور سنائیں کیا حال چال ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں۔'' اس نے سرعت سے ٹائپ کیا تھا ہونٹوں پر ایک الوہی مسکراہٹ رقصاں تھی، جبکہ اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا، اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں جہاں Zia,s ٹائپنگ جگمگا رہا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں لیکن عمرے سے واپس آنے کے بعد کچھ بیمار ہو گیا تھا اب بہتر ہوں اس وجہ آن لائن نہیں ہو سکا تھا اور پھر بھائی نے مجھے کچھ آن لائن کام دیا تھا، جس کی وجہ سے میں کافی بزی رہا ہوں سوری فور مائی مسٹیک (میں اپنی غلطی کے لئے معذرت خواہ ہوں)۔''

''اٹس او کے آپ بار بار سوری کیوں کر رہے ہیں۔''

''آپ سنائیں آپ کی پینٹنگ کیسے جا رہی ہے؟'' اسکرین پر اس کا دوسرا ایس ایم ایس جگمگایا تھا جبکہ دوسری جانب فاطمہ کی کال آ رہی تھی، اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی فاطمہ کی کال اٹینڈ کر لی تھی، وہ جانتی تھی کہ اگر اس کی کال ریسو نہیں کرے گی تو اس کو فاطمہ کے لاتعداد سوالوں کے جواب دینا پڑیں گے۔

''کیا کر رہی ہو؟'' فاطمہ کی پرجوش آواز آئی تھی۔

''بیٹھی ہوں۔'' اس نے شیشے میں ابھرتے اپنے عکس کو دیکھ کر کہا تھا۔

''یقیناً Web آن کیا ہوا ہو گا مولوی آن لائن ہو گا اور درس و تدریس کی کلاسیں اسٹارٹ ہو گئی۔''

''جی بجا فرما رہی ہیں آپ۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا اور بیڈ سے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''چھوڑو اس FB کی فیک دنیا کو حقیقی میں آؤ دیکھو ذرا سلمان بھائی غصے میں صباحت کو کیا کہا کہہ رہے ہیں۔'' وہ چٹخارا لے کر بولی تھی جبکہ ساشا متاثر ہوئے بغیر بولی تھی۔

''میری پیاری بہن یہ روز کے ڈرامے ہیں اور ان ڈراموں کو دیکھتے ہوئے مجھے کوئی چھ ماہ ہو چکے ہیں اور اب میں ناک تک بھر چکی ہوں مجھے معاف کرو تم انجوائے کرو ان سب چیزوں کو آج وہ ناراض ہیں برہم ہو رہے ہیں آدھے گھنٹے بعد اپنے رویے کی معافی مانگ رہے ہوں گے، اچھا دفع کرو ان باتوں کو یہ بتاؤ آج میں نے عمر کو کیسے مزا چکھایا ہے۔'' اس نے ایکدم سے پینترا بدلہ

تھا، ساشا جو خود کو توصیفی نظروں سے دیکھ رہی تھی، ایکدم سے انجان بنتے ہوئے بولی تھی۔
''نہیں میں نے نہیں دیکھا کیا ہوا تھا آج۔''
''واہ کیا بات ہے تمہاری صدقے جاؤں تمہارے اس بے نیازی پہ تم وہی موجود تھی اور تم نے دیکھا تھا میں نے اس سے بات نہیں کی تھی اور میں نے وہ جگہ ہی چھوڑ دی تھی اور پورا ٹائم اس کو اگنور کیا تھا۔''
''بس بس رہنے دو، وہ اگر بات کرتا تو تم اس کو پورا جواب ضرور دیتی بات تو اس نے نہیں کی تھی اور رہی بات جگہ چھوڑنے کی تو وہ خود ہی چلا گیا تھا، اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں۔'' وہ ہنس رہی تھی جبکہ فاطمہ تلملا کر بولی تھی۔
''شٹ اپ۔''
''او کے شرم کرو تم میری دوست ہو اور مجھے طعنے دے رہی ہو، باقی کزنوں کی طرح، اللہ کرے وہ تمہارا سبز سوٹ جل جائے تمہارے منہ پر پمپلو آئیں۔''
''ہجی آمین۔'' ساشا اس کے غصے کو مزید بھڑکاتے ہوئے بولی تھی۔
''اللہ کرے وہ مولوی تمہیں ایسی ڈز لگائے کہ تم یاد رکھو پھر روتی ہوئی میرے پاس ہی آؤ گی وہ مولوی تمہارے کام نہیں آئے گا یہی کزن ہی تمہارا غم ہلکا کرے گی۔'' اس کے آخری لفظوں نے ساشا کے دل میں گھونسا سا مارا تھا، اس نے غصے میں فون بند کر دیا تھا کافی دیر تک فاطمہ کی کال آتی رہی تھی شاید اس کو اپنے الفظوں کی سختی اور ان کے نامناسب ہونے کا اندازہ ہو گیا تھا۔
لیکن وہ فون بند کر چکی تھی، غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا سا ہو گیا تھا، وہ اس کے لئے اہم نہیں تھا وہ اس کی کچھ باتوں سے متاثر تھی لیکن فاطمہ اس کو ہر بات میں یوں گھسیٹنے لگی تھی جیسے وہ باقاعدہ افیئر چلا رہی ہو، اس کو فاطمہ کی اس سطحی سوچ پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ جونہی بیدار ہوئی تھی ایک لمحے کے لئے فاطمہ کی باتیں ایک بار پھر سے اس کے ذہن پر دستک دی تھیں وہ پھر ان کے حصار میں آ گئی تھی، اس کو نئے سرے سے فاطمہ پر تاؤ آنے لگا تھا وہ غصے میں کھولنے لگی تھی، نماز پڑھنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد وہ کچن میں آ گئی تھی، اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا تھا اور ساتھ ہی وہ تسبیح بھی پڑھتی جا رہی تھی جبکہ اس کی نظریں کھولتے پانی پہ منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔
''ہیلو کیسی ہو؟'' ایکدم سے اپنے پیچھے سے آتی فاطمہ کی آواز پر وہ سپرنگ کی طرح اچھل پڑی تھی، اس نے خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھورا تھا۔
''تم اس وقت کیا کرنے آئی ہو۔'' وہ روکھے لہجے میں بولی تھی۔
''تمہیں منانے کے لئے آئی ہوں۔'' وہ اس کے عقب میں کھڑی ہو کر بولی تھی پھر فریج کی جانب بڑھ گئی تھی، وہ فریج کھول کر اس میں سے کیک باہر نکال چکی تھی اب وہ پلیٹ میں اس کیک کے کئی پیسیز رکھ کر فوک کی مدد سے کھا رہی تھی، ساشا چائے بنا چکی تھی اور اب کپوں میں انڈیل رہی تھی۔
''میں ناراض نہیں ہوں لیکن تمہاری باتوں نے مجھے حقیقت میں بہت ہرٹ کیا ہے۔'' اس نے چائے کا ایک کپ اس کی جانب بڑھایا تھا جو کہ اس نے بغیر کیسی تامل کے لئے تھام لیا تھا۔
''میں امی کو چائے دے کر آئی ہوں۔'' ساشا نے امی جان کا کپ اٹھایا تھا اور ان کے

کمرے میں آ گئی تھی، وہ جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں جبکہ بابا جان As usual واک کرنے جا چکے تھے، اس نے ٹیبل پر چائے کا کپ رکھ دیا تھا اور باہر آ گئی تھی یہ اس کا روز کا معمول تھا وہ یونہی چائے بنا کر ان کے لئے رکھ جایا کرتی تھی اور وہ ہی لیتی تھیں، کبھی کبھار جب وہ فری ہوتی تو ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی تھی ورنہ فجر کے ٹائم کا اس کا یہی معمول تھا، وہ کچن میں واپس آ گئی تھی جہاں فاطمہ چیئر پر اطمینان سے بیٹھی کیک کھا رہی تھی اور چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''باہر چلیں لان میں واک کرتے ہیں۔''

فاطمہ اس کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، وہ دونوں آگے پیچھے لان میں آ گئی تھیں۔

''تم جانتی ہو ساشا میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں مہرین آپی کی شادی کے بعد صرف تم ہی ہو جو میرے قریب رہی ہو، میں تمہیں خود سے دور ہوتا ہوا دیکھتی ہوں تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں تمہاری ہر شے ہر حرکت ہر سوچ میرے دل پر ڈائریکٹ اثر کرتی ہیں میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں، میں یہ بھی جانتی ہوں تم کسی کو یونہی منہ نہیں لگاتی لیکن ضیاء کے متعلق تمہارا Entrean سطح تک چلے جانا مجھے حیرت طور پر دنگ کر گیا ہے، میرا اس کے ساتھ کوئی افیئر نہیں ہے تم جانتی ہو یہ بات۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں بولی تھی۔

''جانتی ہوں میں یہ بات لیکن اس کے متعلق جتنی تم پوزیسو ہو جتنی Touchy ہو میں جانتی ہوں ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو ہماری آئی ڈی میں ایڈ ہیں کتنوں کو ہم ایک مرتبہ بات کرنے کے بعد بلاک کر دیتے ہیں ان فرینڈ کر دیتے ہیں بات نہیں کرتے اگنور کرتے ہیں لیکن یہ وہ واحد انسان ہے جس کا ذکر تم ہر وقت کرتی ہو جس کے واپس آنے کے دنوں کو تم نے انگلیوں پر گنا ہے جس کی واپسی سے لے کر اب تک تم جلے پیر کی بلی کی طرح FB پہ آئی گئی ہو اور مجھے یہ چیز بالکل اچھی نہیں لگی تمہاری بوکھلاہٹ اور حد سے زیادہ اس کو توجہ دینا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

اس نے صاف گوئی سے ساری بات گوش گزار کر دی تھی اس نے اپنے خدشات واہمات بغیر کسی حیل و حجت کے اس کو بتانے میں فاطمہ کو کوئی عار محسوس نہیں ہوئی تھی، ساشا نے اپنا سر جھکا تھا وہ دونوں واک کر رہی تھیں چھ بج چکے تھے، امی جان کچن میں سکینہ کے ساتھ بزی نظر آ رہی تھیں وہ دونوں چلتے ہوئے لان میں رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی تھیں۔

''پاگل ہو تم فاطمہ، ہم کتنے لوگوں سے ملتے ہیں باتیں کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ ہمیں زندگی میں ایسے بھی ملتے ہیں جو ڈائریکٹ ہمارے دل پر اٹیک کرتے ہیں آپ چاہ کر بھی ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے، ان سے پہلو تہی نہیں کر سکتے میں بھی انہی کیفیات سے دو چار رہی ہوں، پچھلے دنوں جب وہ نہیں تھا تو میں نے ہر نماز میں اس کے لئے دعا کی تھی انجانے میں کتنی ہی بار اللہ سے میں نے اس کا ساتھ مانگا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ناممکن ہے ناممکنات کب ممکنات میں تبدیل ہو جاتیں ہیں پتہ نہیں چلتا اور ایک دن یونہی ویب کو آن کرتے ہی اس کے کئی ایس ایم ایس آنا شروع ہو گئے تھے اور جب اس نے مجھے یہ بتایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر مجھے ایس ایم ایس کر رہا ہے تو مانو میں ان کبوتروں کے غول کی طرح محو پرواز ہو گئی تھی، جو گنبد خضراں کی سمت پروازیں بھرتے ہیں ایک نیک انسان وہاں بیٹھ

کر مجھے یاد کر رہا ہے اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو گی وہ انسان جس نے اپنی زندگی کے تاریک پہلو محض اعتبار کی ڈور میں بندھ کر مجھ پر عیاں کیے تھے، وہ عام نہیں تھا میرے لئے، وہ وہاں جا کر بھی مجھے نہیں بھولا تھا، طواف کے دوران کتنی ہی بار اس کے لبوں سے میرے لئے دعا نکلی ہو گی اور جب وہ سنہری جالیوں کے سامنے کھڑا ہو گا تو اچانک سے اس کا دھیان میری جانب گیا ہو گا میں وہاں اس مقام پر اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن کتنی ہی بار بے خیالی میں بے دھیانی میں، میں نے اس ہوا کو چھوا ہے اس طلسم کو اپنی آنکھوں میں سحر ہوتے ہوئے دیکھا ہے اس صبح کی تازگی و طراوت کو میرے نتھنوں نے سانسوں کے ذریعے میرے جسم میں اتارا ہے، اس دن میں بہت روئی تھی بہت زیادہ میرے اندر وہاں جانے کی خواہش جاگی تھی اس مقام کو دیکھنے کی چھونے کی اس فرش پر بوسہ دینے کی خواہش دل میں کروٹیں لینے لگی تھی، میں انجانے میں ہی سہی اس شخص کی معرفت اپنے مولیٰ سے اپنے آقا دو جہاں ﷺ سے قریب ہو رہی ہوں خود کو بدلنے کی کوششیں کر رہی ہوں ہر غلطی ہر کوتاہی مجھے شرمندہ کر دیتی ہے ہر نیکی مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے میرے اندر اتنی بڑی تبدیلیاں کروٹیں لے رہی ہیں کہ میں خود حیران ہو گئی ہوں اور تم کہہ رہی ہو میں افیئر چلا رہی ہوں فاطمہ یہ وہ روحانی تعلق ہے جس کے لئے کسی رشتے سے وابستگی یا Tage کی ضرورت نہیں ہے، وہ اتنا عام ہے کہ اس پر کوئی ایک نگاہ ڈال کر دوسری نگاہ نہیں ڈالے گا لیکن میں مجبور ہوں کتنی ہی بار میں دن میں اس کی تصویر دیکھتی ہوں، اس کے ایس ایم ایس پڑھتی ہوں۔'' وہ چائے کا سیپ لے کر بولی تھی چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی لیکن اس کے اندر کا غبار بھی کسی موسلا دھار بارش کی طرح چھٹ گیا تھا فاطمہ جو کافی محویت سے اس کو سن رہی تھی اس کے سامنے رک کر ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں تم کافی بدل گئی ہو لیکن مجھے حیرت خود پہ ہو رہی ہے کہ میری نظروں نے اس تبدیلی کو محسوس کیوں نہیں کیا، میں تو یونہی مذاق میں کہہ رہی تھی، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، لیکن یہ جو تبدیلی تم اپنے اندر محسوس کر رہی ہو، اس کی ہلکی سی روشنی ہلکی سی آنچ مجھے بھی اب محسوس ہوئی ہے نماز تو تم پہلے بھی پڑھتی تھی لیکن اس مارے باندھے پڑھتی ہوئی نماز میں اور اب کی نماز اور تسبیح میں واضح فرق ہے جو محبت اب چھلک رہی تھی وہ میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔''

''فاطمہ میں ٹھیک کر رہی ہوں ناں جو راستہ ہمیں ہماری منزل کی جانب لے جائے وہ راستہ کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا ناں۔'' وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی فاطمہ نے سر جھکا لیا تھا کچھ دیر گھاس پر نظریں جمانے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''اور اب تم مجھے مولوی کے نام کا کوئی طعنہ نہیں دو گی وعدہ کرو۔''

''وعدہ نہیں کروں گی۔'' اس نے پھیکے لہجے میں کہا تھا۔

''اور تم اس کو محض دوستی سمجھو گی یا پھر ایک ناصح اور شاگرد کا آپس میں رابطہ۔''

''او کے مادام! اب تو یہ کیک کھا لو بچ گیا ہے اور مجھ سے نہیں کھایا جا رہا۔'' اس نے اپنی پلیٹ میں رکھے کیک کے واحد پیس کی جانب اشارہ کیا تھا جو کہ فاطمہ کا پیٹ بھرنے کی وجہ سے بچ گیا تھا۔

''ہر گز نہیں یہ بے وقت کی خوراک تمہیں ہی مبارک ہو میرا تو رنگ بھی تمہارے جتنا گورا نہیں ہے کہ موٹاپا مجھ پہ سجے گا۔'' وہ کہہ کر اندر کی جانب لپکی تھی جبکہ وہ منت سماجت کرتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چل دی تھی۔

☆☆☆

اے عشق نبیؐ میرے دل میں بھی سما جانا
مجھ کو بھی محمدؐ کا دیوانہ بنا جانا

وہ دونوں کافی لیٹ پہنچی تھیں، سلمان بھائی کی کمپنی نے ایک چیرٹی شو آرگنائز کیا تھا، سلمان بھائی نے ان دونوں کو بھی بلایا تھا فاطمہ کی ازلی سستی اور بے پناہ تیاری کی وجہ سے وہ دونوں لیٹ ہو گئی تھیں، ساشا کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا لیکن پھر سلمان بھائی کی بار بار کی تاکید کی وجہ سے وہ فاطمہ پر برہم ہوتی ہوئی آئی تھی سارے رستے اس نے فاطمہ کو بے نقط سنائی تھیں، البتہ اس کی ان باتوں کا اس نے کوئی اثر نہیں لیا تھا بلکہ وہ آنے تک بھی شیشہ نکال کر اپنا میک اپ درست کرتی رہی تھی۔

''محترمہ یہ چیرٹی شو ہے کوئی فیشن شو نہیں ہے۔'' ساشا نے کتنی ہی بار یاد دہانی کرائی تھی لیکن وہ فاطمہ ہی کیا جو کسی بات کا اثر قبول کرے بلکہ وہ شد و مد سے خود میں مست و مگن رہی تھی اور جونہی وہ دونوں وہاں پہنچی تھی پروگرام شروع ہو چکا تھا، مہمان خصوصی کی نشستیں پر تھیں، وہ اسٹیج پر بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر نہیں ٹھٹکی تھی بلکہ اسٹیج پر کھڑے نعت پڑھتے شخص پر اس کی نظریں ساکت سی ہو گئی تھیں، وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھا پورے ماحول پر ایک سحر طاری ہو گیا تھا جادوگر کی آواز نے سب کو مسمرائز کر دیا تھا۔

قدرت کی نگاہیں بھی جس چہرے کو تکتی تھیں
اس چہرہ انور کا دیدار کرا جانا

اس کی آنکھیں بند تھیں جبکہ اس وقت وہ دماغی طور پر یقیناً کہیں اور پہنچا ہوا تھا اس کو دیکھ کر اس کا اپنا دل ہاتھوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

جس خواب میں ہو جائے دیدار نبیؐ حاصل
اے عشق کبھی مجھ کو نیند ایسی سلا جانا

اس لمحے ساشا کو ایسا لگا تھا جیسے اس کے دل کا پرندہ مقید ہو گیا ہو، اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں اس چہرے میں الجھ سی گئی تھیں، اس کو بہت غور سے دیکھنے پر ساشا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے نعت پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہو جیسے وہ خود کو اسی مقام انور پر محسوس کر رہا ہو اس کا ایک ایک عضو محو عبادت تھا، عاجزی اس کی بوجھل لرزتی پلکوں سے عیاں تھی، اس کی پیشانی پر چمکتے پسینے نے گواہی دی تھی کہ وہ اب کہاں پہنچا ہوا ہے۔

دیدار محمدؐ کی حسرت تو رہے باقی
جز اس کے ہر اک حسرت اس دل میں مٹا جانا

''یہ کچھ کچھ دیکھا دیکھا سا لگ رہا ہے ناں ساشا۔'' فاطمہ نے اس کے قریب سرگوشی کی تھی لیکن اس نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا، وہ خود کو اس جگہ بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی، اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سرکار دو عالمﷺ کے سامنے کھڑی ہو سر بہ سجود، سنہری جالیوں کے سامنے اور وہ اس کے چاروں طرف اس نعت کا ورد ہو رہا ہو، کبوتروں کا غول اس کے قریب سے گزرا تھا، ہواؤں نے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا، کیا وہ اتنی خوش نصیب ہو سکتی ہے کیا وہ اس معرفت اس معراج کو پہنچ سکتی ہے کیا؟ وہ تو ان لوگوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے، جنہوں نے سرکار دو عالمﷺ کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے دیکھا، نعت مکمل ہو چکی تھی وہ مہمان خصوصی کے لئے مخصوص نشستوں میں سے ایک پر بیٹھ چکا تھا، جبکہ وہ

غائب دماغی سے ابھی بھی اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی، وہ اپنے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے باتیں کر رہا تھا انسان کا دل ایک پرندے کی مانند ہے کبھی بھی پھڑ پھڑا کر اوپر کی جانب پرواز بھر سکتا ہے، اتنی اونچی پرواز کہ انسان کے گمان میں بھی نہیں ہوتا، وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی، سیل فون پر بزی فاطمہ نے تحیر سے اس کو دیکھا تھا اس کے چہرے پر الوہی چمک بکھری ہوئی تھی، آنکھوں میں روشنیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

کیا ضروری تھا کہ یہ آمنا سامنا آج ہی کے دن اور انہی حالات میں ہوتا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی فاطمہ نے انتہائی استعجاب سے اس کی جانب دیکھا تھا وہ نشستوں کے درمیان میں سے جگہ بناتی ہوئی وہ سلمان بھائی کے قریب پہنچ گئی تھی، سلمان بھائی اس کا تعارف وہاں بیٹھے ہوئے مہمانوں سے کرا رہے تھے اور اس سے باتیں کر رہی تھی، فاطمہ نے نوٹ کیا تھا کہ اس نے ایک سرسری نگاہ ساشا پر ڈالی تھی اور اس کے بعد اس نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں، ساشا ابھی بھی کچھ بول رہی تھی اور وہ سر جھکا کر جواب دے رہا تھا حتیٰ کہ ساشا سلمان بھائی کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی، لیکن اس شخص نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

ریفریشنگ ٹائم سٹارٹ ہو گیا تھا، سب لوگ وہاں جا رہے تھے جہاں کھانے کا ارجنٹ کیا گیا تھا، ساشا، فاطمہ کو لینے آ گئی تھی۔

''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اندر چلو ناں۔''

فاطمہ اکلوتی چیئر پر بیٹھی تھی جبکہ باقی مہمان کھانا کھانے جا چکے تھے۔

''خیال آ گیا تمہیں میرا۔'' وہ جلے لہجے میں بول اٹھی۔

''ہاں آ گیا پہچانا تم نے اس کو۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی تھی، اس نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی تھی۔

''وہ دیکھو عمر اور عماد بھی آ گئے ہیں۔'' ساشا نے سامنے سلمان بھائی سے بغلگیر ہوتے عمر اور عماد کی جانب اشارہ کیا تھا، فاطمہ نے بے ساختہ سامنے دیکھا تھا اور اپنی خفگی بھلا کر بولی تھی۔

''ساشا میں ٹھیک لگ رہی ہوں ناں میری بیس تو نہیں پھیلی ناں۔''

''ہاہا نہیں پھیلی بے فکر رہو اچھی لگ رہی ہو، لیکن وہ تمہیں دیکھے گا تب ناں۔'' وہ کھلکھلا کر بول اٹھی، فاطمہ نے کینہ توز نظروں سے اس کو گھورا تھا۔

''وہ تو پھر بھی ایک سرسری سی نگاہ مجھ پہ ڈال لے گا لیکن مولانا صاحب نے تو تم پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈالی تھی، شرمیلی بی بیوں کی طرح سر جھکا کر تمہیں جواب دے رہا تھا۔''

''شرم کرو مذاق اڑا رہی ہو میں تمہاری طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو نہیں دیکھ رہی تھی، میں نے اس کی آواز کی تعریف کی تھی تو اس نے بھی سرسری لہجے میں مجھ سے بات کر لی تھی، تمہاری تو ذہنیت ہی خراب ہے نندوں کی طرح طعنوں پہ اتر آتی ہو، بھاڑ میں جاؤ تم۔'' ساشا بکتی جھکتی وہاں سے چلی گئی تھی اور فاطمہ نے ایک بار اپنے لفظوں اور خود پر لعنت ملامت کی تھی، وہ سرعت سے اس کے پیچھے گئی تھی، مہمانوں سے ہال پر تھا ان کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی وہ اس ٹیبل پر پہنچی تھی جہاں پر ضیاء حیدر، سلمان بھائی عمر اور عماد موجود تھے، ساشا عمر سے باتوں میں لگ گئی تھی، فاطمہ کو اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اور مگن ہو گئی تھی۔

''ارے فاطمہ تم بھی آئی ہو کہاں تھی تم۔''

سلمان بھائی نے اس کو دیکھ کر استہزائیہ انداز میں کہا تھا وہ ان کے پیچھے چھپا ہوا طنز سمجھ گئی تھی جبھی جابلا کر بولی۔

''پچھلی نشست پر بیٹھی تھی جگہ ملتی تو آگے آتی ناں۔''

''محترمہ خود جگہ بنانی پڑتی ہے کوئی خود سے جگہ پیش نہیں کرتا۔'' سلمان بھائی نے کہا تھا عمر نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر سے اپنی باتوں میں مگن ہو گیا تھا، اس کو خود کا یوں اگنور کیا جانا سخت کھلا تھا۔

''آپ کیا کرتیں ہیں۔'' ضیاء حیدر نے اچانک اس سے سوال کیا تھا، ساشا دل و جان سے اس کی جانب متوجہ ہوگئی تھی جبکہ فاطمہ جی بھر کر بدمزا لہجے میں بولی تھی۔

''ماسٹرز ان انگلش لیگویج کر رہی ہوں ان محترمہ کے ساتھ۔''

''وری گڈ۔'' ضیاء حیدر بے ساختہ بولا تھا اور تبھی اس کا موبائل بول اٹھا تھا وہ ان سے معذرت کرتا فون کان سے لگاتے ہوئے ایک جانب کو چلا گیا تھا، مقابل جو بھی تھا یقیناً بہت اہم تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا تھا وہ ہنس رہا تھا اور ٹائم دیکھ رہا تھا ساشا کن اکھیوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''بھائی یہ کون ہے؟'' فاطمہ نے پوچھا تھا۔

''میرا کلاس فیلو ہے اور ہمارے ایم ڈی کے Relitives میں سے ہے۔'' وہ بتا کر اپنے ایم ڈی کے پاس چلے گئے تھے، ضیاء حیدر اب ان لوگوں سے اجازت لے رہا تھا ان سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے سلمان بھائی کو خدا حافظ کہا تھا اور وہ لوگوں کے درمیان سے جگہ بناتا ہوا جا رہا تھا جبکہ ساشا دم سادھے اس کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی، عمر عماد کیا بات کر رہے تھے اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

''پھر چل رہی ہو ناں ہمارے ساتھ۔'' عمر کے دوبارہ بولنے پر اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا تھا۔

''سوری عمر کیا کہہ رہے تھے میں نے سنا نہیں۔''

''کمال ہے یار دھیان کہاں ہے تمہارا میں کہہ رہا ہوں موسم اچھا ہے، کہو تو واپسی پر تم لوگوں کو آئس کریم کھلا کر ہم ڈراپ کر دیں گے۔'' اس نے فاطمہ کی جانب دیکھا تھا، فاطمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا
اس کے نور کی مثال ایک طاق کی طرح ہے
جس میں چراغ ہیں، چراغ فانوس میں ہے
فانوس گویا ایک چمکتا ہوا تارہ ہے
وہ ایک بابرکت زیتون کے درخت سے روشن کیا جاتا ہے
نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی
قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے
اور اگر چہ اسے آگ بھی نہ چھوئی ہو
اللہ اپنے نور کی طرف راستہ دکھاتا ہے جسے وہ چاہتا ہے، چمکتا ہوا چاند اپنی روشنی بکھیرنے لگا تھا اس کو لگا چاندی کے سکوں کو پر لگ گئے ہوں اور وہ دھیرے دھیرے چار سو بکھرنے لگے ہوں ''اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا، ان کے اعمال ایک چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہیں، پیاسا ان کو پانی سمجھتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا اور وہ وہاں اللہ کو پاتا ہے، پھر اللہ اس کو اس کا پورا پورا حساب دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اس کے کمرے میں ایکدم سے روشنی کی

کرنیں جوق در جوق اتر آئی تھیں، اس روشنی نے سامنے ویران و اندھیرے لان میں بھی روشنی کی مشعلیں سی بکھیر دی تھیں وہ ایک لمحے کے لئے اس طلسم میں کھو گئی تھی، سحر زدہ سی ہو گئی تھی، اس کی انگشت شہادت بار بار ان لفظوں کو چھو رہی تھی، جبکہ زبان پر ابھی یہی کلمات جاری تھے وہ کچھ دن پہلے بھی قرآن مجید کو ترجمے سے پڑھنے لگی تھی اور جوں جوں وہ قرآن کو ترجمے سے پڑھتی جا رہی تھی اس کو اللہ پاک اپنے اور قریب محسوس ہونے لگے تھے اس کو ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ اس نور کو اس تجلی کو محسوس کرنے لگی ہو جس نے اس کے چاروں اطراف روشنی بکھیر دی تھی، اس پر یہ کیفیت یہ سرمستی کبھی طاری نہیں ہوئی تھی جو اب ہونے لگی تھی، یہ ہیبت یہ لرزا کبھی طاری نہیں ہوا تھا وہ اللہ کے خوف سے کبھی نہیں جاگی تھی، کبھی نہیں ڈری تھی اللہ کی محبت پہلے اس کو کبھی نہیں رلاتی تھی، جتنا اب رلانے لگی تھی، رسول اللہ کی زیارت کی خواہش اس کے اندر اس طرح سے نہیں ہمکتی تھی جتنی کہ اب ہمکنے لگی تھی، اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے، محبت و ہدایت پانے کے لئے وہ صحرا کا سفر شروع کر چکی تھی یا ان کی مثال سمندر کے گہرے اندھیروں کی مانند ہے، کیا اتنا آسان ہے ایک کرب میں مقید روح مچلی تھی" اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے" اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، اس نے کتاب بند کر دی تھی لیکن وہ ابھی بھی رو رہی تھی، کانپ رہی تھی، ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے، وہ کیوں اتنا عرصہ اندھیروں میں بھٹکتی رہی تھی، کیوں ہوائیں سر پٹخ پٹخ کر اس کے بالوں کو منتشر کر رہی تھیں، اس کے سر پر سے دوپٹہ سرک کر کاندھوں پہ آ گرا تھا لیکن وہ ابھی بھی ہچکیوں سمیت رو رہی تھی گڑ گڑا رہی تھی۔

"کیا ہوا آپی؟" آنسہ دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی اور اندرونی سین نے اس کو سسپرائز کر دیا تھا وہ ساشا کو دیکھ کر شاک میں آ گئی تھی۔

"آپی...... آپی کیا ہوا ہے، بتائیں کس نے کچھ کہا ہے، میں امی کو بلاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تھی، کہ ساشا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"پلیز آنسہ کہیں مت جاؤ میرے پاس بیٹھی رہو مجھ بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"آپی کس سے ڈر لگ رہا ہے مجھے تو بتائیں۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی تھی۔

"خود سے اپنی ذات میں بکھرے اندھیروں سے جہاں ایک محشر کا شور برپا ہے جہاں غم کی اندوہ لہروں نے میری ہستی کو حقیقت میرے سامنے لا کھڑی کی ہے میں جو فخر و تکبر میں مبتلا تھی آج وہ میری ہستی کا غرور ہستی کا تفاخر شیشے کی طرح پاش پاش ہو گیا ہے۔"

"آپی آپ کیا کہہ رہی ہیں میں کچھ نہیں سمجھ پا رہی۔" اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں ساشا کی جانب دیکھا تھا، اس کی لہو رنگ آنکھوں میں بکھرے اضطراب اور حزن و ملال کی لہروں نے اس کو ہولا دیا تھا۔

"آنسہ تم آج میرے پاس سو جاؤ میرے قریب۔" وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولی تھی، آنسہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، لیکن وہ ابھی بھی بے یقینی سے ساشا کی جانب دیکھ رہی تھی، جبکہ ساشا غنودگی میں چلی گئی تھی، ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ساشا اس طرح سے ڈری ہو یا پھر یوں روئی ہو، آنسہ کافی دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہی تھی حتیٰ کہ جب اس کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ سو گئی ہے تو وہ آہستگی سے اس کے قریب سے اٹھی تھی اس نے قرآن پاک بکس

اسٹینڈ کے اوپر رکھا تھا اس کے اوپر کمبل اچھی طرح پھیلایا تھا اور اس کے قریب لیٹ گئی تھی لیکن اس کو کافی دیر تک نیند ہی نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

رات کا کوئی پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی، اس نے کسلمندی سے اس گھپ اندھیرے کو دیکھا تھا، جہاں پر زیرو بلب کی روشنی نے گھپ اندھیرے کے سمٹنے کی کوشش کرنے کی سعی کی تھی، کافی دیر یونہی چت پڑے رہنے کے بعد اپنے دائیں جانب دیکھا تھا، جہاں آنسہ اس کے قریب سوئی ہوئی تھی، رات کی باتیں جھما کے سے اس کے ذہن پر دستک دی تھیں، وہ ابھی تک خود کو ان باتوں کے اس کیفیت کے حصار میں محسوس کر رہی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ ٹیبل سے اپنی واچ اٹھائی تھی اس کے دائیں جانب لگا بٹن کو پش کیا تھا واچ میں چمکتی روشنی نے دو بجے کی نشاندہی کی تھی، اس نے واچ دوبارہ وہی رکھ دی تھی اور اٹھ بیٹھی تھی۔

''آپی کیا ہوا؟'' آنسہ جو کہ بہت چوکنا ہو کر سوئی ہوئی تھی ہلکی سی آہٹ سے بول اٹھی تھی۔

''جانم تم سوئی رہو میں واش روم میں جا رہی ہوں۔'' اس نے اس پر کمبل پھیلا دیا تھا اور آہستگی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھی، وضو کرنے کے بعد اس نے جائے نماز بچھا دی تھی اور تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد جونہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے تھے تو اس کا دل ایک لمحے کو گداز ہو گیا تھا، آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر سے رواں ہونے لگے تھے۔

''اے دونوں جہاں کے مالک، میں اتنی کمتر اتنی ادنیٰ ہوں کہ مجھے تو آپ سے معافی مانگنے کا طریقہ بھی نہیں آتا، مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں آپ سے کس طرح اور کس طریقے سے معافی مانگوں اپنی حقیر سے حقیر غلطی کے لئے اپنے بڑے سے بڑے گناہ کے لئے اپنے جانے انجانے میں کیسے ہر عمل کے لئے جس نے میرے دل کو آپ کی یاد سے ویران رکھا، مجھ پہ یہ منکشف نہیں ہونے دیا کہ جب تو بندے کے دل میں اتر آئے تو اس کا دل منور ہو جاتا ہے روشنیاں دل و دماغ کو اپنے حصار میں لے لیتی ہیں، اے پروردگار میں تیری جانب بڑھنے والے راستے پہ پہلا قدم رکھ چکی ہوں مجھے اس راستے پہ ثابت قدم رکھ، میرے مولیٰ مجھے پھر نہ بھٹکانا اگر میں پھر سے بھٹک گئی تو تجھے اتنا قریب محسوس نہیں کر پاؤں گی جیسا کہ اب سمجھنے لگی ہوں میرے مولیٰ میں اس دل کو تیری یاد کے چراغ سے ہمیشہ یونہی جلائے رکھنا چاہتی ہوں میرے مولیٰ مجھے وہ...... وہ شخص عطا کر دے میرے مالک اس کے دل میں میرے لئے محبت کے سوتے جگا دے اس کے دل میں میری محبت موجزن کر دے میرے مولیٰ اس کی نیندیں بھی گروی کر دے اس کو بھی بے چین کر دے میرے مالک میری بے چینی بے قراری میں اس کو میرا ہم سفر کر دے جتنا میں اس کو یاد کرتی ہوں وہ بھی میری یادوں سے خود کو بے قرار کرے۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی، روتے روتے اس نے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا تھا، اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اپنا آپ عیاں کرے، حالانکہ وہ یہ جانتی تھی کہ اللہ پاک اس کی شہ رگ کے قریب ہے، دلوں کے بعید جانتا ہے۔'' اس کو ایسا لگا تھا جیسے اس کو سکون نصیب ہو گیا جیسے بے قرار دل کو ایکدم سے قرار نصیب ہو گیا ہو، اس کی ساری بے چینی و بے قراری و اضطراب ایک پل میں تحلیل ہو گیا تھا، اس نے جب سجدے سے سر اٹھایا تھا تو اس کو اپنا آپ بادلوں کی طرح ہلکا پھلکا ہو رہا تھا، اس نے جائے نماز تہہ کر کے کرسی پر رکھ

دی تھی اور تسبیح اٹھا کر درود پاک کا ورد کرنے لگی تھی، تسبیح پڑھنے کے بعد اس نے اپنا سیل اٹھایا تھا جونہی اس نے اپنا Web آن کیا تھا، ضیاء حیدر کے ایس ایم ایس نے اس کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

''سوری جی آج میں بہت بزی تھا، اس لئے آپ سے بات نہیں ہو سکی، آپ جب آن لائن ہو مجھے ایس ایم ایس کر دیجئے گا گڈ نائٹ۔'' اس کے ایس ایم ایس کو اس نے کتنی ہی بار پڑھا تھا اور کتنی ہی بار دل خوش گمانیوں کی سرحدوں پر رقصاں ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ کافی دیر سے آن لائن تھی اور فاطمہ کو کتنی ہی بار عمر کے نام سے چھیڑ چکی تھی، کہ اچانک اسکرین پر Zia,s مسیج جگمگایا تھا، اس کا دل یک بارگی دھڑکا تھا، اس کا یوں اچانک سے مسیج آ جانا اس کو خوشگوار ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح لگا تھا، اس نے سرعت سے جواب دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں کیسے ہیں۔''

اس کے جواب سینڈ ہونے کے محض ایک منٹ بعد ہی اس نے سینڈ کیا تھا اور اب Zia,s typing اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، جی آج کافی دنوں بعد آپ سے بات ہو رہی ہے کیا کر رہی تھیں آپ؟''

''میں...... کچھ خاص نہیں کر رہی اور آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں ابھی نماز پڑھ کر آیا ہوں اور اب آپ سے بات کر رہا ہوں۔''

''آپ بکس پڑھتے ہیں۔'' اس کا ایس ایم ایس پڑھنے کے فوراً بعد اس نے سوال داغا تھا، جس کے متعلق وہ کافی دنوں تک سوچتی رہی تھی۔

''نہیں جی ٹائم ہی نہیں ملتا البتہ کبھی کبھار کوئی Movie دیکھ لیتا ہوں۔''

''ارے واہ اس کا مطلب ہے آپ تو ماڈرن مولوی ہیں میں تو سمجھی تھی آپ موویز وغیرہ نہیں دیکھتے۔''

''ہاہا اول تو میں مولوی نہیں ہوں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اچھے کام کروں دوسرا میں موویز دیکھتا ہوں سونگ سنتا ہوں اور زیادہ تر وقت آفس کے کاموں میں الجھا رہتا ہوں لیکن آپ کی طرح بہت سے کام نہیں کرتا صرف ایک جاب کرتا ہوں اور تھک جاتا ہوں۔''

''گڈ اس کا مطلب ہے میں تو بزی لائف گزار رہی ہوں، صبح یونی پھر گھر کے کام اور اس کے بعد پینٹنگ کلاسز اٹینڈ کرنے جاتی ہوں، شام کو FB ورنہ As usual گھر کے کاموں میں بزی ہوتی ہوں۔''

''گڈ میں نے آپ کی پینٹنگ دیکھی ہیں کافی متاثر کن ورک ہے آپ کا۔''

''تھینکس آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔''

''آپ میرے متعلق کیا جاننا چاہتی ہیں۔'' اس نے ٹائپ کیا تھا۔

''جو کچھ آپ اپنے بارے میں بتانا چاہیے، آپ سوال پوچھیں میں جواب دوں گا۔''

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟'' اس نے جان بوجھ کر اس کو چھیڑا تھا، دو منٹ کے بعد ایک Smiling sticier آیا تھا اور اس کے بعد اس کا ایس ایم ایس اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

''میں تو خود ابھی بچہ ہوں، ابھی شادی نہیں ہوئی میری۔''

''کیوں آپ تو کافی ایج کے لگتے ہیں پھر شادی کیوں نہیں ہوئی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا تھا۔

''ہاہاہا جی نہیں آئی ایم اونلی 28 ناؤ اور رہی بات شادی کی تو میری منگنی ہوئی تھی جو دو سال رہی پھر ٹوٹ گئی اب ایک اور جگہ بات چل رہی ہے دیکھیں کیا بنتا ہے۔'' اس کے جواب نے اس کو اپنی جگہ سن کر دیا تھا۔

''کیا مطلب منگنی کیوں نہیں رہی۔'' وہ تہہ در تہہ پرت در پرت اس کو پڑھنے کی خواہش میں مبتلا ہو رہی تھی۔

''مجھے دو سال پہلے سائیٹا کی بیماری ہوئی تھی اس میں ایک طرح کی ٹانگیں مفلوج سی ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے میری منگیتر نے منگنی توڑ دی تھی حالانکہ ہم میں بڑی محبت تھی۔'' ساشا کو اس لمحے ایسا لگا تھا جیسے اس کا وجود بحری موجوں کے حوالے کر دیا گیا ہو اور طوفان کی تند و تیز لہروں میں وہ بہتی یہاں وہاں اڑ رہی ہو، اس کی ٹائپ کرتی ہوئی انگلیوں میں واضح طور پر لرزش تھی۔

''آپ اس سے محبت کرتے تھے؟''

''جی بہت زیادہ اتنی کہ جب تک اس سے بات نہیں کر لیتا تھا کھانا نہیں کھاتا تھا میرے دل میں گھر کر گئی تھی وہ۔''

''کیا وہ بہت خوبصورت تھی؟''

''نہیں بالکل بھی نہیں بس مجھے وہ چاند کی طرح لگتی تھی سانولی سی تھی تیکھے نقوش کی حامل تھی۔''

''آپ اس کو مس کرتے ہیں؟'' ساشا کو اپنے سوال کے بے تکے پن کا شدت سے احساس ہوا تھا حالانکہ اس کا ایک ایک لفظ اپنی محبت کی داستان سنا رہا تھا۔

''بہت زیادہ اتنی کہ خود کو سنبھلنے میں مجھے بہت ٹائم لگا لیکن اس کے جانے کے بعد مجھ پر عیاں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے رسول کی محبت دائمی ہے، ابدی ہے لازوال ہے زندگی میں ہزاروں لوگ ملیں گے جو محبت کریں گے اپنی محبت ہم سے جتائیں گے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت چراغوں کی روشنی کی طرح مدھم ہوتی جائے گی، بجھتی جائے گی، فنا ہو جائے گی لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت دل میں ایک بار موجزن ہو جائے تو بڑھتی چلی جاتی ہے وہ فنا نہیں ہوتی، اس کو زوال نہیں آتا زوال انسانوں کی انسیت اور محبت میں ہے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت لازوال ہیں نور کی طرح جس کی روشنی بڑھتی ہے کم نہیں ہوتی۔'' وہ کافی دیر تک اس کا ایس ایم ایس پڑھتی رہی تھی حتیٰ کہ وہ آف لائن ہو گیا تھا، وہ ششدر سی اس کے لفظوں پر نظریں ٹکائے ہوئے تھی، فاطمہ کے سرزش بھرے ایس ایم ایس آ رہے تھے، لیکن اس کی نظریں اس کا دل کسی اور کی جانب متوجہ تھا وہ سیل آف کر کے نیچے آ گئی تھی، بابا جان نیوز چینل کھولے بیٹھے تھے امی جان ان کے لئے چائے بنا رہی تھیں وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''نماز پڑھ لی بیٹا۔'' ان کا معمول تھا وہ ہمیشہ اس سے آنسہ سے اور عزیز سے نماز کے متعلق باز پرس کرتے تھے ایک وقت تھا جب وہ محض مارے باندھے اس لئے نماز پڑھ لیتی تھی کہ اس کو بابا جان کے پوچھنے پر جھوٹ کا سہارا نہ لینا پڑے اور اب تو کچھ دنوں سے اس کا دل کسی اور ہی لے میں کسی اور ہی دھن میں رہتا تھا۔

''تھوڑی دیر تک پڑھوں گی۔'' وہ پر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔

''اچھی بات ہے بیٹا نماز نہ چھوڑا کرو، یہ تو

وہ ذریعہ ہے جس سے بندہ اپنے رب سے تعلق مضبوط کرسکتا ہے اللہ سے ڈھیروں باتیں کرسکتا ہے اسی ایک تعلق سے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

''بابا اللہ پاک اپنے بندوں کو کیوں آزماتا ہے؟'' اس کے لبوں پر بے اختیار یہ سوال آیا تھا۔

''بیٹا اللہ پاک اپنے بندوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے، آپ جس سے محبت کرتے ہیں آپ کا دل چاہتا ہے ناں کہ اس کو آزمائیں یہ دیکھیں کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتا ہے پھر آزمانے کے بعد آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ شخص آپ سے کتنی محبت کرتا ہے اسی طرح جو لوگ اللہ کی محبت میں مبتلا ہو جائیں اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں مبتلا ہو جائیں ان کی نیندیں اڑ جاتی ہیں بھوک پیاس ختم ہو جاتی ہے اولاد جان مال ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے اہمیت رکھتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ، ہر شے آزمائش کے بعد محنت کے بعد ملتی ہے۔''

''السلام علیکم!'' فاطمہ اور سلمان بھائی کی اچانک آمد نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

''کہاں تھیں محترمہ میں کتنے ہی ایس ایم ایس کر چکی ہوں اور تم یہاں بیٹھی ہو۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی تھی، فاطمہ کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ لگ رہی تھی، امی جان چائے اور دیگر لوازمات سمیت ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں، عزیز اور آنسہ بھی وہاں آن موجود تھے۔

''خیریت آج بہت چہک رہی ہو۔'' ساشا نے بے ساختہ اس سے پوچھا تھا۔

''آج عمر کا فون آیا تھا۔'' وہ چائے کے سیپ لیتی ہوئی بولی تھی۔

''اس نے تمہیں فون کیا تھا۔'' فاطمہ نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''ارے نہیں امی کو فون کیا تھا اس نے۔''

''پھر تم کیوں خوش ہو رہی ہو۔'' وہ اس کی بات درمیان میں سے اچکتے ہوئے بولی تھی۔

''بے وقوف ہو تم اس نے فون بڑی امی کو کیا تھا، لیکن اتفاق سے فون میں نے اٹھا لیا تھا، اس نے کہا ہیلو کون بول رہا ہے، میں نے کہا میں بول رہی ہوں فاطمہ، ایک لمحے کے لئے وہ خاموش ہو گیا تھا پھر بولا کیسی ہو؟ میں نے منہ بنا کر کہا ٹھیک ہوں، پھر اس نے کہا، پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ میں نے کہا ٹھیک۔ جا رہی ہے، پھر اس نے پوچھا، آج کل کمزور ہو گئی ہو کھانا نہیں کھاتی کیا؟ میں نے اس کی بات کے جواب میں کہا امی کچھ دیر تک آئے گی پھر میں نے فون بند کر دیا تھا۔''

''تو پھر تم نے بات کیوں نہیں کی پاگل۔'' ساشا کو اس پر سخت حیرت ہوئی تھی۔

''کہاں تو وہ اس بات کا رونا روتی تھی کہ وہ بات نہیں کرتا اور اب اس نے بات کرنا شروع کی تھی تو اس نے نخرے دکھانا شروع کر دیئے تھے، اب کچھ دنوں بعد تمہاری برتھ ڈے ہے اگر اس نے پچھلی بار کی طرح تمہیں اگنور کیا تو تم خود ہی کڑھو گی اور ساتھ میں ہر ایک کے استہزائیہ پن کا نشانہ بھی بنو گی، لیکن مجھے لگتا ہے اس بار وہ کچھ دے کر اپنی جان چھڑائے گا کیونکہ پچھلی بار جو پیغامات پہنچا کر تم نے اس کا بی پی ہائی کیا تھا وہ وقت اس کو اب بھی یاد ہی ہو گا۔'' ساشا نے مضائقہ خیز انداز میں کہا تھا لیکن وہ فاطمہ ہی کیا جو کسی بات کا اثر لے لے۔

''اس کو چھوڑو یہ بتاؤ وہ کیسا ہے؟'' فاطمہ نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا تھا جبکہ ساشا نے تنبیہ نظروں سے اس کو دیکھا تھا اور پھر

ڈرائنگ روم میں بیٹھے افراد پر نظر ڈالی تھی، بابا جان اور امی جان اپنی باتوں میں مگن تھے جبکہ سلمان بھائی ایس ایم ایس کر رہے تھے، عزیز اور آنسہ اپنی باتیں کر رہے تھے۔

''آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔'' ساشا اٹھ کھڑی ہوئی تھی فاطمہ بھی اس کی معیت میں کمرے میں آ گئی تھی۔

''دو دن پہلے تمہیں کیا ہوا تھا ساشا۔'' اس نے حیرت سے فاطمہ کی جانب دیکھا تھا اور پھر اپنا سر جھکا لیا تھا۔

''میں نے قرآن مجید کو ترجمے سے پڑھنا شروع کر دیا ہے اس دن قرآن مجید پڑھتے ہوئے پتہ نہیں مجھے کیا ہوا تھا، میں نے سوچا کہ پتہ نہیں میں نے کیسی زندگی گزاری ہے اور پتہ نہیں میں کیسی زندگی گزار رہی ہوں اور کچھ عرصہ بعد میں نے کیسی زندگی گزارنی ہے اور گزاروں گی جو بیت گیا وہ سب خسارہ تھا اور اس خسارے نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا، ان بائیس سالوں میں، میں نے بائیس دن بھی دل سے خدا کو یاد نہیں کیا، جب بھی یاد کیا شکوؤں شکایتوں یا پھر مطلب کے لئے یاد کیا تھا اب تک میں اپنی روش کو جاری رکھتی اگر جو اس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہ دیکھتی جس نے میرے اندر کی سوئی ہوئی محبت کو جگایا ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے، ہر انسان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت رکھی گئی ہے اب یہ انسان کا کام ہے کہ اس نے کس طرح سے اپنے دل سے اس محبت کی روشنی کو جلانا ہے جگانا ہے، وہ بے حسی و غفلت کی نیند جو میری آنکھوں کو جاگنے سے منع کرتی تھی میری انسیت کے آگے ہار چکی ہے مجھے نیند نہیں آتی اب میں پہلے روزہ رکھنے کے خیال سے ہی لرز جاتی تھی مجھے یہ خیال ہی لرزا دیتا تھا کہ اگر بھوکے پیاسے رہنے سے میں بے ہوش ہو گئی تو پھر اور میری طبیعت خراب ہو گئی میرا دم گھٹ گیا تو پھر کیا ہو گا! لیکن اب یہ منفی خیالات آہستہ آہستہ میرے دل و دماغ سے غبار کی طرح چھٹ گئے ہیں، مجھے پتہ چل گیا ہے کہ یہ زندگی اللہ کی امانت ہے ہمیں مر جانا ہے پھر ہم کیوں نہ اس زندگی کو اللہ کے من پسند راستے کی جانب موڑ دیں، اس کو سچے دل سے اپنا مان کر اس چیز کو اپنا لیں جس کو اپنانے کا وہ کہتا ہے اور کیوں نہ ان چیزوں کو چھوڑ دے ترک کر دیں جن کو ترک کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے، تمہیں وہ مولوی فراڈ لگتا ہے اس کی باتیں مضحکہ خیز لگتی ہیں، لیکن تم سوچ سکتی ہو جس انسان نے صحت مند زندگی گزاری ہو اور اچانک سے اس پر اسی بیماری کا انکشاف ہو جائے جو اس کو توڑ پھوڑ دے تو پھر کیا ہو گا، ایک من پسند رشتہ ایکدم سے بدل جائے تو کیا ہو گا، ان حالات میں اس انسان کی کیفیت کیا ہو گی یا تو وہ اللہ سے بدظن ہو جائے گا یا پھر وہ اللہ کے اور قریب ہو جائے گا، ہم دنیاوی لوگ پانچ وقت کی مارے باندھے کی نماز پڑھ کر اتراتے ہیں کہ ہم نے کمال کر دیا ہے، اللہ سے بدظن ہونے میں ایک منٹ دیر نہیں لگائیں گے لیکن اس کا رشتہ اللہ سے اور مضبوط ہو گیا ہے اتنا زیادہ کہ میں حیران ہوں اور مجھے اس کی صرف اسی بات نے متاثر کیا ہے، وہ ٹھیک ہو گیا ہے یہ اللہ کا انعام ہے اس پر۔''

''کیا خیال ہے کوئی اسلامک سینٹر نہ جوائن کر لیں۔'' اس نے مشورہ دیا تھا اور یہی مشورہ تو ساشا کے دل اور ذہن میں بیک وقت کلک ہوا تھا۔

''ہاں ہم جوائن کرتے ہیں کوئی اسلامک سینٹر لیکن میری پینٹنگز کلاسز میں کچھ عرصہ ہی رہ

گیا ہے دو تین ماہ رہتے دو اس کے بعد ہم جوائن کر لیتے ہیں، یا پھر یوں کرتے ہیں ہم ایوننگ کلاس میں ایڈمیشن لے لیتے ہیں۔'' ساشا نے مشورہ دیا تھا۔

''ارے اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو بس تم عمر سے بات کر لو اس کے دوست کے بہنوئی کا ہے سینٹر وہ بات کر لے گا۔''

''ارے واہ تمہیں کیسے پتہ چلا۔'' ساشا نے خوشگوار حیرت میں گھر کر پوچھا تھا۔

''دیکھ لو محترمہ اس کے متعلق تو مجھے ایک ایک بات کا علم ہے۔'' وہ دونوں بے ساختہ ہنس دی تھیں۔

☆☆☆

''میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔'' اس سے بات کرتے ہوئے اس کو بیس منٹ ہو گئے تھے جب اس نے ہچکچا کر پوچھا تھا۔

''دلیس کریں۔'' اس نے ٹائپ کیا تھا۔

''Can i see you۔'' ساشا نے ٹھٹک کر کئی بار اس کے سوال کو پڑھا تھا، وہ جتنی بھی ماڈرن ہو جاتی کبھی بھی اپنی پک کسی کو نہیں دے سکتی تھی اور وہ بھی ایف بی پہ تو کبھی بھی نہیں، ضیاء کے لئے اس کے دل میں اتنی عزت اتنا احترام تھا کہ اس کے اس طرح کے سوال نے اس کو بھونچکا کر دیا تھا وہ جانتی تھی کہ وہ ان چھچھورے لڑکوں میں سے قطعاً نہیں ہے جو ایف بی پہ دوستی ہونے کے اگلے ہی دن پک کی فرمائشیں کر کر کے دماغ کھا جاتے ہیں۔

''نہیں۔'' اس نے مختصر سا جواب لکھا تھا حالانکہ اس کو ساشا سے پک مانگنا ساشا کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''اور سیل نمبر؟'' اس کے دوسرے سوال نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

''دیکھیں مسٹر ضیاء میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں میرا تعلق مڈل کلاس سے ہے مجھے ایف بی پہ اپنی پک شیئر کرنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے نہ تو میں تصویر والی ہوں نہ ملنے والی اور نہ ہی سیل فون والی لڑکی ہوں، یہ جسٹ فرینڈ شپ ہے اگر آپ ان شرائط کو قبول کرتے ہوئے مجھ سے دوستی رکھیں گے تو مجھے خوشی ہو گی اور اگر نہیں تو اٹس او کے۔''

''سوری اگر آپ کو برا لگا۔'' اس کا ایس ایم ایس حاضر تھا، اس نے غصے میں سیل فون آف کر دیا تھا، پہلی بار اس کو ضیاء حیدر پر سخت غصہ آیا تھا حالانکہ اس نے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی تھی لیکن اگر یہی بات کوئی عام شخص اس کو کہتا تو شاید اس کو برا نہ لگتا، لیکن ضیاء حیدر کو وہ بہت بلندی پر دیکھتی تھی اس کے منہ سے ایسے الفاظ اس کو گالی کی طرح لگے تھے۔

☆☆☆

''ہاہا مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا تم ہی لٹو ہو رہی تھیں، وہ تمہارے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ مونگ پھلیاں منہ میں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

''بکواس نہ کرو اس نے جسٹ پک کا کہا تھا اور میرے منع کرنے کے بعد وہ بہت شرمسار سا ہو گیا تھا۔'' ساشا نے یقین دہانی کہیں نہ کہیں اپنے دل کو بھی کرائی تھی۔

''ساشا تم بہت بھولی ہو پاگل تم اس کی دسترس سے دور ہو وہ اس لئے وہ تم سے بات کر رہا ہے جب اس کا دل بھر جائے گا اس ماورائی مخلوق سے تو دیکھنا سب سے پہلے تمہیں بلاک کرے گا اور نہ بھی کرے تو اس کو پوچھتا کون ہے، اگر تم اس کو ملنے کے لئے بلاؤ گی تو کیا وہ منع کرے گا ہر گز نہیں مفت کی شراب تو قاضی پر بھی

حلال ہے، اگر وہ اتنا نیک اور پارسا ہوتا تو تم سے بات کا آغاز ہی نہ کرتا یاد کرو محض تمہارے ہائے کہنے پر اس نے پانچ ایس ایم ایس بھیج دیئے تھے، تم وہی دیکھ رہی ہو جو تم دیکھنا چاہتی ہو کیونکہ تم میں اچھائی کو پانے کا تجسس شروع سے تھا تمہاری سوچ کو پڑھنے کے بعد وہ اسی رنگ میں رنگنا شروع ہو گیا ہے، لیکن ایک بات اپنے ذہن میں بٹھالو۔''

''کون سی بات؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''ہمارا تعلق مڈل کلاس سے ہے ہمارے والدین نے ہمیں Space دی ہے ہمیں ہر طرح کی آزادی دی ہے لیکن یہی آزادی لڑکا ہو کر بھی اس کو نہیں ملی، وہ اپنے گھر والوں بہن بھائیوں کو سپورٹ کر رہا ہے دوسرا وہ خود بھی انتہائی کنزرویٹو سوچ رکھتا ہے وہ کبھی بھی ایف بی کے Fack world کی کسی لڑکی کا انتخاب نہیں کرے گا، چاہے تم کتنی ہی نیک پارسا کیوں نہ ہو ایک غلط راستے سے ٹھیک چیز بھی غلط ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے میری مانو تو ختم کرو اس سب کو اور تیاری پکڑو اسلامک سینٹر جوائن کرنے کی، ہم دونوں اصل سچائی کو اصل راستے سے حاصل کریں گے۔'' وہ مصمم لہجے میں بولی تھی۔

''کیا یہ اتنا آسان ہے؟'' ساشا نے پر سوچ لہجے میں پوچھا تھا۔

''مشکل ہے لیکن اتنا بھی نہیں خود کو سنبھالو، تھوڑا سا دھچکا بڑے طوفان کی اذیت سے بہتر ہو گا وہ کبھی بھی شادی نہیں کرے گا تم سے، تم اس کے لئے ٹائم پاس تو ہو سکتی ہو مگر اور کچھ نہیں۔'' ساشا بے یقین نگاہوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''اور ایک اور بات پہلے اپنے دل کو ٹٹولو کہ تم ایک مولوی کو متاثر کرنے کے لئے سچائی اور نیکی کے راستے کو اختیار کر رہی ہو یا اللہ کو خوش کرنے کے لئے کسی کی ناراضگی اور رضا تمہارے لئے زیادہ اہم ہے ضیاء حیدر یا پھر اللہ پاک سوچنا۔'' اسی وقت ثمرہ اور آنسہ کی اچانک آمد نے دونوں کو خاموش کرا دیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے فاطمہ۔'' فاطمہ کی سالگرہ کل تھی لیکن ثمرہ عمر کی بہن لدی پھندی آئی تھی فاطمہ کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کیونکہ پچھلی بار ثمرہ نے صرف کارڈ اس کو دیا تھا، جبکہ آنٹی نے اس کو سوٹ بھیجا تھا اور عمر نے اس کو کچھ نہیں بھیجا تھا، جس کا قلق اس کو پورا سال رہا تھا۔

''برتھ ڈے تو کل ہے تم آج ہی آ گئی ہو خیریت ایسا لگتا ہے کسی نے گن پوائنٹ پر بھیجا ہے تمہیں۔'' ساشا مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی تھی۔

''دو دن سے عمر بھائی سر کھا رہے ہیں کہ فاطمہ کو گفٹ دے آؤ۔'' وہ گفٹ فاطمہ کو تھماتے ہوئے بولی تھی۔

''اصل میں عمر کو پچھلی بار کی اپنی درگت اچھی طرح یاد ہو گی اس لئے۔'' ساشا نے ہنس کر کہا تھا جبکہ فاطمہ خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور رہی تھی لیکن منہ سے وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''ہاہا ارے نہیں فرسٹ ٹائم ایسا ہوا ہے کہ عمر بھائی ایک ہفتہ پہلے سے ہی نہ صرف فاطمہ کے لئے شاپنگ کر کے آئے ہیں بلکہ کارڈ تک انہوں نے خود لکھا ہے اور تو اور فاطمہ کے لئے گفٹ بھی خود لے کر آئے ہیں، میں نے اتنا پوچھا کہ بتا دیں کہ اس میں کیا ہے لیکن مجال ہے جو منہ سے کچھ بولیں بس اتنا کہا کہ فاطمہ سے پوچھ لینا وہ خود بتا دے گی۔'' وہ گل افشانیاں کر رہی تھی فاطمہ اور ساشا منہ پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں، وہ وش کر کے جا چکی تھی جبکہ وہ

دونوں ابھی تک مراقبے میں تھیں۔
''اب بتاؤ میں نہیں کہتی تھی کہ وہ مجھے چوری چوری دیکھتا ہے میرے اگنور کرنے کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔'' فاطمہ نے تفاخر سے گردن اکڑائی تھی۔
''اچھا محترمہ اب اس کو کھول کر تو بتاؤ اس میں ہے کیا۔''
''اگر کچھ پرسنل ہوا تو پھر۔'' فاطمہ سخت متعجب سی تھی۔
''بکواس نہ کرو تمہارا مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے وہ ڈفر زیادہ سے زیادہ آئی لو یو لکھ دے گا اس سے زیادہ اس کی پرواز نہیں ہے، جلدی کھول بھی چکو اب۔'' ساشا نے بے تابی سے کہا تھا جبکہ فاطمہ پیکنگ کھول رہی تھی، وہ کتاب کی شیپ کی کوئی شے تھی جس کو کمال مہارت سے پیک کیا ہوا تھا اور جونہی فاطمہ نے پیکنگ کھولی دونوں اپنی جگہ سے اچھلی تھیں ان کے سامنے ''سنجیو کپور کا دستر خوان'' اپنی آب و تاب سے مسکرا رہا تھا فاطمہ نے غصے میں کتاب ایک طرف پھینکی تھی جبکہ ساشا ہنس ہنس کر دہری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گے۔'' اس نے ٹائپ کیا تھا۔
''جی کیا وعدہ؟''
''آپ مجھ سے پہلے شادی نہیں کریں گے پہلے میں شادی کروں گی پھر آپ کریں گے اور آپ جس سے بھی شادی کریں گے پہلے مجھے بتائیں گے مجھ سے پوچھیں گے۔'' وہ چاہ کر بھی اپنے ان احساسات کا اظہار نہیں کر پائی تھی، جو کچھ دنوں سے وہ اس کے لئے محسوس کر رہی تھی، وہ اس کو چاہنے لگی تھی اتنا زیادہ کہ ہمہ وقت اس کو سوچتے رہنا اس کی باتوں کو دہراتے رہنا ہی اس کو اچھا لگنے لگا تھا۔
''لیکن میں تو آپ کو پسند کرتا ہوں۔'' اس کے لفظوں نے اس کو حیرت میں نہیں ڈالا تھا وہ ایسے کئی جملے اس کو بولتا رہتا تھا اور وہ یقین بھی کرنے لگی تھی کہ وہ اس کے لئے بہت اہم بہت خاص ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو اس کی دعائیں ضرور مستجاب ہوں گی ایک دن وہ اس کو چاہنے لگے گا۔
''وعدہ کریں گے یا نہیں۔'' اس نے دھونس جما کر پوچھا تھا۔
''نماز کا وقت ہو رہا ہے۔''
''نہیں پہلے وعدہ کرو پھر جاؤ میں جانتی ہوں آپ وعدہ کریں گے تو پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ قسم کھائیں۔'' وہ بہت پر یقین تھی۔
''اوکے۔'' اس نے مختصر سا لکھ بھیجا تھا۔
''کیا اوکے قسم کھاؤ مکمل۔''
''قسم سے شادی تمہیں بتا کر کروں گا تمہاری قسم اب جاؤں۔'' وہ ہنس دی تھی۔
''تھینکس۔'' اس نے لکھ بھیجا تھا۔
''ویلکم کیا اب میں جاؤں۔''
''جاؤ اور سات بجے آن لائن ہو جانا سات بجے کا مطلب سات بجے ہوتا ہے۔''
''جی جی مجھے پتا ہے لیکن کچھ دیر ہو جائے گی نماز کے بعد ہوٹل جاؤں گا کھانا کھا کر آؤں گا۔''

وہ دوسرے شہر جاب کرتا تھا اس لئے سنڈے کو گھر جایا کرتا تھا، وہ آف لائن ہو گیا تھا اور ساشا کو ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ اس انسان کو بدل سکتی ہے وہ اس کے دل میں جگہ بنا لے گی وہ ہر وقت اپنی دعاؤں میں اس کو مانگنے لگی تھی، وہ اس کا محسن تھا اس نے اس کو اللہ سے محبت کرنا سکھایا تھا اللہ کے قریب کیا تھا، وہ خوش خوش ڈرائنگ

روم میں آئی تھی بڑی امی بڑے بابا اور سلمان بھائی کو بیٹھا دیکھ کر اس کو قطعاً کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی بلکہ حیرت ان کے سنجیدہ چہروں کو دیکھ کر ہوئی تھی، ورنہ کبھی ایسی خاموشی نہیں ہوئی تھی، ہر بڑے سے بڑے مسئلے کو سب باہم گفت وشنید سے حل کرتے تھے، وہ ان سب کو سلام کرکے فاطمہ کے قریب جا بیٹھی تھی، سکینہ سب کو چائے سرو کررہی تھی۔

''صباحت نے منگنی توڑ دی ہے۔''

''کیا؟'' اس کو سو والٹ کا کرنٹ سا لگا تھا، یہ منگنی تو سلمان بھائی اور صباحت کی پسند سے ہوئی تھی، اس کا خیال ہے کہ وہ کبھی بھی سلمان بھائی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی، اس کا ارسلان (کزن) سے نکاح ہورہا ہے اسی ہفتے، اس نے بے اختیار سلمان بھائی کی جانب دیکھا تھا، وہ اس لمحے انتہائی ٹوٹے بکھرے ہوئے لگ رہے تھے، اتنے زیادہ کہ اس کو ان پر بہت ترس آیا تھا۔

''اچھا ہوا ہے وہ چڑیل بھائی کو ڈی زرو نہیں کرتی تھی۔'' فاطمہ نے دبی آواز میں کہا تھا، جبکہ ساشا کو بھی ایک کمینی سی خوشی ہوئی تھی وہ ہمہ وقت سلمان بھائی کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی اور پھر بھی خوش نہیں ہوتی تھی۔

''عمر سے پوچھا تم نے اسلامک سینٹر کا۔'' ساشا نے پوچھا تھا۔

''کل عمر کا فون آیا تھا شاید اس نے بھی بھائی کے والے واقعہ کو سیریس لیا ہوا تھا، کہہ رہا تھا کل تیار رہنا تم لوگ لے چلاؤں گا۔''

''فاطمہ کیا ہوا ہے تمہیں اتنا سیریس کیوں لے رہی ہو حوصلہ کرو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی تھی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، سب لوگ ان کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔

''ارے پاگل کیا ہوا ہے ایک منگنی ہی تو ٹوٹی ہے وہ میرے قابل ہی نہیں تھی بے وقوف لڑکی۔'' سلمان بھائی اٹھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے تھے، وہ اس کو خاموش کرا رہے تھے جبکہ ساشا کا اپنا دل بھی بھر آیا تھا۔

☆☆☆

''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے، سب خوبیاں اللہ کو، جیسے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اصلاح کہیں نہ رکھی، عدل والی کتاب کہ اللہ کے سخت عذاب سے ڈرائے۔'' ٹیچر شازیہ کی آواز نے وہاں بیٹھی طالبات پر سحر طاری کردیا تھا۔

''قرآن مجید کو ترجمے سے پڑھنے کا ہی فائدہ ہے کہ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اس میں اللہ پاک کیا فرماتا ہے ہم پر بذات مسلمان ہونے کی کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہیں کن چیزوں کو اپنانا ہمارا فرض ہے اور کن چیزوں کو ترک کرنا ہم پر لازم ہے، میری ایک دوست عربی تھی فیس بک کے تھرو ہماری بات چیت ہوئی، وہ مجھے کہتی تھی کہ تم لوگ عربی نہیں ہو عربی زبان کو نہیں جانتے ان کے لفظوں کو پہچان نہیں سکتے تو تم لوگ قرآن پاک کیسے پڑھتے ہو، اللہ پاک کیا فرماتا ہے تمہیں تو پتہ ہی نہیں ہوگا آپ لوگ یقین کریں اس کے انہی لفظوں نے میرے دل میں گھونسا سا مارا تھا اس نے میرا مضحکہ نہیں اڑایا تھا، اس نے جسٹ ایک سوال کیا تھا ایک ایسا سوال جس نے میرے دل کو جھنجھوڑ دیا میری روح میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا، میں نے خود سے سوال کیا کہ کیا واقعی میں یہ جانتی ہوں کہ اللہ پاک کیا فرماتا ہے، اللہ نے قرآن میں کیا فرمایا، میرے اندر سے دبیز خاموشی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، نہ مجھے ماضی کے واقعات کا پتہ تھا نہ حال کا اور نہ مستقبل کے متعلق، میں نے جیسے ہی شروع شروع میں

ترجمے سے قرآن پاک کو پڑھنا شروع کیا ایک لذت ایک کیف کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی تھی اور کیفیت ابھی تک جوں کی توں برقرار ہے۔''

لیکچر ختم ہوگیا تھا، طالبات اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، ٹیچر شازیہ کے الفاظ ابھی بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، اس کو برچھیاں سی لگ رہی تھیں، خسارہ سب خسارہ جو کمایا وہ بھی جو موجود ہے وہ بھی، جو کھایا ختم کرلیا جو پہنا پرانا کرلیا البتہ جو صدقہ دیا وہ بچا لیا، اس نے اپنے خالی ہاتھوں کی جانب دیکھا تھا، ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی شاید۔

''چلیں۔'' کافی دیر بعد فاطمہ کی آواز پر وہ چونکی تھی۔

''ہوں چلو چلتے ہیں۔'' وہ آہستگی سے اٹھی تھی، سامنے ٹیچر شازیہ عبایا پہن رہی تھیں ساشا نے بے اختیار ان کے قریب جاکر کھڑی ہوئی تھی انہوں نے اچنبھے سے اس کو دیکھا تھا۔

''مس شازیہ میں نقاب کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے منہ سے کیسے الفاظ نکلے تھے انہوں نے بے اختیار اس کو دیکھا تھا اور اپنے پرس سے ایک بلیک سٹالر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''میری طرف سے گفٹ قبول کرو۔'' اس نے جھجکتے ہوئے سٹالر لے لیا تھا، اب وہ اس کو پہن رہی تھی، نقاب کرنے کے بعد اس نے ایک نگاہ ٹیچر شازیہ پر ڈالی تھی وہ اس کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اللہ مبارک کرے۔'' وہ اس کا سر تھپک کر آگے بڑھ گئی تھیں، فاطمہ نے اپنے دوپٹے سے نقاب کرلیا تھا۔

''ہم یہیں سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔'' فاطمہ کی آواز میں نئی زندگی کی نوید تھی، عمر ان کو لینے آیا ہوا تھا وہ دونوں چلتی ہوئی عمر کے قریب آئی تھیں جبکہ عمر نے ایک سرسری سی نگاہ دونوں پر ڈالی تھی اور نظروں کا زاویہ پھر سے بدل لیا تھا۔

''السلام علیکم بھائی جان۔'' ساشا نے شرارت سے کہا تھا اب کی بار نہ صرف عمر نے اس کی جانب دیکھا تھا بلکہ پہچان کر اپنی جگہ سے اچھل پڑا تھا۔

''او ملانیوں یہ کیا ہے؟'' اس نے خوشگوار حیرت میں گھر کر کہا۔

''ہاہا دیکھ لو، اب یہ بتاؤ یہ فاطمہ قبول ہے تمہیں۔'' ساشا نے شرارت سے پوچھا تھا عمر نے بیک ویو مرر فاطمہ کے چہرے کی جانب سیٹ کرتے ہوئے بولا۔

''دل و جان سے قبول ہے یہ فاطمہ۔'' وہ ایک التفات بھری نظر اس پر ڈالتے ہوئے بولا تھا، ساشا نے اوہو کہہ کر اس کو چھیڑنا شروع کردیا تھا جبکہ فاطمہ کا دل ہاتھوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

☆☆☆

''خیریت آج امی جان کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ لگ رہی ہیں اور یہ تیاریاں کس کے آنے کی خوشی میں ہو رہی ہیں۔'' اس نے سکینہ اور امی کو کچن میں جتا ہوا دیکھا تو بے ساختہ پوچھا تھا، امی جان نے ٹرائفل کا باؤل فریج میں رکھتے ہوئے ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تمہاری بڑی امی اور بڑے بابا آج رات ڈنر پر آرہے ہیں۔''

''آج کوئی خاص بات ہے۔'' اس نے فریج سے کریمی فروٹ چاٹ نکالی اور اب فوگ سے اس کو کھا رہی تھی۔

''ہوں آج وہ بہت خاص مقصد کے لئے آ

رہے ہیں۔'' امی جان ایک بار پھر مسکرائی تھی، ان کی مسکراہٹ معنی خیز تھی وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی تھی، فروٹ چاٹ کا باؤل اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''وہ سلمان کے لئے تمہارا ہاتھ مانگنے آ رہے ہیں میں اور تمہارے بابا جان بہت خوش ہیں تمہارے بابا کی تو دلی مراد بر آئی ہے اور مجھے تو ہمیشہ سے ہی سلمان بہت پسند تھا، کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا میں نے کہ میری بن مانگی دعا قبول ہوگی۔'' اس کے اعصاب پر بم سا گرا تھا، جس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحتیں سلب کر کے رکھ دی تھیں، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''امی میں ہرگز یہ شادی نہیں کروں گی آپ بھی سن لیں اور بابا جان سے بھی کہہ دیجئے گا۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی، اپنے کمرے میں آ گئی تھی، تھوڑی ہی دیر بعد امی جان اس کے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئی تھیں، وہ گھٹنوں پہ سر رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''ساشا یہ کیا حرکت کی ہے تم نے، سکینہ کے سامنے جانتی بھی ہو کہ وہ تمہاری بڑی امی کے گھر جاتی ہے کام کرنے اگر اس نے وہاں جا کر کچھ ایسا ویسا بول دیا تو کتنا دکھ ہوگا تمہارے بڑے بابا کو سوچا ہے تم نے۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''امی آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں سلمان بھائی سے شادی کروں گی ہرگز نہیں میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی اور نہ ہی آپ لوگوں کو سوچنے دوں گی۔'' وہ چاہ کر بھی ضیاء کے متعلق ان کو نہیں بتا سکتی تھی اس کے دل میں ساشا کے لئے کیا ہے وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی۔

''نہیں سوچ سکتی تو اب سوچ لو ویسے بھی سلمان نے تمہارا نام لیا ہے۔'' ان کے لفظوں نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے، اس کو رونا نہیں آ رہا تھا وہ متحیر سی تھی لیکن اتنی زیادہ بھی نہیں کچھ عرصہ پہلے سے ہی اس کو سلمان بھائی کے طور اطوار بہت تبدیل محسوس ہوئے تھے وہ اس پر بہت توجہ دینے لگے تھے، کبھی یک ٹک اس کو دیکھنے لگتے اور کبھی اس کی بے سروپا باتوں میں کھو جاتے، اس کی بات ختم ہو جاتی لیکن ان کا اس کو دیکھنا اور کھویا ہوا انداز جوں کا توں برقرار ہی رہتا تھا، اب تو مسلسل وہ اس کو اور فاطمہ کو اسلامک سینٹر چھوڑنے اور لینے آتے جاتے تھے راستے میں ڈیلی ان کو آئس کریم کھلاتے تھے۔

''امی آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے پھیکے لہجے میں کہا تھا۔

''بالکل بھی نہیں تمہاری بڑی امی نے مجھے خود بتایا ہے کہ وہ لوگ نادیہ کے لئے سوچ رہے تھے لیکن سلمان نے تمہارا نام لیا ہے۔''

''میرا نام۔'' اس کو ایسا لگا تھا جیسے اس کو کسی نے بحر ہند کی بے مہر موجود کے حوالے کر دیا ہو، ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو سلمان بھائی کی منگنی ٹوٹی تھی زیادہ پرانی بات تو نہیں تھی اور کچھ ہی عرصہ بعد وہ دوسری کے لئے تیار ہو گئے تھے، وہ حق دق سی ان کو دیکھے جا رہی تھی وہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں جبکہ اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''میں نے آپ کو ایک بات بتانی ہے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ سن کر کیسا ری ایکٹ کریں گے۔'' اس نے ٹائپ کیا تھا جواب فوراً حاضر ہوا تھا۔

''ایک خبر تو میں بھی آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔'' اس نے ریپلائے کیا تھا۔

''پھر ایسا کریں پہلے آپ بتا دیں میری خبر شاید آپ کو اچھی نہ لگے۔'' ساشا نے ٹائپ کیا تھا۔

''خبر تو میری بھی اچھی نہیں ہے، لیکن میں بتا دیتا ہوں، میرے گھر والوں نے کل میری منگنی کر دی ہے میری امی عنوہ کو انگوٹھی پہنا آئی ہیں۔''
اس نے ایک بار دوبار سہ بار اس کے ایس ایم ایس کو دیکھا تھا اس کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا، وہ جھوٹ بول رہا تھا یا سچ اس سے جان چھڑانے کا حربہ آزما رہا تھا یا اس کو خوش فہمیوں کی جنت سے نکالنے کی تدبیر وہ نہیں جانتی تھی لیکن اس کا دل اس لمحے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔

''اچھا...... آپ خوش ہیں۔'' اس نے کپکپاتی انگلیوں کے ساتھ ٹائپ کیا تھا۔

''دونوں فیملیز خوش ہیں تو میں بھی مطمئن ہوں۔'' جواب حاضر تھا، ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ تھی اور آنکھوں میں بے حساب آنسو تھے۔

''اور آپ کی قسم؟'' بھیگی آنکھوں نے اسکرین پر ابھرتے اس کے ایس ایم ایس دھندلا دیئے تھے۔

''وہ آپ توڑ دیں گے اور وہ وعدے سب کیا تھے؟'' وہ بلبلا رہی تھی۔

''وہ قسم آپ نے دی تھی وعدے آپ نے کروائے تھے ان کا گناہ بھی آپ کے سر ہوگا۔''
اس کے بعد Smiling Face اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

''کیا؟'' کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے چھت کو گھورا تھا آنکھیں اشکبار تھیں اور دل کسی ننھے بچے کی طرح ٹوٹا ہوا تھا۔

''ہیلو...... ہیلو...... مس ساشا، آر یو او کے۔'' اس کے کئی ایس ایم ایس آ رہے تھے وہ بلندی سے گرتے ہوئے ایک پتھر کو دیکھ رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ اس کو بھی نیچے دھکیل رہا تھا پستیوں میں، اس نے غور سے اسکرین پر دیکھا، ضیاء حیدر نے لکھا تھا۔

اے ابن آدم
ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے
پر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے
بس اگر تو نے سپرد کر دیا، اپنے آپ کو اس کے
جو میری چاہت ہے
تو میں بخش دوں گا تجھے وہ بھی جو تیری چاہت ہے
پس اگر تو نے روگردانی کی اس سے
جو میری چاہت ہے
تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں
جو تیری چاہت ہے
پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے

''ساشا آئی ایم سوری میں اپنی چاہت اپنے خدا کو سپرد کر رہا ہوں اور اس کی رضا و مرضی پہ سر جھکا رہا ہوں۔'' وہ حیران تھی۔

ایک دین دار مولوی کے لئے قسمیں وعدے کوئی معنی نہیں رکھتے یا پھر اس Fake world پہ موجود اس ہستی کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے پایا تھا، وہ اس کو ٹائم پاس لڑکی سمجھ رہا تھا جو کسی کے ساتھ بھی دوستی کر سکتی ہے رشتہ استوار کر سکتی ہے اس کو اس لمحے خود سے گھن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''پلیز ساشا میری بات سنو۔'' اس کا نیا ایس ایم ایس آیا تھا۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں، اس عرصہ میں ہر لمحہ ہر پل میں نے تمہیں چاہا ہے میرا اللہ گواہ ہے میں جھوٹا نہیں ہوں تمہیں سوچتا رہا ہوں تم سے باتیں کرتا رہا ہوں تمہاری ادائیں غصہ

ناراضگی میرے دل میں نقش کر گئی ہیں لیکن ساشا میں اپنا ماضی دوبارہ نہیں دھرانا چاہتا جو اسٹینڈ میں نے کچھ عرصہ پہلے لیا تھا دوبارہ لوں اور دوبارہ میری قسمت میں ناکامی آئے میں برداشت نہیں کر پاؤں گا تم میرے ماحول میں بہ راضی خوشی اجسٹ نہیں کر پاؤ گی اور مارے باندھے دل پر پتھر باندھ کر کرو میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا ایک بہار کے کھلے گلاب کو میں خزاؤں کی بے رحمی کے حوالے نہیں کر سکتا ساشا، ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں تم اندر باہر سے ایک جیسی ہو تمہارا گھرانہ رہن سہن سب ہم سے مختلف ہے میں کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ میں ایسی عورت سے شادی کروں جو مجھے فیس بک کے تھرو ملی ہو اور شادی کے بعد مجھے یہ طعنہ ملے کہ میں نے ایسی عورت سے شادی کی جس نے کتنوں سے تعلق رکھیں ہونگے حالانکہ تمہاری پارسائی کی میں قسم کھا سکتا ہوں لیکن یہ یقین میں اپنے گھر والوں کو نہیں دلا سکتا، اگر ان باتوں کو نظر انداز کر دوں پھر بھی ہم دونوں کی فیملیز میں زمین آسمان کا فرق ہے جو میں چاہ کر بھی ختم نہیں کر سکتا۔''

''تم جس راستے سے اس کو ملو گی وہ تم کو ویسا ہی سمجھے گا۔'' فاطمہ کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے تھے اور اس لمحے اس نے کس طرح سے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

''سچ تو کہا تھا اس نے پھر مجھے یقین کیوں نہیں آیا تھا شاید میری آنکھیں کھلی تھیں مجھے ٹھوکر لگنی تھی۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی، اس کے ایس ایم ایس ایک بار پھر سے اسکرین پر جگمگانے لگے تھے۔

''بہت عرصہ ہو گیا ہے ہمیں ایک ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس عرصے میں، میں نے تم سے تمہاری یک مانگی کیونکہ میں تمہیں جانتا ہوں، میں نے خود سلمان کے سیل پر تمہاری آئی ڈی دیکھی تھی میں نے اس سے پوچھا تھا اس نے کہا ساشا کی ہے۔

''مس ساشا زبیر، میں تمہیں حجاب سے پہلے بھی دیکھا ہے اور بعد میں بھی۔'' اس کے الفاظ ساشا پر ہنس رہے تھے اس کا مذاق اڑا رہے تھے وہ کتنی مہارت سے اس کو بے وقوف بناتا رہا تھا حالانکہ وہ اس کے متعلق سب کچھ جانتا تھا۔

''میری سلمان سے منگنی ہو رہی ہے۔'' اس نے ایس ایم ایس کیا تھا جواب حسب معمول فوراً حاضر تھا۔

''میں جانتا ہوں مجھے سلمان نے کل ہی بتایا ہے۔''

''تم پر کوئی اثر نہیں ہوا اس خبر کو سن کر۔''

''ہوا ہے اتنا کہ لگتا ہے کہ اس غم کا طوق اٹھانے کے لئے یہ زندگی بہت بڑی اور طویل ہو گئی ہے میری زندگی اور دل پر تمہارے نقش اتنے مضبوط اور گہرے ہیں کہ شاید ہی اب کوئی ان نقوش تک رسائی حاصل کر پائے گا، میں...... میں مر رہی ہوں ضیاء میں برداشت نہیں کر سکتی یہ سب میں نے اللہ سے تمہیں مانگا تھا ہر لمحہ ہر پل پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔'' وہ کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کرنے لگی تھی۔

''ساشا میری بات سنو پلیز، وہ ایک بہترین انسان ہے میری فیملی کبھی بھی تمہیں وہ عزت نہیں دے گی جو تم ڈی زرو کرتی ہو پلیز آگ سے مت کھیلو، اس محبت کی ناکامی کو تم اور میں برداشت کر لیں گے لیکن ایک ساتھ رہ کر روز روز کی جنگ، شک اس محبت کو ختم کر دیں گے جو تمہارے اور میرے درمیان ہے، ساشا پلیز میری بات سنو۔''

''پلیز ضیاء تم چلے جاؤ، میں کچھ سننا نہیں چاہتی کچھ دیکھنا نہیں چاہتی، حقیقت یہ ہے ضیاء حیدر تم ایک کمزور قوت ارادی رکھنے والے مرد ہو چھوٹے ذہن کے مالک تم نے مجھے استعمال کیا میرے ساتھ ٹائم پاس کیا لیکن شادی تم اپنی جیسی سے کرو گے جو تمہاری مار کھائے گی تمہارے گھر والوں کی جوتیاں کھائے گی۔''

''تم غلط کہہ رہی ہو اگر ایسی بات ہے تو میں کل ہی رشتہ لے آتا ہوں میں تمہیں چاہتا ہوں پاگل تمہاری محبت کے علاوہ میرے لئے کچھ اہم نہیں ہے سمجھتی کیوں نہیں ہو تم۔'' اس کا ایس ایم ایس بھی اس کا غم غلط نہیں کر پایا تھا وہ جانتی تھی اب وہ یوں کہہ رہا ہے اور کچھ ٹائم کے بعد پھر سے مکر جائے گا۔

''پلیز ضیاء تم چلے جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا ہر وعدے سے ہر قسم سے کہ نہ تم وعدہ نبھانے والے تھے اور نہ میں وعدہ اور قسمیں دینے کا حق رکھتی تھی۔'' اس نے ضیاء حیدر کو ان فرینڈ کر دیا تھا اس کے ایس ایم ایس اسی تواتر سے آ رہے تھے، لیکن اب وہ مزید نہ کچھ دیکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی سننا چاہتی تھی، اس نے ضیاء حیدر کو بلاک کر دیا تھا اپنی زندگی سے اپنے خوابوں سے اپنی آرزوؤں سے اور تمناؤں سے۔'' اس کے الفاظ اس کے چاروں طرف ہواؤں کی طرح گردش کرنے لگے تھے۔

''میں آپ سے بات کرتے ہوئے بہت ڈرتا ہوں۔''

''اچھا کیوں؟''

''Becuse i like so۔'' (اس لئے کہ میں آپ کو بہت پسند کرتا ہوں۔'' پھر ایک یاد نے دوسری یاد کو پیچھے دھکیلا تھا۔

''تم سے انتہائی خوش نصیب ہوگا وہ شخص جس کی قسمت میں آپ لکھی ہوئی ہوں گی کاش وہ انسان......'' اس کے آگے خالی جگہ چھوڑی گئی تھی۔

''کہاں تھے آپ پانچ منٹ میں جواب کیوں نہیں دیتے۔'' ایک جھنجھلایا ہوا ایس ایم ایس۔

''سوری آئندہ ایسا نہیں ہوگا پہلے مسینجر سیٹ تھا وائی فائی آف بھی ہوتا تھا تب بھی آپ کے ایس ایم ایس کا پتہ چل جاتا تھا، لیکن اس فون پر پتہ ہی نہیں چلتا Saturday کو میرا سیل آ جائے گا پھر آپ کے سارے شکوے ختم ہو جائیں گے، پلیز آپ ناراض نہ ہوا کریں جان نکلنے لگ جاتی ہے میری، ویسے آپ ناراض ہوتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہیں لیکن آپ سے کوئی بات شیئر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں بہت جلد فیل کر لیتی ہیں، لیکن ایک بات کمال کی ہے آپ میں مان بہت جلدی جاتی ہیں زیادہ منانا نہیں پڑتا۔'' آنسو لڑیوں کی طرح یادوں کو روند رہے تھے۔

''وہ سچ تھا تو یہ کیا ہے اور اگر یہ حقیقت ہے تو وہ سب کیا تھا، کیا تھا وہ سب میرے اللہ۔'' وہ دیوانوں کی طرح عجیب مخمصے میں الجھتی جا رہی تھی۔

''میرے اللہ میں نے آپ سے اس شخص کو مانگا تھا، میں تو اس کے دل میں اپنی محبت جگانا چاہتی تھی لیکن یہ کیا ہو گیا میرے اللہ، وہ مجھے چھوڑ گیا میرے اللہ میں اکیلی رہ گئی۔'' وہ زار و قطار روتے ہوئے بول رہی تھی بڑبڑا رہی تھی۔

''میں ایک سیراب کے پیچھے اتنا عرصہ بھاگتی رہی بھاگتی رہی حتیٰ کہ اب منہ کے بل گر پڑی ہوں پہلے ہی قدم پر ٹھوکر لگ جاتی تو شاید میں سنبھل جاتی، اب...... اب میں کیسے سنبھلوں گی کیسے میرے اللہ میرا جسم ہوا میں معلق ہو گیا

ہے، میرا جسم مختلف حصوں میں بکھر گیا ہے میں ٹوٹ گئی ہوں میرے اللہ مجھے سمیٹ لے، اس آزمائش سے نکال لے۔'' وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی حتیٰ کہ انہی کے انداز میں وہی نیم جان ہو کر گر پڑی تھی۔

☆☆☆

طوفان آ کر چلا گیا تھا لیکن وہ ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں سکی تھی کہ یہ کیسا طوفان تھا جس کی آمد تو شدید تھی لیکن اس کے چلے جانے کے بعد اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا، اللہ نے اس کو سنبھال لیا تھا، زندگی میں بے شمار ایسے حالات آتے ہیں جب انسان کو اپنا آپ ہوا میں معلق نظر آتا ہے تب اللہ پاک ہی انسان کو سنبھالتا ہے، اس کو یاد آنے لگا تھا ٹیچر صائمہ نے ایک بار اپنے لیکچر کے دوران ایک بات سنائی تھی۔

حضرت یعقوب علیہ اسلام جب حضرت یوسف علیہ اسلام کو یاد کیا کرتے تھے، اتنا کہ آپ کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی تب فرشتوں نے کہا، اے اللہ پاک کسی نے کسی کو اتنا چاہا ہو گا اتنا پیار کیا ہو گا تب اللہ پاک نے فرمایا میں امت محمدیؐ کے ہر فرد سے ایسی ہی محبت کرتا ہوں، واقعی یہ اللہ کی محبت تھی جس نے اس کو سمیٹ لیا تھا سنبھال لیا تھا، ضیاء حیدر کے چلے جانے کا ہلکا سا قلق و ملال ہی نہیں تھا، وہ کیا تھا کس سوچ کا حامل تھا وہ کچھ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی لیکن وہ دل میں موجود اس کے لئے محبت کو فنا نہیں کر پائی تھی کیونکہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا وہ پہلا انسان تھا جسے اس کو صراط مستقیم کا راستہ دکھایا تھا اس نے اس کی دوستی اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ سے کرائی تھی، وہ اپنی لاکھ باتوں کے باوجود بھی اس کے لئے برا نہیں تھا اور نہ ہی برا ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اسلام اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا، آپ نے محسوس کیا ہو گا جو لڑکیاں بہت زیادہ باپردہ ہوتی ہیں ان میں حیاء تلاش نہیں کرنا پڑتی حیاء ان کے طور اطوار سے چھلکتی ہے وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہوتی ہیں وہ عام لڑکیوں میں نہیں لگتی آزادی سے کہیں نہیں آتی جاتیں ہر ایک سے باآسانی بات نہیں کرتیں، ان کے سراپے میں ایک بورڈ چسپاں ہوتا ہے کہ ''یہ شاہراہ عام نہیں ہے'' وہ اجنبی ہوتی ہیں اس دنیا کے لئے اس دنیا کی زیب و زینت کے لئے، میں بہت فیشن ایبل تھی، اتنی زیادہ کہ مجھے لگتا تھا کہ اگر میں فیشن نہیں کروں گی تو شاید زندہ ہی نہیں رہ سکوں گی، لیکن جب میں نے آہستہ آہستہ خود کو اسلام کے مطابق ڈھالنا شروع کیا تو پھر مجھ پر عیاں ہوا کہ فیشن وہ نہیں جو زمانہ جاہلیت کا طرہ امتیاز تھا فیشن تو وہ ہے جو ہم نے اپنایا ہے، ہمارا مذہب دنیا کا ماڈرن مذہب ہے جو عورتوں کو آزادی دیتا ہے غلاموں کو حقوق دیتا ہے ہواؤں کو ان کی اہمیت بتاتا ہے، بچوں کی دستگیری والدین سے حسن وسلوک کی تلقین کرتا ہے اور اس کے پیروکار دنیا کے فیشن ایبل لوگ ہیں، فیشن یہ نہیں کہ ہم جتنا تنگ لباس پہنے گے جتنا خود کو بے حجاب کریں گے فیشن ایبل کہلائیں گے فیشن یہ ہے ماڈرن ازم یہ ہے۔'' انہوں نے اپنے عبائے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''ہماری وسعت نظر فیشن ایبل ہے ہماری سوچ فیشن ایبل ہے ہمارا رکھ رکھاؤ مذہب سے لگاؤ یہ سب فیشن ایبل ہیں، تنگ لباس پہننے سے خود کو بے حجاب کرنے سے ہم زمانہ جاہلیت کی پیروی تو کر سکتے ہیں لیکن فیشن ایبل نہیں ہو

سکتے، ماڈرن ازم اور فیشن ازم میں بہت فرق ہے میں کیونکس لگاتی ہوں میری ڈریسنگ ٹیبل میک اپ کے سامان سے بھری ہوئی ہے، میں مینی کیور پیڈی کیور کرواتی ہوں، فشل کرواتی ہوں لیکن بال نہیں کٹواتی ہر وہ کام جو میرے شوہر اور میں جائز سمجھتے ہیں اور جو اسلام کی نظر میں جائز ہے میں اپنے شوہر کے حکم سے کرتی ہوں پہلے میں دنیا کی چاہ میں لوگوں کی ستائش کے لئے فیشن کرتی تھی لیکن اب اپنے شوہر اور خود کے لئے کرتی ہوں، کہ اسی کا حق ہے کہ وہ مجھے دیکھے سراہے، کوئی اور نہیں۔''

مس انیقہ خان کا لیکچر ختم ہو گیا تھا لڑکیاں اب سوال کر رہی تھیں جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں، زندگی کو ایک اور راستے پر ڈھال کر وہ دونوں خوش اور مطمئن تھیں ساشا نے فاطمہ کو ضیاء کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا، نہ ہی اس نے کچھ پوچھا تھا اور ویسے بھی اب تو ساشا کو لگتا تھا کچھ تھا ہی نہیں وہ دونوں باہر آ گئی تھیں، آج موسم انتہائی ابر آلود تھا دھند کے چھٹنے کے بعد موسم یونہی ابر آلود ہو جاتا ہے شاید۔

سلمان بھائی اور عمر کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر ان دونوں کو اچنبھا ہوا تھا۔

''دونوں ایک ساتھ لینے آئیں ہیں خیر تو ہے۔'' فاطمہ نے ہنس کر کہا تھا۔

''اور بہن ساشا کیا حال ہے، تمہیں تو بہن کہہ سکتا ہوں منگیتر کو تو نہیں کہہ سکتا ناں۔'' عمر نے شرارت سے ساشا کو دیکھا تھا جس کی حجاب میں صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، بلیک عبائے میں وہ دونوں کسی طور پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سناؤ۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔

''میں کیا سناؤں سنانا جو انہوں نے ہے یہ فرما رہے ہیں آپ ان کے ساتھ جائیں گی اور میں ان محترمہ کو لے کر جاؤں گا۔'' وہ شرارت سے فاطمہ کو دیکھ کر بولا تھا۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی، وہ بغیر چوں چرا کیے سلمان کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی تک آ گئی تھی، جبکہ فاطمہ عمر کے ساتھ چلی گئی تھی، سلمان نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ساشا۔'' انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور دوسری سامنے۔

''جب صباحت نے مجھ سے منگنی توڑی تھی تو میں بہت مضطرب رہا تھا، اتنا کہ میرا دل چاہتا تھا پوری دنیا کو آگ لگا دوں لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مجھے اس کا فیصلہ ٹھیک لگنے لگا تھا اگر وہ منگنی نہ توڑتی تو کچھ عرصے بعد ہماری طلاق ہو جاتی ہم دو مختلف ذہنوں کے لوگ آپس میں اجسٹ تو کر سکتے تھے لیکن کامیاب زندگی نہیں گزار سکتے، ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں ساشا تمہارا تعلق روشنیوں کی دنیا سے ہے جبکہ میں نے ہمیشہ اندھیرے میں آنکھ کھولی ہے اندھیرے میں رہا ہوں تم میرے ساتھ سفر نہیں کر سکو گی دو دن میں ہی مرجھا جاؤ گی ابھی تمہیں میں اور میری باتیں غلط لگ رہی ہیں لیکن کچھ عرصے بعد تمہیں یہ فیصلہ درست لگے گا۔'' ضیاء حیدر کے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے جگمگانے لگے تھے۔

''میرے اوپر بہت ذمہ داریاں ہیں بہت کہ میں چاہ کر بھی ان ذمہ داریوں کے بوجھ سے خود کو رہا نہیں کر سکتا اور نہ ہی میں تمہیں ایک من پسند زندگی دے سکتا ہوں تو پھر میں کیوں تم پر ظلم کروں، میں وقتی طور پر تمہاری نظروں میں برا تو بن سکتا ہوں لیکن ظالم و جابر نہیں۔'' اس نے

اپنے سر کو جنبش دی تھی، ایسے جیسے خود کو ضیاء حیدر کے لفظوں سے رہائی دینا چاہتی ہو، سلمان اب بھی بول رہا تھا۔

''پھر امی نے کئی لڑکیوں کے نام لینا شروع کیے میں کسی سے بھی شادی کر لیتا صباحت کے ساتھ نہیں تو کوئی بھی ہو، لیکن اس دن میں تمہارے پورشن میں آیا، تم جائے نماز پہ کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں، ساشا جس عاجزی و انکساری سے تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بہ سجود تھیں میں ایک لمحے کو ساکت ہو گیا تھا، ساکن ہونا ٹھٹک جانا منجمد ہو جانا مسمرائز ہو جانا ان سب باتوں سے مجھے آگاہی تبھی ہوئی تھی، مجھے لگا تم ہی ہو جس کو اللہ نے میرے لئے بنایا ہے اس لیے مجھے لگا میں صرف تمہارے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار سکتا ہوں، کسی صباحت اور نادیہ کے ساتھ نہیں، پھر میں نے تمہیں بہت قریب سے دیکھنا شروع کیا تھا، اسی بہانے سے میں تمہیں اور فاطمہ کو اسلامک سینٹر لانے لے جانے لگا تھا حتیٰ کہ عمر اور میرے درمیان جھگڑا ہوتا تھا۔'' سلمان بے ساختہ اس وقت کو یاد کر کے ہنسنے لگا تھا۔

''اور کچھ ہی دنوں میں تم میرے دل میں ایسے گھر کرنے لگی کہ تمہیں کھو دینے کا خیال ہی سوہان روح لگنے لگا تھا، میں نے امی جان سے بات کی تھی انہیں کوئی تامل نہیں تھا ڈر تھا تو صرف اتنا کہ پتہ نہیں تم لوگ مانتے ہو بھی یا نہیں لیکن جب چھوٹی امی نے بتایا کہ تم راضی نہیں ہو رہی تو یقین کرو کتنی راتیں میں نے نماز پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگی ہیں، تمہیں اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے تمہارا ساتھ میری زندگی اور موت کا مسئلہ بننے لگا تھا۔'' اس نے حیرت سے سلمان کی جانب دیکھا تھا اب اس کو سمجھ آ رہی تھی کہ اس کی دعا کیوں مستجاب نہیں ہوئیں تھیں اس کا نصیب سلمان سے جڑنا تھا پھر کیسے ضیاء حیدر اس کی قسمت میں لکھ دیا جاتا، وہ کہہ رہے تھے اور وہ حیرت سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی، انہوں نے سائیڈ پر کار روک دی تھی، بارش اب بھی ہو رہی تھی ہوا اسی تواتر سے چل رہی تھی، سلمان کے الفظوں نے اس کے ذہن میں چھائے بدگمانی کے بادل آہستہ آہستہ جھٹک دیئے تھے وہ امی کو تو کب کا ہاں کر چکی تھی، سلمان نے اپنی جیب سے بلیک مخملی ڈبیہ نکالی تھی، اس کو کھولا کر اس میں سے انگوٹھی نکال کر اس کے آگے کی تھی، اس نے ایک لمحے اس کو اور انگوٹھی کو دیکھا تھا اور پھر ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا، انہوں نے اس کو انگوٹھی ڈال دی تھی اور پھر بولے تھے۔

''ویسے یار تم انتہائی خوش قسمت ہو۔''

''اچھا وہ کیسے؟'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں ان کی جانب دیکھا تھا، جن کے چہرے پر مسرت و خوشی کی لہروں نے ان کو ایک انوکھا روپ عطا کر دیا تھا۔

''اتنا ہینڈسم اور چارمنگ شوہر مل رہا ہے تمہیں بغیر کسی تردد کے۔''

''اچھا اور میں...... میں کچھ نہیں ہوں کیا؟'' ساشا نے منہ پھلا کر رخ دوسری جانب پھیر لیا تھا۔

''یار پلیز مذاق کر رہا ہوں پلیز معاف کر دو۔'' سلمان کی جان پر بن گئی تھی اور ساشا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔

''توبہ ہے آپ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈر جاتے ہیں۔''

''تمہیں کھو دینے کے خیال سے ڈر جاتا ہوں۔'' وہ ایک التفات بھری نظر اس پر ڈال کر بولے تھے جبکہ ساشا نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

☆☆☆

جوں جوں منزل قریب آ گئی تھی وہ عنوہ کے متعلق کافی کچھ جان گئی تھی، اس کی چھپی ہوئی لا حاصل حسرتیں، بکھری ہوئی خواہشات سب کچھ جان گئی تھی۔

''میں تمہارے لئے دعا کروں گی عنوہ اللہ بہتری کرے گا۔'' اس نے خلوص دل سے کہا تھا۔

''ساشا اگر تمہیں برا نہ لگے تو میں کبھی کبھار تمہیں فون کر لیا کروں۔'' وہ ہچکچا کر بولی تھی، ساشا نے ایک لمحے کے لئے سوچا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنا نمبر اس کو دے دیا تھا، ڈائیوو رک چکی تھی، مسافر اتر رہے تھے، جبکہ ساشا ابھی بھی اس اطمینان سے بیٹھی تھی۔

''آؤ چلیں۔'' عنوہ نے اس کو سکون سے بیٹھے ہوئے دیکھا تو بولی۔

''تم جاؤ میں آتی ہوں۔'' ساشا نے اپنا حجاب درست کرتے ہوئے کہا تھا وہ اس کو اللہ حافظ کہہ کر نیچے اتر گئی تھی، اس نے شیشے سے اس کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا تھا، سامنے ہی ضیاء اس کو لینے کے لئے آیا ہوا تھا، وہ جھکا تھا اس نے اس کا سامان اٹھایا تھا ایک دو لفظ اس کو کہے تھے اور آگے بڑھ گیا تھا وہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور ساشا سوچ رہی تھی شاید یہی فرق تھا ضیاء حیدر کی سوچ میں اور سلمان کی سوچ میں، وہ سلمان کے برابر چلتی تھی قدم سے قدم ملا کر جبکہ ضیاء حیدر اپنے ساتھ چلنے والی نہیں چاہیے تھی، اس نے آخری موڑ تک ان کو جاتے ہوئے دیکھا تھا نہ تو اس کی آنکھیں دھندلائی تھیں اور نہ ہی پچھتاوں نے دل پر دستک دی تھی، سلمان کا فون آ رہا تھا اور سامنے سے فاطمہ اور عمر تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کی جانب آ رہے تھے، اس نے فون آن کر کے کان سے لگا لیا تھا اس سلمان کو اپنے با حفاظت پہنچنے کی اطلاع بھی تو دینی تھی۔

☆☆☆

عمارہ امداد

''کیا بات ہے؟ یہ تمہارے چہرے کے زاویے کیوں اتنے بگڑے ہوئے ہیں۔''

وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیزاری سے بیٹھی تھی جب مریم دھپ سے اس کے ساتھ کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آں..... نہیں..... کچھ خاص نہیں بس ویسے ہی بور ہو رہی تھی، سوچا فیس بک پر کچھ وقت گزار لوں، کسی دوست سے گپ شپ ہی کر لوں لیکن ابھی کوئی بھی آن لائن نہیں ہے۔'' اس نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لانے کی کوشش کرتے ہوئے وضاحت کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی کیونکہ مریم فوراً اس کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہاں..... یہ تو ہے، موسم بہار کی دس چھٹیاں ہی اتنی طویل لگ رہی ہیں میں تو خود گھر میں رہ رہ کر اکتا گئی ہوں بس اب تو تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں جلدی سے چھٹیاں ختم ہوں اور کالج شروع ہو۔'' وہ ایسی ہی تھی لاپرواہ سی، باتوں سے، رویوں سے اور کسی حد تک اپنے اردگرد رشتوں سے بھی، اس کی اپنی ہی زندگی تھی کالج، اکیڈمی، دوست، کمپیوٹر وغیرہ، اس کی دنیا ان سب کے اردگرد ہی گھومتی تھی، گھر سے، گھر کے کاموں سے اسے کوئی خاص سروکار نہ تھا جبکہ حبہ اس کے بالکل برعکس تھی، وہ حد سے زیادہ حساس تھی، کچھ حساسیت اس کی فطرت میں تھی اور کچھ اس کے اردگرد کے ماحول نے اسے بنا دیا تھا۔

آدھے سے زیادہ دن تو اس کا اپنی امی کے لئے کڑھنے میں ہی گزر جاتا تھا، اسے شائستہ پھپھو کا ہتک آمیز رویہ بہت تکلیف دیتا تھا، اکثر وہ اپنی والدہ زہرہ سے بھی اس کی بابت کہتی لیکن

مکمل ناول

وہ اس کی باتوں کو خاطر میں ہی نہ لاتیں اور سرسری سا لے کر ہنس کر ٹال دیتیں تو اسے بے تحاشا غصہ آتا اور وہ سوچتی کہ وہ اب ان کی ہمدردی نہیں کرے گی لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی کیونکہ اسے اپنی بھولی بھالی سیدھی سی ماں سے بے تحاشا محبت تھی۔

اب بھی اس کی بیزاری اور غصے کی وجہ شائستہ پھپھو تھیں، وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے صوفے پر شائستہ بیٹھی تھیں اور حسب معمول انہوں نے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی، زہرہ باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھیں اور چونکہ لاؤنج بالکل سامنے ہی تھا اس لئے وہ کھانا پکانے کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے شائستہ سے باتیں بھی کر رہی تھیں، اسے غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ شائستہ زہرہ کی کسی بات پر کوئی توجہ نہیں دے رہی تھیں بلکہ اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں اور ایسا پہلی دفعہ نہیں ہو رہا تھا حبہ نے تو جب سے ہوش سنبھالا تھا یہی دیکھا تھا، اسے صاف محسوس ہوتا کہ شائستہ زہرہ کی کسی بات کو ذرا اہمیت نہیں دیتیں بلکہ اکثر اسے ایسا لگتا کہ وہ جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کرتی ہیں، کئی دفعہ تو ان کا انداز اتنا تحقیر بھرا ہوتا کہ اسے تپ چڑھ جاتی لیکن مجال ہے زہرہ نے کبھی ان کی کسی بات پر غصہ دکھایا ہو یا کوئی ردعمل ظاہر کیا ہو، کبھی کبھی تو وہ اس سوچ میں پڑ جاتی کہ وہ پھپھو کے رویے کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتی ہیں یا واقعی وہ اتنی بھولی ہیں کہ انہیں کچھ پتہ نہیں چلتا یا شاید جیسے ان کا اپنا دل خود شیشے کی طرح شفاف تھا وہ سمجھتی تھیں کہ سب کے دل ایسے ہی ہوتے ہیں۔

''کیا ہے حبہ؟ کن سوچوں میں گم ہو؟ کوئی بات ہی نہیں کر رہی، مراقبے میں چلی گئی ہو کیا؟''

مریم کی اکتائی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ گڑبڑا سی گئی۔

واقعی وہ اپنی ماں اور پھپھو کے بارے میں سوچنے میں اتنی محو تھی کہ اسے یاد ہی نہیں تھا جس عورت پر اسے جی بھر کر غصہ آ رہا ہے وہ اس کے بالکل سامنے اور اس کی بیٹی اس کے ساتھ بیٹھی ہے۔

مریم کے ٹوکنے پر اس نے ایک اچٹتی سی نظر سامنے ڈالی، شائستہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں، وہ مزید گھبرا گئی اسے لگا جیسے وہ اس کا چہرہ اور سوچ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

اکثر وہ اسے ایسی ہی کاٹ دار اور سرد نظروں سے دیکھا کرتی تھیں اور ان کے اس طرح دیکھنے پر اسے بہت خوف محسوس ہوتا تھا۔

''اچھا چلو، کمرے میں چل کر کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں، وقت اچھا گزر جائے گا۔'' اس نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا وہ شائستہ کے سامنے سے ہٹنا چاہتی تھی۔

''ہاں! اب کی نہ دل خوش کرنے والی بات۔'' مریم بھی پرجوش ہوتی اٹھی، شائستہ نے ناگواری سے حبہ کو دیکھا۔

''کوئی ضرورت نہیں مریم، جا کر پڑھائی کرو، اتنی مشکل پڑھائی ہے تمہاری، ڈبل میتھ کے ساتھ بی ایس سی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، تم کون سا دوسروں کی طرح آرٹس پڑھ رہی ہو جو ایسے کاموں میں وقت ضائع کرو۔'' انہوں نے بات کے اختتام پر کٹیلی نظروں سے حبہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سلگ کر رہ گئی۔

اس کا دل کیا انہیں بے نقط سنائے، پل بھر میں ان کے چہرے پر چڑھا نقاب اتار دے اور چیخ چیخ کر انہیں ان کی اصلیت بتائے کہ وہ جانتی

ہے کہ اس کے والد ظہیر احمد نے ان کے کہنے پر ہی اسے آرٹس رکھوائی تھی کیونکہ انہوں نے ان کے سامنے یہ بہانہ تراشا تھا کہ وہ اتنی ذہین نہیں نمبر اچھے نہیں آئیں گے وغیرہ وغیرہ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی، انہوں نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے برابر کسی کو آتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اس کا دل چاہا کہ انہیں یہ بھی بتائے کہ وہ جو ان کی طنزیہ باتوں کے جواب میں خاموش رہتی ہے تو وہ ان کا لحاظ کر لیتی ہے لیکن اگر کبھی صبر کا پیمانہ چھلکا تو انہیں بے دریغ سنائے گی پھر چاہے بدتمیز ہی کیوں نہ کہلائے، وہ خاموشی سے ہونٹ کاٹتی سوچ گئی۔

''اُفوہ امی! مجھے ابھی نہیں پڑھنا، ہر وقت پڑھتی ہی تو رہتی ہوں، کتابی کیڑا بنا دیا ہے آپ نے تو مجھے، میری بھی تو کوئی زندگی ہے، ہر وقت روک ٹوک کرتی رہتی ہیں۔'' بیٹی کے ایکدم یوں بولنے پر وہ پہلو بدل کر رہ گئیں جبکہ حبہ جی بھر کر خوش ہوئی۔

''کوئی تو ہے جس سے پھپھو بھی دبتی ہیں۔''

''چلو حبہ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی جبکہ شائستہ نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو زور سے صوفے پر پٹختے ہوئے بیٹی کا سارا غصہ اس کتاب پر اتارا۔

☆☆☆

گھر کے کاموں سے فراغت پا کر زہرہ نے گھڑی پر وقت دیکھا، رات کے دس بج چکے تھے، صبح فجر کی نماز کے بعد وہ مصروف ہوئیں تو رات دس گیارہ بجے تک کاموں میں ہی پھنسی رہتیں پھر کہیں جا کر فرصت ملتی۔

انہوں نے گھر کی اضافی بتیاں بند کیں اور حبہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں، جب سے بچے بڑے ہوئے تھے وہ زیادہ تر حبہ کے کمرے میں ہی سوتی تھیں، گھر کے نیچے والے پورشن میں ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم کے علاوہ تین کمرے تھے، ایک کمرے میں مریم اور شائستہ ہوتیں اور دوسرے کمرے میں وہ اور حبہ ہوتیں جبکہ تیسرا کمرہ جو داخلی دروازے کے پاس ہی تھا اور باقی گھر سے الگ تھلگ تھا وہ ظہیر احمد کے زیر استعمال ہوتا کیونکہ وہ جلدی اور خاموشی میں سونے کے عادی تھے، اوپر والے پورشن میں بھی تین کمرے تھے ایک کمرہ شہریار کا تھا اور دوسرا علی کا اور تیسرا مہمانوں کے لئے استعمال ہوتا۔

حبہ پڑھنے میں مصروف تھی جب زہرہ اس کے برابر بیڈ پر آ کر لیٹیں، اس نے پڑھتے پڑھتے زہرہ پر ایک نظر ڈالی تو اسے ماں کے تھکن زدہ چہرے پر بہت ترس آیا۔

''بہت تھک گئی ہیں، چائے بنا دوں۔'' وہ کتاب بند کر کے ان کے قریب ہو کر بولی۔

انہوں نے لیٹے لیٹے ہی پیار بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

''نہیں بیٹا! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی پی تھی اور ویسے بھی میری بیٹی نے اتنے پیار سے پوچھا ہے، میری تو اس پر ہی تھکن دور ہو گئی ہے۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولیں۔

''بس اب تو چند ماہ ہی رہ گئے ہیں میرے پیپرز میں، پیپر ہو جائیں تو پھر گھر کا سارا کام میں خود کیا کروں گی۔'' وہ عزم سے بولی تو وہ بے اختیار ہنس دیں۔

''ابھی بھی تو اتنا ہاتھ بٹاتی ہو میرا، چھوٹے چھوٹے اتنے کام کر دیتی ہو اور یہ کام تو چلتے ہی رہتے ہیں بس تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔''

''ابو سے کہیں نا کوئی کام والی ماسی ہی رکھوا دیں۔''

''کوئی بات نہیں، کون سا اتنا کام ہوتا ہے اور......'' انہوں نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ وہ درمیان میں ہی بول پڑی۔

''کیا؟ ابھی اتنا کام نہیں ہوتا، سارا دن آپ کاموں میں الجھی رہتی ہیں اور اس پر مستزاد ابو کے ہی بے شمار چھوٹے چھوٹے کام ہوتے ہیں اور پھپھو اور مریم تو اس گھر میں مہمان ہیں نا اور وہ بھی مستقل مہمان، اس لئے ان سے تو کوئی امید ہی نہیں ہے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''تم خود کو کیوں پریشان کرتی ہو؟ میں خود ہی تمہارے ابو پر ابھی اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی، تم سب ابھی پڑھ رہے ہو، اتنی مہنگائی ہے، شکر ہے بھلے وقتوں میں یہ گھر بنا لیا تھا، کرائے کے جھنجھٹ سے جان چھوٹی ہوئی ہے، اللہ خیر کرے، شہریار کی پڑھائی تو ختم ہوگئی ہے، بس اب اسے اچھی سی نوکری مل جائے، اس سال تمہارا اور مریم کا بھی بی اے ہو جائے گا آگے کا تو بعد میں دیکھا جائے گا پھر علی کی ہی پڑھائی رہ جائے گی، انشاء اللہ پھر کچھ نہ کچھ کر لیں گے اور رہی کام کی بات تو ابھی اللہ کا شکر ہے اتنا دم خم ہے مجھ میں، تم شائستہ اور مریم کے بارے میں ایسے نہ سوچا کرو خواہ مخواہ کڑھتی رہتی ہو، میرا گھر ہے میں نے ہی اسے سنبھالنا ہے اگر وہ نہ ہوتیں تو تب بھی میں ہی سب کچھ کرتی۔'' صلح جو طبیعت کی مالک زہرہ ہمیشہ کی طرح اسے نرمی اور پیار سے سمجھانے لگیں۔

''بات کام کی نہیں، بات اس ذہنی اذیت کی ہے جو وقتاً فوقتاً ہمیں دیتی رہتی ہیں اور اگر گھر مکمل طور پر آپ کا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن صرف کام کرنے کے لئے گھر آپ کا ہے، باقی سارے معاملات کے لئے تو یہ شائستہ پھپھو کا گھر ہے، ابو آپ کی بجائے پھپھو کو گھر کا خرچ دیتے ہیں بقول ان کے کہ وہ بہت سمجھدار ہیں زیادہ اچھے طریقے سے گھر کا خرچ چلائیں گی تو پھر باقی کام بھی وہ کیوں نہیں کرتیں کہ وہ یہ کام بھی عقلمندی سے کریں گی۔'' وہ یہ بات محض سوچ کر رہ گئی، ان سے کہا نہیں کیونکہ وہ حقیقت بیان کر کے ان کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتی تھی بس ان کے آخری جملے پر ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی جسے محسوس کرتے ہوئے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر گئیں، وہ ماں تھیں اس کی اندر کی سوچ کو پڑھ گئیں پر وہ بیٹی کو کبھی بھی یہ نہیں بتا سکتی تھیں کہ وہ جو سمجھتی ہے کہ انہیں لوگوں کے رویوں کا پتہ نہیں چلتا تو وہ غلط سوچتی ہے انہیں پتہ چلتا ہے لیکن وہ مجبور ہیں، وہ سب کچھ جانتے ہونے کے باوجود لاتعلقی یا لاعلمی کا اظہار اس لئے کرتی ہیں کیونکہ اولاد کے سامنے روز روز مجروح ہوتی عزت نفس کا اقرار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

''مجھ میں اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ میں اپنا حق لے سکوں یا شاید میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔'' وہ سوچتے سوچتے ہمیشہ کی طرح پھر خود ترسی کا شکار ہو رہی تھیں۔

''اچھا! میں اب سونے لگی ہوں، صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اس کی طرف سے رخ کر کے لیٹ گئیں تو حبہ نے بھی مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اور ذہن سے تمام تکلیف دہ سوچوں کو جھٹک کر دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

''آج شام کو سعید زمان اپنے گھر والوں کے ساتھ آ رہا ہے، تم لوگ کھانے کا انتظام کر

لینا۔'' وہ سب ناشتہ کر رہے تھے جب ظہیر احمد نے انہیں اپنے دوست کی آمد کے بارے میں بتایا، سعید زمان سے ان کی بہت پرانی دوستی تھی اور گھریلو تعلقات بھی تھے، وہ خود تو امریکہ میں رہتے تھے لیکن فیملی پاکستان میں ہی ان سے قدرے فاصلے پر دوسری کالونی میں رہائش پذیر تھی، وہ جب بھی پاکستان آتے تو ظہیر احمد سے لازمی ملتے تھے۔

''اچھا وہ پاکستان آئے ہوئے ہیں۔'' شائستہ پوچھنے لگیں۔

''ہاں اسے آئے ہوئے تو تین چار دن ہو گئے ہیں، دفتر میں مجھ سے ملنے آیا تھا اب آج ہماری طرف وہ سب ہی آنا چاہ رہے ہیں، اب کی بار تو وہ تین سال بعد پاکستان آیا ہے، شام پانچ بجے تک وہ لوگ آئیں گے، میں نے رات کے کھانے کا انہیں کہہ دیا ہے اس لئے وقت پر سب کچھ تیار کر لینا۔'' شائستہ کے پوچھنے پر وہ تفصیل سے بتانے لگے۔

''آپ فکر نہیں کریں بھائی جان! میں اور زہرہ مل کر سب کچھ کر لیں گی، آپ تسلی سے ناشتہ کریں، یہ گرم گرم پراٹھا لیں۔'' وہ لہجے میں مٹھاس بھر کر بولیں۔

ظہیر احمد کے سامنے شائستہ کا لہجہ بے حد شائستہ ہو جاتا تھا اور جب بھی وہ کھانے کی ٹیبل پر ہوتے تو وہ خواہ مخواہ ہی پھرتیاں دکھانے لگتیں جو حبہ کو ایک آنکھ نہ بھاتیں، اب بھی ان کے یوں جھوٹ بولنے پر اس کے منہ میں نوالہ اٹکنے لگا، اس نے خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''سارا کھانا امی بنائیں گی اور یہ خواہ مخواہ میں کریڈٹ لینے کی کوشش کریں گی۔'' وہ جلتی بھنتی سوچنے لگی۔

''ہاں بس تم ذرا دھیان سے سارا انتظام کر لینا تمہیں تو پتہ ہے زہرہ کو اتنا پتہ نہیں چلتا۔'' وہ دوبارہ بولے اور ان کی بات پر غصے کی ایک تیز لہر نے حبہ کو چھوا تھا کہ وہ آج خود پر کنٹرول نہ رکھ پائی تھی۔

''جی ابو! پھپھو صحیح کہہ رہی ہیں، سب انتظام اچھا ہو جائے گا کیونکہ شام چار بجے تک آپ کے آنے کے وقت تک امی سارا کام تقریباً نپٹا لیں گی اور جیسے ہی آپ آئیں گے تو پھپھو کا سر درد بھی ختم ہو جائے گا، سر سے پٹی بھی اتر جائے گی، اس لئے وہ خوب اچھی طرح نگرانی کر لیں گی۔'' وہ ناشتہ کر چکی تھی اور وین کا ہارن بھی سن چکی تھی اس لئے اب کالج کے لئے نکلنے سے پہلے وہ جتاتی ہوئی نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے بالآخر بول ہی پڑی تھی جس پر گھر کے سب افراد کے تاثرات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

ظہیر احمد نے بے ساختہ حیرانگی اور برہمی کے ملے جلے تاثرات سمیت اسے دیکھا تھا، پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا جب اس نے شائستہ کے بارے میں یوں بات کی تھی۔

اس کے یوں اچانک کہہ دینے سے شائستہ نے جو اتنی دیر سے چہرے پر مصنوعی نرم تاثرات سجائے ہوئے تھے یک لخت ہی وہ تیزی سے غصے میں تبدیل ہوئے تھے اور ہاتھ میں پراٹھے کی پلیٹ پکڑے کھانے کی میز کی طرف بڑھتی زہرہ نے گھبرا کر اسے دیکھا تھا جبکہ وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی اور مریم بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کے پیچھے چل دی تھی۔

بہن کے یوں دیدہ دلیری سے بولنے پر علی سر جھکائے مسکرانے لگا تھا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا شہریار لحظہ بھر کے لئے اس کی بات پر ٹھٹک کر رکا تھا اور پھر جی بھر کر محظوظ ہوتا دل ہی دل میں

اسے شاباش دیتا ناشتہ کرنے چل دیا تھا۔

☆☆☆

وہ جب گھر پہنچا تو دوپہر کے تین بج رہے تھے، بیرونی دروازے کی ایک چابی ہمہ وقت اس کے پاس ہوتی تھی، اس لئے اسے آنے جانے میں مسئلہ نہیں ہوتا تھا، لاک کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو گھر میں مکمل خاموشی تھی، ظہیر احمد دفتر سے چار بجے تک آتے تھے اور مریم اور علی اس وقت اکیڈمی گئے ہوتے تھے البتہ زہرہ چچی اور شائستہ پھپھو اس وقت لاؤنج میں ہی ہوتی تھیں لیکن آج کوئی نظر نہیں آ رہا تھا حبہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''شاید سب کہیں گئے ہوئے ہیں؟'' وہ دل میں سوچتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے خوشگواریت کا احساس ہوا، کل صبح جلدی میں وہ بہت بے ترتیب حالت میں کمرہ چھوڑ کر گیا تھا لیکن اب ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ پر تھی، چھوٹا سا تو کمرہ تھا اس لئے ذرا سا بھی بکھیڑا ہوتا تو بے ترتیبی لگنے لگ جاتی، ایک ڈبل بیڈ اس کے ساتھ سائیڈ ٹیبل ساتھ ہی اسٹڈی ٹیبل تھی اور اسی کونے میں کمرے سے منسلک باتھ روم کا دروازہ تھا جبکہ سامنے کونے میں بھی ایک دروازہ تھا جس سے ٹیرس پر جانے کا راستہ تھا، وہ اکثر ہی کمرے کو بکھرا ہوا چھوڑ کر چلا جاتا تھا لیکن یہ زہرہ چچی کی مہربانی تھی کہ وہ ہمہ وقت اسے صاف رکھتیں۔

وہ جوتے اتار کر بغیر کپڑے بدلے ہی بیڈ پر لیٹ گیا، دو دن سے بہت تھکاوٹ ہو گئی تھی، اس نے مکینیکل انجینئرنگ میں بی ایس کیا تھا اور پڑھائی مکمل ہوتے ہی وہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا تھا، اسی سلسلے میں اس نے کئی جگہوں پر اپلائی کیا ہوا تھا اور آگے پیچھے ہی انٹرویو کی یاریخیں آ گئی تھیں، کل وہ ایک انٹرویو کے لئے دوسرے شہر گیا ہوا تھا، اسی لئے وہ رات بھی ادھر ہی رکا تھا اور سعید زمان سے بھی مل نہیں سکا تھا، آج صبح واپس آتے ہی پھر ایک اور انٹرویو کے لئے چلا گیا تھا اور اب وہاں سے فارغ ہو کر آیا تھا۔

گھر کا سارا بوجھ ظہیر احمد کے کندھوں پر تھا، وہ چاہتا تھا کہ اسے جلد از جلد اچھی سی نوکری مل جائے تا کہ وہ ان کا ہاتھ بٹا سکے، انہوں نے تو اسے آگے ایم ایس کرنے کا بھی کہا تھا لیکن وہ ان پر اور بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ نوکری کے ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی بھی جاری رکھے گا۔

ان کا یہ احسان کم تو نہیں تھا کہ انہوں نے اور زہرہ چچی نے اپنی اولاد سے بڑھ کر اسے پیار دیا تھا، اس کی پرورش کی اور اعلیٰ تعلیم دلوائی، وہ دل سے ان کا قدردان تھا، آج کے نفسانفسی کے دور میں کون کسی کی پرواہ کرتا ہے لیکن یہ ان کی اچھائی تھی کہ اس کے والدین کی وفات کے بعد انہوں نے نہ صرف اس کی ذمہ داری نبھائی بلکہ اس کے ساتھ پھپھو اور مریم کی بھی ذمہ داری نبھائی۔

وہ انہی سوچوں میں گھرا لیٹا ہوا تھا جب اسے سسکی کی آواز سنائی دی، اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا، آواز کی سمت کا تعین کیا، آواز ٹیرس سے آ رہی تھی۔

وہ بغیر آہٹ کیے ٹیرس کی طرف بڑھا، ٹیرس پر اکثر حبہ ہی آتی تھی، خاموشی ہونے کی وجہ سے یہ جگہ اسے بہت پسند تھی، وہ شام کی چائے بنا کر اوپر لے آتی اور وہ مریم اور حبہ تینوں مل کر چائے پیتے، یہ ان کے گھر کا پچھلا حصہ تھا اور سامنے خالی پلاٹ تھا، اس لئے اس طرف لوگوں کا آنا جانا نہیں تھا اور اس چیز کا فائدہ اٹھاتے

ہوئے وہ بلا جھجک یہاں براجمان رہتے تھے۔
وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آیا، اس کا اندازہ درست تھا، وہ ایک ہاتھ سے گرل تھامے اور دوسرے سے آنسو صاف کرتی سوچوں کے بھنور میں الجھی اردگرد سے بے نیاز کھڑی تھی، اسے روتا دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا، وہ بے اختیار آگے بڑھ گیا، یہ آج پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا اکثر اس نے حبہ کو یونہی خاموش آنسو بہاتے اور چھپ چھپ کر روتے دیکھا تھا۔
''کیا ہوا حبہ؟ رو کیوں رہی ہو؟'' وہ اس کے قریب جا کر نرمی سے بولا تو وہ چونک سی گئی۔
''کک...... کچھ نہیں۔'' اس نے بے اختیار ہی دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا اور اس کی طرف نظر اٹھائی۔
اس کی گہری روشن بھیگی بھیگی آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ کافی دیر سے وہ جل تھل ہو رہی ہیں، وہ اس کی سحر انگیز آنکھوں کو دیکھتا بے چین سا ہو گیا، اس کا بس چلتا تو وہ اس کی ان خوبصورت آنکھوں سے ایک قطرہ بھی نہ گرنے دیتا اور کہاں اب ساون بھادوں کی جھڑیاں بہاتی آنکھیں۔
وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں گھرا کچھ پل اسے دیکھتا ہی رہ گیا، روئے روئے معصوم حسن کا پیکر یہ لڑکی سیدھی اس کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔
اسے اپنی طرف یوں محویت سے دیکھتا پا کر وہ رونا دھونا بھول کر اچانک انوکھے سے احساس میں گھرنے لگی۔
شہریار کا اس زاویے سے دیکھنا اسے پہلی بار محسوس ہو رہا تھا یا شاید اس سے پہلے اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا اور ایسا بھی تو شاذ و نادر ہی ہوتا کہ وہ دونوں اکیلے ہوتے ورنہ مریم ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی تھی۔
وہ ابھی کچھ پل اور اسی کیفیت میں گھرا رہتا جب دماغ نے ہولے سے سرزش کی تو اس نے سنبھل کر دل کو ڈپٹا اور خود کو ان لمحات کی قید سے آزاد کروایا، اکثر اس کا دل چاہتا کہ وہ اسے نظر بھر کر دیکھے لیکن اپنی اس خواہش کو اس نے ہمیشہ دبا کر رکھا تھا، یہ پہلی دفعہ ہوا تھا جب وہ کچھ بے خود سا ہو گیا تھا لیکن فوراً سنبھل بھی گیا تھا، اس نے کبھی بھی اپنے کسی جذبے کو اس پر آشکار نہیں ہونے دیا تھا، وہ جتنی اسے عزیز تھی اس سے بڑھ کر اسے اس کی عزت عزیز تھی، وہ ایک ہی گھر میں پل کر جوان ہوئے تھے، ہمہ وقت کا ساتھ تھا، کزنز والی بے تکلفی بھی تھی لیکن اس نے خود کو ایک حد میں رکھا ہوا تھا، وہ وقت سے پہلے اسے کوئی خواب نہیں دکھانا چاہتا تھا اور اسے یہ احساس بھی اچھی طرح تھا کہ شائستہ کی نگاہیں ہر وقت شعوری اور لاشعوری طور پر ان دونوں کو اپنے حصار میں رکھتی ہیں اور وہ اپنی طرف سے کسی کو بھی شکایت کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا اور ظہیر چاچو کو تو وہ اپنی ذات کی طرف سے کوئی تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔
''چائے مل جائے گی؟'' وہ اسے مخاطب کرتا معمول کے سے انداز میں بولا تو وہ بھی تھوڑی دیر پہلے دل میں ابھرتے خیالات کو جھٹکتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
''کھانا نہیں کھائیں گے؟''
''نہیں، کھانا میں نے اپنے دوست کے ساتھ ہی کھا لیا تھا، بس چائے لے آؤ، بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔'' وہ ٹیرس پر رکھی کین کی کرسیوں میں سے ایک کو کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا، فی الحال اس نے اسے مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا، وہ اثبات میں سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ

گئی تھی جبکہ وہ پرسوچ انداز میں کرسی پر کمر ٹکائے آرام دہ حالت میں بیٹھ گیا۔

یہ گھر ظہیر چاچو اور اس کے ابو نے مل کر بہت شوق سے بنایا تھا، لیکن اس کے ابو بہت قلیل عرصہ ہی اپنی چھت کے نیچے رہ سکے کیونکہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ محض پانچ سال کا تھا جب اس کے امی ابو ایک جان لیوا روڈ ایکسیڈنٹ میں ہمیشہ کے لئے خالق حقیقی سے جا ملے تھے حالانکہ وہ بھی ساتھ تھا لیکن اس کی زندگی تھی کہ اسے چوٹیں تو آئی تھیں لیکن وہ بچ گیا تھا، ظہیر احمد کے لئے یہ سانحہ بہت بڑا تھا، بمشکل انہوں نے خود کو سنبھالا تھا، ماں باپ کا سایہ تو پہلے ہی سر سے چھن گیا تھا اب بڑے بھائی اور بھابھی بھی چل بسے تھے، وہ خود تو ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے تھے لیکن شہریار کی صورت میں اپنی نشانی ان کے پاس چھوڑ گئے تھ اور زہرہ نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور اپنی ممتا اس پر نچھاور کر دی، تب حبہ ایک سال کی تھی جبکہ علی حبہ سے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا لیکن اپنے دونوں بچوں کے باوجود اس کے لئے زہرہ کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، وہ فطری طور پر دل سے اور خلوص سے محبت کرنے والی تھیں اور ایسے لوگوں کو قدرت بھی فراخ دلی سے محبتیں بانٹنے کا کام سونپتی ہے جو دوسروں پر جتنی بھی محبتیں نچھاور کرتے رہیں لیکن ان کے پاس اس خزانے میں کمی نہیں آتی۔

وہ اگر کبھی اپنے بچپن کے دور میں جھانکنے کی کوشش کرتا تو بہت کوشش کے بعد بھی زہرہ کا عکس ہی نظر آتا اپنی ماں کی شبیہ بھی نظر نہ آتی اس لئے وہ بھی ان سے بہت محبت کرتا تھا، شائستہ کا زہرہ کے ساتھ رویہ اسے بہت تکلیف دیتا تھا، حالانکہ انہیں تو ان کا احسان مند ہونا چاہیے تھا کہ جنہوں نے فراخ دلی سے انہیں اور ان کی بیٹی کو قبول کیا تھا لیکن وہ احسان تو کیا مانتیں بلکہ ساری زندگی اسی کوشش میں رہیں کہ بھائی کے سامنے خود کو زہرہ سے برتر ثابت کر سکیں، وہ جان بوجھ کر گاہے بگاہے ظہیر احمد کے سامنے ان کی چھوٹی سے چھوٹی خامی کو بھی نہایت چالاکی سے آشکار کرتی رہتیں، جس کا اسے بہت دکھ ہوتا تھا، اسے ظہیر چاچو کے رویے پر بھی غصہ آتا، ظہیر احمد اگر برے شوہر نہیں تھے تو اچھے شوہر بھی ثابت نہیں ہوئے تھے، انہوں نے ایک حد سے زیادہ کبھی بیوی کو اہمیت نہیں دی تھی، وہ اکثر اوقات زہرہ کو شائستہ کے مقابلے میں ضرورت سے زیادہ ہی نظر انداز کر جاتے، اسے اس بات کا قلق ہوتا لیکن وہ خاموش رہتا کیونکہ وہ خود کو ان کے احسانوں تلے دبا محسوس کرتا کیسے زہرہ کے معاملے میں ان سے باز پرس کر سکتا تھا۔

''لیجئے جناب! آپ کی چائے۔'' اس نے چائے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے خود بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر اپنی چائے کا کپ اٹھایا تو وہ بھی سوچوں کو جھٹکتا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے سرسری سی نظر اس کا جائزہ لیا، وہ اب پہلے کی نسبت تر و تازہ لگ رہی تھی، روئی روئی سرخ آنکھوں پر پانی ڈال کر انہیں تر و تازہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن آنکھوں میں ہلکی سی لالی اب بھی تھی، جس نے شام کے اس دھندلکے میں اس کی آنکھوں کو خمار آلود بنا دیا تھا، چہرے پر کہیں کہیں پانی کے قطرے یوں لگ رہے تھے جیسے کسی تر و تازہ پھول پر شبنم گری ہو۔

اس نے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''پھپھو اور چچی جان دونوں آج نظر نہیں آ رہیں۔''

''ساتھ والوں کے ہاں میلاد ہے وہاں گئی ہوئی ہیں اور آپ کا انٹرویو کیسا ہوا؟'' بات کرتے کرتے اچانک اسے یاد آیا تو پوچھنے لگی۔

''آگے پیچھے دو انٹرویو تھے، دونوں ہی اچھے ہو گئے ہیں اور ان کا انداز بھی کافی حوصلہ افزاء تھا، بس دعا کرنا جو میرے حق میں بہتر ہو وہی ہو۔''

''انشاء اللہ سب اچھا ہی ہوگا، اللہ آپ کو کامیابی دے۔'' وہ دل سے بولی۔

''اچھا اب بتاؤ، رو کیوں رہی تھی؟'' اس نے بغور اسے دیکھتے ہوئے دوبارہ اسی بابت استفسار کیا، کچھ پل کی خاموشی ان کے درمیان حائل رہی۔

''ابو نے ڈانٹا تھا۔'' وہ قدرے سر جھکا کر بولی۔

''کیوں تم نے ایسا کیا کیا تھا؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

''ان کی بہن کی شان میں کل صبح گستاخی کی تھی اور ان اعلیٰ وارفع خاتون کی شان میں کچھ کہنا معمولی بات تو نہیں ابو نے تو محض ڈانٹا حالانکہ انہیں تو ٹھیک ٹھاک کھنچائی کرنی چاہیے تھی بہرحال ابو سے ڈانٹ کا فریضہ تو پھپھو نے کل شام کو ہی یاد دہانی کروا کر سرانجام دے دیا تھا لیکن میں آج اکیلی تھی تو سوچا آج رونے کا شوق پورا کر لوں، امی کے سامنے رو کر میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ لہجے میں بے حد تلخی سمیٹے بولتی چلی گئی۔

جبکہ اس کے یوں بولنے پر اسے ہمدردی کے ساتھ ساتھ بے اختیار ہنسی بھی آ گئی کل صبح کا واقعہ اور شائستہ پھپھو کا جز بز ہوتا انداز اس کے ذہن میں آ گیا۔

''آپ کو ہنسی کیوں آ رہی ہے؟ مجھے ڈانٹ پڑنے پر۔'' وہ کڑے تیوروں سے اس سے پوچھنے لگی تو وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''نہیں تمہاری کل والی باتوں پر، ویسے تم نے دل خوش کر دیا پہلی دفعہ بولی لیکن کمال کی بات کی۔''

وہ ایک دفعہ پھر دل کھول کر ہنسنے لگا تو اس کی کانچ سی آنکھیں جگمگ کرنے لگیں، اس نے فوراً سر جھکا لیا۔

اسے محسوس ہوا جیسے وہ آنسو اپنے اندر اتار رہی ہے کہ کہیں اس کے سامنے چھلک نہ جائیں۔

پل بھر کو اس کا دل کیا کہ وہ اس نازک سی لڑکی کے سارے آنسو اپنی پوروں پر چن لے اور اسے کبھی دوبارہ رونے نہ دے، وہ اسے بتائے کہ یہ آنکھیں صرف اس کی عطا کی ہوئی محبت کے احساس سے چمکنے کے لئے ہیں نہ کہ چھلکنے کے لئے لیکن وہ یہ سب محض سوچ کر رہ گیا۔

''آپ بتائیں، کیا میں نے کل غلط کہا تھا اور کیا میں غلط سوچتی ہوں۔'' اس کے پوچھنے پر وہ اپنے خیالات جھٹکتے ہوئے سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''نہیں، تم بالکل غلط نہیں ہو، جو سچ ہے میں اسے کیسے جھٹلا سکتا ہوں، اسی گھر میں رہتا ہوں، سب کی حقیقت کا پتہ ہے، ہمیشہ اسے ہی ہوتا ہے، زہرہ چچی اکیلی سارا کام کرتی ہیں تب انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا لیکن ظہیر چاچو کے سامنے وہ اپنے نمبر بنانے میں پیش پیش رہتی ہیں اور وہ بھی بلا چون و چرا ان کی ہر بات کا تعین کرتے رہتے ہیں اور ہم سب یہ تماشا کئی سالوں سے دیکھتے آ رہے ہیں، تمہارے اور علی کے حوصلے کی بھی داد دینی چاہیے، اپنے باپ کی کمائی دوسروں کو بے دریغ لٹاتے دیکھنا اور خود چھوٹی چھوٹی جائز

خواہشات کے لئے بھی ترسنا بہت تکلیف دہ عمل ہے، میں تمہارے کرب کو محسوس کر سکتا ہوں، اپنے ہی گھر میں رہ کر اپنی خواہشات کو دبانا، دوسروں کے فیصلے پر سر جھکانا بہت صبر آزما کام ہوتا ہے اور تم یہ کرتی ہو۔'' وہ چہرے پر نرم تاثرات لئے اسے دیکھتے ہوئے بولا جبکہ وہ جو بے خیالی میں اس کے سامنے شائستہ کے بارے میں کافی کچھ کہہ گئی تھی اور اب پچھتا رہی تھی کہ پتہ نہیں جواباً اس کا اس بات پر کیا ردعمل ہو، اس کی باتیں سن کر حیرانی سے اسے دیکھتی گئی جبکہ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پھر بولا۔

''مجھے پھپھو کے رویے پر بہت افسوس ہوتا ہے انہیں تو اپنی بھابھی کا شکر گزار ہونا چاہیے لیکن افسوس انہوں نے احسان تو کیا ماننا وہ ان کے ساتھ مخلص بھی نہیں ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے منافقانہ طرز عمل سے پہلے مجھے جھنجھلاہٹ ہوتی تھی اور اب غصہ آنے لگا ہے، زہرہ چچی مجھے بے حد عزیز ہیں، انہوں نے مجھے اتنا پیار دیا کہ شاید میری اپنی ماں ہوتی تو وہ بھی اتنا پیار نہ کر سکتی، پیار تو پھپھو بھی بہت جتلاتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں ان دونوں کے پیار میں نیت کا واضح فرق ہو، زہرہ چچی جیسی خود خالص ہیں ویسی ہی خالص محبت کرتی ہیں انہوں نے اپنی ذات پر کوئی خول نہیں چڑھائے ہوئے اور نہ ہی کبھی اپنی زبان میں مصنوعی مٹھاس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، میں اپنی وجہ سے، اپنی کسی بات سے گھر میں کوئی تنازعہ کھڑا کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے ہمیشہ خاموشی اختیار رکھی لیکن یہ خاموشی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، مجھے بس مناسب وقت کا انتظار ہے۔'' بات کے اختتام پر ایک نرم سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔

اس کی باتوں کے ردعمل میں وہ بس خاموشی سے حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساسات میں گھر گئی۔

اس سے پہلے ان کے درمیان اس موضوع پر کبھی زیادہ بات نہیں ہوئی تھی کیونکہ ہمیشہ مریم ان کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور اس کے سامنے اس نے کبھی کوئی تلخ و ترش باتیں نہیں دوہرائی تھیں، شائستہ سے ان دونوں کے جتنے بھی اختلافات تھے لیکن یہ سچ تھا کہ وہ دونوں مریم سے بہت محبت کرتے تھے اور وہ بھی فطرتاً اپنی ماں سے کافی مختلف تھی ان کے منع کرنے کے باوجود ان سب سے گھل مل کر رہتی۔

''یعنی جو کچھ میں سوچتی اور محسوس کرتی ہوں کوئی اور بھی ہے جو اس انداز سے سوچتا اور صحیح اور غلط کو محسوس کرتا ہے۔'' اس سوچ نے ہی اس کو اندر باہر سے پرسکون کر دیا تھا اور اس کے چہرے پر سکون آمیز کیفیت محسوس کرتے ہوئے شہریار بھی ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس کے چہرے پر دائمی مسکراہٹوں کے پھول بکھیرنے کا عزم کیا تھا۔

☆☆☆

''زہرہ چچی...... زہرہ چچی...... کہاں ہیں آپ؟'' وہ باورچی خانے میں کھڑی کپوں میں چائے ڈال رہی تھیں جب انہیں شہریار کی خوشی سے بھرپور آواز سنائی دی۔

ابھی انہوں نے پلٹ کر دیکھا ہی تھا کہ وہ اندر آ کر ان سے لپٹ گیا۔

''ماشاءاللہ بڑے خوش نظر آ رہے ہو، یقیناً کوئی بہت خوشی کی خبر ہے۔'' انہوں نے محبت سے اس کے خوشی سے دمکتے خوبرو چہرے کو دیکھا۔

''مجھے نوکری مل گئی ہے اور وہ بھی بہت

اچھی کمپنی میں۔'' وہ خوشی سے لبریز آواز میں بولا۔

کچھ مہینوں کی تگ ودو کے بعد بالآخر اسے اس کے مطلوبہ معیار کی نوکری مل گئی تھی اور وہ بھی بغیر کسی سفارش کے۔

''ارے سچ!'' زہرہ تو خوشی سے آبدیدہ ہو گئیں۔

''اللہ تیرا شکر ہے، میں نے تو شکرانے کے نفل مانے ہوئے تھے، صبح تمہارے نام کا صدقہ بھی دوں گی، اللہ میرے بچے کو خوش رکھے اور بہت سی ترقی دے۔'' وہ خوشی سے نہال ہوتے ہوئے اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

اور عین اسی وقت شائستہ اندر داخل ہوئیں، ان سے یہ منظر برداشت نہیں ہوا، حسد کی ایک تیز لہر اندر سے اٹھی اور اگلے ہی پل انہوں نے شہریار کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''کیا ہو گیا ہے بھئی، مجھے بھی تو کچھ پتہ چلے۔''

''پھپھو! مجھے نوکری مل گئی ہے۔'' وہ خوشی سے ان کے بھی گلے ملا۔

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے، اللہ تیرا شکر ہے، میری دعا رنگ لے آئی، جس دن سے مجھے پتہ چلا تھا کہ تم انٹرویو دے رہے ہو، میں تو دن رات تمہارے لئے دعا ہی مانگتی رہی، اللہ نے دعا سن ہی لی۔'' وہ اسے پیار سے ساتھ لگائے لگاوٹ بھرے لہجے میں بولیں۔

''اچھا چلو تم اندر چل کر آرام سے بیٹھو اور مجھے نوکری سے متعلق ساری تفصیل بتاؤ۔''

''زہرہ تم میری اور میرے بیٹے کی چائے اندر کمرے میں ہی لے آنا۔'' شہریار سے کہہ کر پھر وہ زہرہ سے مخاطب ہوئیں۔

''جی...... جی ساری تفصیل بتاؤں گا لیکن ابھی میں باقی سب کو تو بتا دوں۔'' وہ ان کی بات یکسر نظر انداز کرتے ہوئے زہرہ سے مخاطب ہوا۔

''حبہ، مریم وغیرہ کدھر ہیں؟''

''وہ سب اوپر ہیں۔'' زہرہ بولیں تو وہ ٹرے میں اپنی اور ان کی چائے کے کپ رکھ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا، اپنی خوشی میں اس نے شائستہ کے تیزی سے بدلتے تاثرات نوٹ ہی نہیں کیے تھے، اس نے ان کی بات کو اہمیت نہیں دی تھی، یہ سوچ ان کو اچھا خاصا تاؤ دلا گئی تھی۔

''شہریار زیادہ حق جتانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں، تمہارے پاس تو بیٹا ہے جبکہ میرے پاس تو بیٹے کی صورت میں شہریار ہی ہے، اس لئے زیادہ محبت جتانے کی ضرورت نہیں ہے، خوب جانتی ہوں میں تم ماں بیٹی کی چالاکیوں، بہانے بہانے سے اسے خود سے قریب کرنے کی کوشش مت کیا کرو، ساری زندگی میں نے صبر کر کے گزار دی، بس قناعت سے اپنا وقت گزارتی رہی ہوں، نہ ہی زندگی کی کوئی خوشی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی کوئی خواہش پوری ہوئی، احسان ہے بھئی تم لوگوں کا ہم ماں بیٹی کو رہنے کے لئے چھت دے دی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ہر خوشی سے دستبردار ہو جائیں۔'' وہ بلا تکان نخوت سے بولتی، اپنا چائے کا کپ اٹھا کر باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں، جبکہ زہرہ تو ورطہ حیرت میں ڈوبی جہاں کی تہاں کھڑی رہی رہ گئیں۔

ان کا لمحہ لمحہ بدلتا روپ اپنی ہمیشہ حیران اور خوفزدہ کر دیتا تھا لیکن آج تو وہ حد ہی کر گئی تھیں، وہ بے دلی سے اپنی ٹھنڈی ہوتی چائے لے کر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئیں اوپر سے سب کی آوازیں

آ رہی تھیں وہ غالباً شہریار سے ٹریٹ مانگ رہے تھے اور اسی سلسلے میں وہ چاروں بحث میں الجھے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔

شائستہ کی غلط بیانی کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے، ماضی کے تلخ اور خوشگوار روز وشب دل میں اودھم مچانے لگے۔

خود کو قناعت پسند کہنے کے دعویدار تو بہت لوگ ہوتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں قانع ہر کوئی نہیں ہوتا، یہ اتنا آسان نہیں ہے بلکہ ٹھیک ٹھاک مشکل کام ہے، بہت من مارنا پڑتا ہے، اگر آپ میں صبر کا مادہ ہے تو دنیا آپ سے اس کا خراج وصول کرنے سے نہیں چوکتی، خواہشوں سے دستبرداری اکثر صبر کرنے والوں کے حصے میں آتی ہے اور ایسا ہی زہرہ کے ساتھ ہوا تھا، انہوں نے ایک بار صبر کا دامن کیا تھاما شائستہ نے تو ان کی قوت برداشت کا امتحان ہی لینا شروع کر دیا۔

''لوگوں کا بات تو رہنے دو شائستہ، لوگوں کو تو دکھاوے کے ذریعے ہم دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن اس گھر سے پوچھو، اس کے در و دیوار کس کے صبر اور حوصلے کے گواہ ہیں میرے یا تمہارے؟'' وہ دل ہی دل میں شائستہ سے مخاطب ہوئیں۔

آج دل میں کئی سالوں سے دبی خواہش پھر سر اٹھانے لگی تھی، شہریار ان کے ہاتھوں میں پلا تھا اور کتنی اچھی عادات کا مالک یہ ان سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا، پڑھا لکھا شریف لڑکا اور اب برسر روزگار بھی ہو گیا تھا، اس میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کوئی بھی بیٹی کی ماں اپنے داماد میں دیکھنا چاہتی ہے، شہریار سے شادی کی صورت میں حبہ ان کے پاس ہی رہتی اور کئی طرح گھریلو سیاست سے بچی رہتی، کیونکہ وہ بھی ان کی طرح دبی دبی شخصیت کی مالک اور بہت سادہ تھی، خود انہوں نے ساری زندگی نند کی چالبازیوں اور شوہر کی بے اعتنائیوں کو سہتے، نہ سمجھتے اور ان میں ہی الجھتے گزار دی تھی، وہ ہمیشہ حبہ کے لئے یہی دعا کرتی تھیں کہ اسے ایسے کسی مسئلے کا سامنا نہ کرنا پڑے جس طرح کے مسائل میں وہ الجھی رہی ہیں۔

☆☆☆

ان کی اور شائستہ کی شادی اکٹھی ہی ہوئی تھی اور حبہ اور مریم کی پیدائش بھی آگے پیچھے کی ہی تھی، جب شہریار نے ماں باپ دونوں کو کھو دیا تو انہوں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، ظہیر احمد ان کی شہریار سے محبت پر ان کے قدر دان تھے، جیٹھ اور جیٹھانی کی ناگہانی موت کے بعد آہستہ آہستہ سب کچھ معمول پر آ ہی گیا تھا لیکن شاید ان کی زندگی میں ابھی اور امتحان لکھے تھے، شائستہ اور ان کے شوہر کی شروع سے ہی نہیں بنی تھی مریم کے آنے سے بھی ان کے جھگڑوں میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، شائستہ کے شوہر کو اپنی بات منوانے کی عادت تھی تو شائستہ میں برداشت کی بے حد کمی تھی، دونوں ہی غصے کے تیز تھے کوئی ایک فریق بھی جھکنے کو تیار نہ تھا اور پھر روز روز کے جھگڑے شدت اختیار کرتے طلاق کی صورت اختیار کر گئے تھے اور یوں محض شادی کے چار سال بعد ہی وہ مریم کو لے کر ان کے پاس آ گئی تھیں۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جنہیں خود کو برتر سمجھنے اور دوسروں کے سامنے خود کو عقلمند ثابت کرنے کا بہت خبط ہوتا ہے، ان کا دل چاہتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں ہر کوئی فقط انہیں سراہے اور اس کے ساتھ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی کسی خوبی کو تسلیم کر لیں، شائستہ بھی

ایسی ہی ذہنیت کی تھیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ بے حد چالاک بھی تھیں جبکہ زہرہ ضرورت سے زیادہ سیدھی تھیں، انہیں لوگوں کی چالاکیوں، چالبازیوں کا پتہ ہی نہ چلتا، وہ سمجھ ہی نہ پاتیں کہ کیسے شائستہ ان کے گرد سازشوں میں مصروف رہتی ہیں، انہوں نے دھیرے دھیرے چالاکی سے ظہیر احمد کو اپنی طرف کر کے گھر کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں کر لیا، زہرہ سارا دن کاموں میں الجھی رہتیں جبکہ پھر بھی ظہیر احمد کی نظروں میں شائستہ بڑے آرام سے خود کو بہت سگھڑ پھرتیلی ظاہر کرتیں کہ زہرہ دیکھتی رہ جاتیں اور ظہیر احمد تو تھے ہی فطرتاً لاپرواہ طبیعت کے، وہ مجموعی طور پر مردوں کی اس صنف سے تھے جو گھریلو سیاست سے نابلد ہونے کے ساتھ ساتھ ضرورت سے زیادہ بیوی کو نہ اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی اس کو اپنے معاملات کا حصہ دار بناتے ہیں، اس لئے آسانی سے شائستہ نے انہیں اپنا نشانہ بنا لیا تھا، انہوں نے ان کے دل میں یہ سوچ پختہ کر دی تھی کہ زہرہ میں سرے سے کوئی قابلیت ہی نہیں ہے اگر وہ نہ ہوں تو زہرہ گھر سنبھال ہی نہیں سکتیں، زہرہ تیکھے نین نقوش اور کھلتی گندمی رنگت کی حامل پرکشش شخصیت کی مالک تھیں، اس لئے وہ ان کی شکل وصورت کو تو نشانہ نہ بنا سکیں لیکن کبھی انہیں ان کی اچھی بھلی صاف رنگت خواہ مخواہ میں ہی سیاہی مائل لگنے لگتی، کبھی ان کی باتیں بے انتہا فضول لگتیں اور وہ اس بات کا برملا اظہار کرتیں کہ زہرہ کو گفتگو کی تمیز نہیں ہے اور کبھی ان کے کاموں میں ان کو بے تحاشا نقائص نظر آتے، زہرہ چونکہ پہلے ہی دبی ہوئی شخصیت کی مالک تھیں مزید ان کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ بالکل معمولی سی عورت ہیں جو کچھ بھی نہ کر سکنے کی اہل ہیں اور یوں انہوں نے خود کو شائستہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جس کا ساری زندگی انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا حبہ نے نین نقش ماں کے جبکہ رنگت باپ کی چرائی تھی، جس کی وجہ سے وہ بہت خوبصورت لگتی تھی، مریم بھی شکل وصورت میں اچھی خاصی تھی لیکن حبہ کے مقابلے میں ذرا دبتی تھی اور یہ بات شائستہ سے ہضم نہیں ہوتی تھی اس لئے زہرہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے حبہ کو بھی بے جا تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا، وہ ہر بات ہر موقع پر مریم کو حبہ سے برتر ثابت کرنے کی کوشش میں رہتیں انہوں نے گھر کے علاوہ اپنے ملنے ملانے والوں میں بھی مریم کی ذہانت اور سلیقے کے بڑے چرچے مشہور کیے ہوئے تھے، وہ ضرورت سے زیادہ مریم کی تعریف میں رطب اللسان رہتیں جبکہ زہرہ کو یہ عادت نہیں تھی کہ وہ ہر وقت خواہ مخواہ ہی اپنی بیٹی کی تعریف کرتی رہیں، اکثر حبہ ان سے اس بات کی شکایت بھی کرتی تھیں لیکن وہ جواباً بے بسی سے مسکرا دیتیں، وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھیں کیونکہ اپنی ذات اور اس سے وابستہ رشتوں کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ان کی فطرت نہیں تھی اور انسان کرتا وہی ہے جو اس کی فطرت میں ہوتا ہے۔

حبہ بھی تو ان کے جیسی ہی تھی اپنی خواہشوں کا اظہار نہ کرنے والی اور خاموشی سے سمجھوتا کرنے والی، وہ ماں تھیں، وہ نہ بھی کچھ بتاتی تو وہ جانتی تھیں اور انہیں پکا یقین تھا کہ حبہ کے دل میں شہریار کے لئے کوئی خاص جذبہ پنپ رہا ہے۔

''شائستہ تو ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی اور پتہ نہیں شہریار کی بھی کیا مرضی ہو، وہ تو حبہ کے مقابلے میں مریم کو ہی اہمیت دے گا، اس نے تو گھر میں ہمیشہ مریم کی ہی تعریف سنی ہے، وہ تو اس کا ہی انتخاب کرے گا۔'' سوچتے سوچتے ان کے آنسو گالوں کو بھگونے لگے جنہیں اپنے

خیالوں میں الجھے ہوئے انہوں نے صاف کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور عین اسی لمحے سیڑھیاں اترنے کے لئے گرل تھامتا شہریار ٹھٹک کر رکا تھا، اس نے بہت محبت اور عقیدت سے بے بسی کے احساس تلے بہتے آنسوؤں کو دیکھا تھا اور دل میں خود سے کئی دفعہ کیے گئے عہد کو عملی جامہ پہنانے کا سوچتا وہ خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

''کیا ہے؟ کوئی ڈھنگ کا چینل لگاؤ نا، ہر اوٹ پٹانگ ڈرامہ دیکھنا تم پر فرض ہے کیا؟ اور بالفرض دیکھنا بہت ضروری ہے تو اتنی محویت سے دیکھنا تو ضروری نہیں، کوئی باتیں ہی کر لو مجھ سے۔'' مریم کے پسندیدہ ڈرامے کی آخری قسط تھی اس لئے وہ خوب ذوق وشوق سے دیکھ رہی تھی جبکہ حبہ اتنی ہی بیزار ہو رہی تھی، اس نے چونکہ ڈرامہ دیکھا ہی نہیں ہوا تھا اس لئے اب اس کی آخری قسط میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لگ رہی تھی۔

''کیا ہے؟ خود تو تم بور ہو مجھے تو نہ کرو۔'' وہ جھنجھلا کر دوبارہ ڈرامہ دیکھنے میں محو ہو گئی یعنی فی الحال وہ اسے لفٹ کروانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''ارے تمہیں کیا ہوا؟ اتنی بیزار سی کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ عدم دلچسپی سے برے برے منہ بناتی ٹی وی اسکرین کو گھور رہی تھی جب شہریار کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ ابھی ابھی دفتر سے آیا تھا اور انہیں دیکھ کر واپس جانے کی بجائے سیدھا ان کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ گیا، اسے دیکھ کر وہ کھل سی گئی۔

''دیکھیں نا شہریار بھائی! میں اتنی بور ہو رہی ہوں، کالج بھی ختم ہو گیا ہے، پیپرز کے بعد آج کل ایک طرح کے روزمرہ کے معمول سے اکتا جاتی ہوں لیکن یہ محترمہ ہیں کہ فضول سے ڈراموں سے اسے فرصت ہی نہیں، اب آپ بھی اتنے مصروف ہو گئے ہیں آپ بھی لفٹ نہیں کرواتے۔'' وہ منہ پھلائے تواتر سے بول رہی تھی جبکہ وہ دلچسپی سے اسے سننے کے ساتھ ساتھ دیکھ بھی رہا تھا، اپنی ہی دھن میں بولتی اس نے شہریار کی طرف دیکھا تو جیسے اس کی زبان کو یکدم بریک لگ گئے۔

اس کی چمکتی آنکھوں میں جیسے لو دیتے دیے جل رہے تھے اور اس سے ان آنکھوں میں اسے اپنا عکس واضح نظر آیا تھا، اس نے گھبرا کر مریم کی طرف دیکھا وہ شہریار سے سلام دعا کے بعد پھر پوری طرح ڈرامے کی طرف متوجہ تھی۔

''اچھا، چلو کوئی بات نہیں، تم چائے لے کر آؤ، آج میں تمہیں کمپنی دیتا ہوں، کسی اچھے سے موضوع پر گپ شپ لگاتے ہیں۔'' وہ اسی انہماک سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ مزید گڑبڑا گئی۔

''جی میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے سے ہٹتی کچن کی طرف بڑھ گئی، کچن میں پہنچ کر بھی وہ انہی فسوں خیز لمحات کی زد میں تھی، اپنی طرف اٹھتی اس کی پرشوق نگاہیں اور ان سے عیاں ہوتے جذبوں سے اس کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں، کچھ عرصہ سے اسے اس کی نگاہوں کا زاویہ بدلا بدلا محسوس ہوتا تھا لیکن وہ اسے اپنی خوش فہمی سمجھ کر جھٹلا دیتی تھی لیکن آج تو اس کی نگاہیں بہت سے راز افشاں کر رہی تھیں۔

''تو کیا اس کے دل میں بھی میرے لئے کوئی خاص جذبات ہیں، جتنا اہم وہ میرے لئے ہے، میں بھی اس کے لئے اتنی ہی اہم ہوں۔'' وہ پین میں چائے کا پانی رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ

خوش کن خیالوں میں ڈوبی شہریار کے بارے میں سوچ رہی تھی تو دوسری طرف وہ بھی اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا، اس کے یوں کترا کر بھاگنے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں کے کناروں پر آ کر ٹھہر گئی تھی جسے بالکل سامنے اپنے کمرے کی کھڑکی سے سارا منظر دیکھتی شائستہ نے بغور دیکھا تھا، وہ جیسے اندر تک جل اٹھی تھیں اور اسی وقت انہوں نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

چائے کپوں میں ڈالتی زہرہ نے ایک نظر کچن کو دیکھا، سب کچھ سمٹا ہوا تھا، جب کے حبہ پیپرز دے کر فارغ ہوئی تھی ان کا پورا ہاتھ بٹاتی تھی، اب بھی جب تک انہوں نے چائے بنائی تھی اس نے سارا کچن سمیٹ کر دھلے ہوئے برتن ترتیب سے رکھ دیئے اور میلے برتنوں کو ایک ٹوکری میں ڈال کر علیحدہ رکھ دیا تھا اور پھر چائے لے کر اوپر کے پورشن میں چلی گئی تھی، وہ سارے کزن زیادہ تر اوپر والے حصے میں ہی پائے جاتے تھے۔

''اللہ میری بیٹی کو بہت خوشیاں دے، اتنی محبت کرتی ہے مجھ سے، اللہ خوش رکھے اور شہریار کتنا اچھا بچہ ہے، کتنا احساس کرتا ہے میرا، اللہ اس کے لئے بھی آسانیاں پیدا کرے۔'' حبہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے دل سے اسے بھی دعا دی۔

شہریار نے نوکری ملتے ہی ان کا کام والی ماسی رکھوا دی تھی جس سے انہیں بہت سکھ ہو گیا تھا، وہ اسے اٹھتے بیٹھتے دعاؤں سے نوازتیں، کیونکہ پہلے تو ہمت تھی سب کاموں کو نبٹا لیا کرتی تھیں لیکن اب عمر کے ساتھ ساتھ بہت جلدی تھکاوٹ ہو جاتی تھی، وہ چائے کی ٹرے لئے ان دونوں کے بارے میں سوچتی ظہیر احمد کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

آدھے گھنٹے سے شائستہ اور ظہیر احمد محو گفتگو تھے، کوئی اہم گفتگو تھی اتنا زہرہ نے اندازہ لگا لیا تھا، ان کو بلانے کی انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی اس لئے بلایا بھی نہیں تھا، اب بھی چائے کی طلب ہوئی تو انہیں چائے لانے کا کہا تھا، وہ ان دونوں کو چائے پکڑا کر ابھی اس سوچ میں تھی کہ اپنی چائے انہوں نے ادھر پینی ہے یا باہر لاؤنج میں۔

''بیٹھیں بھابھی۔'' تب انہیں شائستہ کی آواز آئی تو وہ بھی چائے لے کر وہی بیٹھ گئیں۔

''آج تو آپ کا ہونا بہت ضروری ہے، آپ کی بیٹی کے بارے میں بات ہے بھئی ہم تو بہنوں کی طرح رہتی ہیں، زہرہ سے تو میں ہر بات کرتی ہوں۔'' شائستہ کی مٹھاس بھری آواز پر انہوں نے قدرے چونک کر ان کی طرف دیکھا وہ ضرورت سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

''لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔'' وہ سوچنے لگیں۔

''سعید زمان اپنے بیٹے فائق کا ہمارے ہاں رشتہ کرنا چاہ رہا ہے، بچیاں بھی بی اے تو کر چکی ہیں، شادی کی مناسب عمر بھی یہی ہے، سعید زمان میرا بہت اچھا دوست ہے، بہت سالوں سے جانتا ہوں اسے اور اس کے خاندان کو، غیروں والی تو بات ہی نہیں ہے، ماشاء اللہ فائق بھی بہت اچھا بچہ ہے، ایک کا ادھر ہو جائے اور دوسری کے لئے تو گھر کا بچہ ہی ہے، اللہ بس خیریت سے بچیوں کے فرض سے سبکدوش کر دے۔'' وہ شہریار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں تفصیلاً بتاتے ہوئے بولے، وہ

بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

''اچھا، ماشاء اللہ۔'' انہوں نے بھی جواباً خوشی کا اظہار کیا۔

بات تو خوشی کی ہی تھی لیکن زہرہ تو اس مخمصے میں الجھ رہی تھیں کہ شہریار کے ساتھ کس کا رشتہ ہو گلنبہ کا یا مریم کا، بلاشبہ دونوں ہی رشتے اچھے تھے اور انہیں مریم بھی حبہ کی طرح ہی عزیز تھیں لیکن وہ بیٹی کے دل کے حال سے واقف تھیں۔

''شہریار کے ساتھ کس کا رشتہ طے کیا آپ نے، میرا مطلب ہے کہ......''

''مریم اور شہریار کا رشتہ تو شروع سے ہی طے ہے جو جمال بھائی نے اپنی زندگی میں ہی طے کر لیا تھا اور حبہ کے لئے اللہ نے فائق جیسا اچھا رشتہ بھیج دیا ہے، بس اللہ دونوں بچیوں کے اچھے نصیب کرے اور انہیں ڈھیر ساری خوشیاں دیں۔'' زہرہ ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھیں کہ جھٹ سے شائستہ بول اٹھی تھیں، ان کا دل ایکدم سے بوجھل ہو گیا۔

''تو زہرہ کی بیٹی کے حصے میں قربانی دینی ہی آئی۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے دل میں سوچا۔

وہ اگر ماضی کو دور دور تک بھی کھنگال آتیں تو تب بھی انہیں یاد نہیں پڑتا تھا کہ جمال بھائی اور ثمینہ بھابھی نے کبھی شہریار کے لئے مریم کا نام بھی لیا ہو البتہ ثمینہ بھابھی نے ان کے سامنے حبہ کا نام ایک دو دفعہ ضرور لیا تھا تب بچے بہت چھوٹے تھے تو وہ ہنس دیتی تھیں، وہ دونوں اکٹھی رہتی تھیں اور دونوں کا وقت بہت اچھا گزرا تھا، لیکن وہ اس بات کو دوہرا نہیں سکتی تھیں کیونکہ اس موقع پر وہ کچھ ایسا ویسا کرتیں تو شائستہ نے واویلا مچانا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کی خوشی میں خوش نہیں ہیں اور ظہیر احمد سے بھی کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ الٹا انہیں ہی جھڑک کر رکھ دیتے، اس لئے انہوں نے خاموشی ہی سادھے رکھی۔

''آپ نے کوئی جواب نہیں دیا بھابھی۔'' شائستہ نے انہیں جانچتی نظروں سے دیکھا۔

زہرہ نے پل بھر کے لئے ان کے مٹھاس بھرے لہجے اور کینہ توز نظروں پر غور کیا اور سر جھٹک دیا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، اللہ بس خیریت سے سب کچھ کر دیں، ظہیر اور آپ زیادہ سمجھدار ہیں اور یہ آپ دونوں کا فیصلہ ہے۔'' انہوں نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

''اچھا، پھر ٹھیک ہے، رات بھی کافی ہو گئی ہے میں اب آرام کرتا ہوں، سعید زمان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا، بچیاں تو انہوں نے دیکھی ہی ہوئی ہیں وہ کہہ رہے تھے کہ دونوں میں سے جس کا بھی آپ ہمارے ہاں کرنا چاہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا بس بتا دیجئے گا ہم اکٹھے بات پکی کرنے ہی آئیں گے اور زہرہ تم ایک دفعہ شہریار سے بھی اس کی مرضی پوچھ لینا، ویسے تو ہماری مریم سے شادی پر کس کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی اس سے رائے لینا ضروری ہے کیونکہ اسے ایسے نہ لگے کہ اس کی زندگی کے اتنے اہم فیصلے میں اس سے پوچھا نہیں گیا۔'' اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے شائستہ کو مخاطب کیا۔

''جی بھائی جان، ضرور میں اس سے پوچھ لوں گی۔'' شائستہ تابعداری سے سر ہلانے لگیں۔

''چلو ٹھیک ہے پھر اب تم لوگ بھی آرام کرو۔'' وہ لیٹتے ہوئے بولے تو زہرہ بجھے دل سے چائے کے خالی کپ اٹھانے لگیں، کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی تھیں، دروازے سے تھوڑے فاصلے پر حبہ سن سی کھڑی تھی، انہوں

نے بے بسی سی نظروں سے اسے دیکھا، وہ شاید چائے کے برتن نیچے رکھنے آئی ہو گی اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یقیناً اس نے ان کی باتیں سن لی ہیں اور اسی پل باہر نکلتی شائستہ نے بھی اس کے دھواں دھوا ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

وہ جو اس دن کے بعد سے مناسب لفظوں میں ظہیر احمد سے مریم اور شہریار کے رشتے کی بابت بات کرنے کا سوچ رہی تھیں تو انہوں نے انہیں فائق کے رشتے کے بارے میں بتا کر خود ہی یہ موقع فراہم کر دیا تھا اور انہوں نے جھٹ سے اپنی عقلمندی سے انہیں اپنی سوچ کا ہم نوا بنا لیا تھا، انہوں نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور فتح مندی کے احساس سے سرشار اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

زہرہ اپنے بستر پر لیٹی بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں، انہیں نیند آ بھی کیسے سکتی تھی ان کی بیٹی نے چین تھی تو وہ کیسے چین کی نیند سو سکتی تھیں حالانکہ وہ ان سے کچھ فاصلے پر سنگل بیڈ پر ان کی طرف سے رخ موڑے لیٹی تھیں لیکن وہ جانتی تھیں کہ وہ بے آواز رو رہی ہے، یعنی ان کے دل میں جو خدشہ تھا آج اس کے رونے سے اس کی تصدیق ہو گئی تھی اور وہ مزید دکھ میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ کاش وہ اس کے احساسات جان ہی نہ پاتیں کیونکہ وہ کون سا اس کے لئے کچھ کر سکتی تھیں لیکن وہ اس سے کچھ بھی کہنے یا سننے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں جیسے وہ پہلے حسم کی پسندیدگی جانتے ہوئے بھی خاموش رہی تھیں کبھی اس سے کوئی استفسار نہیں کیا تھا ویسے ہی اب بھی خاموش رہنا چاہتی تھیں، جب وہ اس کے لئے کچھ کر ہی نہیں سکتی تھیں تو اس سے کچھ کہنے کا حق بھی نہیں رکھتی تھیں۔

''ہمیشہ شائستہ کی ہی ہر خواہش کیوں پوری ہوتی ہے؟ کیا زندگی کی خوشیوں میں میرا کوئی حق نہیں، میں اپنے حق سے تو دستبردار ہوتی رہی لیکن میری اولاد کیوں اپنی خوشیوں کی قربانی دے؟ کیوں ہمیشہ گھر میں وہی ہوتا ہے جو شائستہ چاہتی ہے؟ کبھی ایسا کیوں نہیں ہوا جو میں چاہتی ہوں؟ کیا وہ واقعی بہت عقلمند ہے اور میں بہت بیوقوف ہوں؟'' مایوسی کی حدوں کو چھوتی وہ خود سے الجھ رہی تھیں۔

اور دوسری طرف خاموش آنسو بہاتی حبہ بھی خود سے الجھ رہی تھی، بچپن سے لڑکپن اور جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہی نہ محسوس طریقے سے شہریار کی محبت اس کے اندر پنپتی رہی تھی جسے اس نے دل کے نہاں خانوں میں چھپا رکھا تھا کہ کہیں کسی پر آشکار نہ ہو جائے، اس خاموش محبت کے سمندر میں تلاطم تب پیدا ہونا شروع ہوا جب شہریار کی نظروں کے زاویے بدلنے لگے، دل انوکھے جذبوں سے دوچار ہونے لگا، دل خوش فہم اس سوچ پر ہی سرشار تھا، کہ وہ جس وجود کا متمنی ہے وہ شخص بھی اس کے لئے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتا ہے، یہ احساس ہی بے پناہ خوشی کی رمق اس کے اندر دوڑا دیتا لیکن ابھی تو اس احساس کو محسوس کیے بہت قلیل عرصہ ہوا تھا، خوشیوں کے یہ پل اتنے عارضی ہوں گے یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

''اگر ایسا ہی ہونا تھا تو کیوں شہریار نے اس کی پرسکون زندگی میں ارتعاش پیدا کیا؟ اگر یکطرفہ محبت کا احساس ہی رہتا تو وہ اتنا تکلیف دہ نہیں ہونا تھا جتنی تکلیف اب ہو رہی تھی، ہمیشہ گھر میں ہر اچھی چیز کے لئے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے لے کر پڑھائی تک فرض کہ ہر

معاملے میں مریم کا نمبر پہلا آتا ہے اور میرا بعد میں، خود میرے اپنے باپ نے ساری زندگی اولاد اور بیوی پر اپنے باقی رشتوں کو ترجیح دی، ہر اچھی چیز مریم کے دسترس میں ہی کیوں ہے؟ کیونکہ اس کی ماں خودغرض ہے تو کیا خودغرض ہونا صحیح ہے؟ مریم کو شہریار کی اتنی طلب بھی نہیں لیکن وہ بھی اسے ہی سونپا جا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پھپھو جو کرتی ہیں وہ صحیح کرتی ہیں اور امی غلط ہیں، میں اپنی ہر خواہش سے دستبردار ہونے والی، اب اس خواہش سے کیوں دستبردار نہیں ہو پا رہی؟ لیکن ہمیشہ میں ہی اپنی ہر خواہش کو کیوں دباؤں، اس لئے کہ میری ماں بہت اچھی اور دوسروں کے لئے بہت پرخلوص ہے تو کیا پرخلوص ہونا غلط بات ہے؟ ہر خسارہ قناعت کرنے والوں کے حصے میں ہی کیوں آتا ہے؟''

وہ دونوں ہی سوچوں کی پرواز پر سوار ذہن کی سطح پر ان گنت سوالوں کے بھنور میں الجھی ہوئی تھیں اس بات سے بے خبر کہ جو لوگ زندگی کو خلوص سے برتتے اور اپنے نفع و نقصان سے مبرا دوسروں کی بھلائی کا سوچتے اور مثبت سوچ رکھتے ہیں تو زندگی نے ان کے حصے میں جتنی بھی آزمائشیں رکھی ہوں لیکن ان کی اچھائی اور صاف نیت کے آگے بالآخر اسے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑتے ہیں اور یوں ایک حد سے زیادہ وہ انہیں نہیں آزماتی۔

☆☆☆

''پھر تم نے شہریار سے بات کر لی۔'' لاؤنج میں ظہیر احمد کی آواز ابھری جو کہ اندر اپنے کمرے میں بیٹھی حبہ کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ بے چین سی ہو گئی، دفتر سے آنے کے بعد ظہیر احمد کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ شائستہ سے باتیں کر رہے تھے جب اسی دوران انہوں نے پوچھا، حالانکہ جب سے اس نے ان کی باتیں سنی تھیں، وہ خود کو سمجھانے میں لگی ہوئی تھی، شہریار کے خیال کو بار بار جھٹکنے کی کوشش کرتی تھی، وہ جانتی تھی کہ شائستہ کی مرضی کے مطابق ہی سب ہوگا لیکن دل میں شہریار سے وابستہ ایک موہوم سی امید بھی تھی کہ شاید اس کا فیصلہ ان سے مختلف ہو، اب بھی اس کا ذکر آتے ہی وہ جیسے خود پر سے اختیار کھونے لگی تھی، ساعتیں بے چین سی ہو گئی تھیں، پل بھر میں ہی دل خوش فہم ہونے لگا تھا۔

''جی...... بھائی جان میں نے پوچھ لیا ہے اس سے، اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

چھن سے اندر کچھ ٹوٹا تھا اور آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں، شائستہ کے جواب نے اس کے سارے خوابوں کو توڑ دیا تھا، جب شہریار کی ہی مرضی اور تھی تو وہ اس پر بھلا کیا استحقاق رکھتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، ابھی تو سعید اپنے گاؤں گیا ہوا ہے، کل یا پرسوں تک واپس آئے گا یا ہو سکتا ہے ان کے زیادہ دن لگ جائیں تو جب وہ واپس آئیں تو انہیں اپنی طرف مدعو کر لیتے ہیں۔''

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن میرے خیال میں ان کے آنے کا انتظار کرنے کی بجائے آپ فون پر بات کر کے انہیں اپنی رضامندی سے تو آگاہ کر دیں، کیا پتہ ان کو وہاں کتنے دن لگ جائیں، پہلے ہی اتنے دن ہو گئے ہیں وہ کہیں یہ نا سمجھیں کہ ہم یہ رشتہ کرنا ہی نہیں چاہ رہے، میں تو کہتی ہوں جتنی جلدی ہو انہیں اپنی رائے سے آگاہ کر دیں، رشتہ اچھا ہے، دیکھے بھالے لوگ ہیں، اچھے رشتے پر ہاں کہنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

''کہہ تو تم بالکل صحیح رہی ہو۔'' انہوں نے

تائیدی انداز میں سر ہلایا، شائستہ کی بات ان کے دل کو لگی تھی۔
''ابھی تو میں دفتر کے ایک کولیگ کے ساتھ کام سے جا رہا ہوں، رات کو آؤں گا تو تسلی سے فون پر بات کر لیں گے، تمہیں بھی بلا لوں گا تم ساجدہ بھابھی سے بات کر لینا، تم ذرا طریقے اور سمجھداری سے بات کر لوگی۔''
''جی بھائی جان! جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' شائستہ نے لہجے میں حلاوت بھرتے ہوئے سامنے کچن میں کام کرتی زہرہ پر ایک تفاخرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
زہرہ حسب معمول خاموشی سے اپنے روز مرہ کے کام نمٹا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ ان کی باتیں بھی سن رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔
''ہاں! صحیح کہہ رہے ہو ظہیر احمد! کسی سے بات کرنے کا سلیقہ تو تمہاری بہن کو ہے میں تو صرف گھر داری ہی کر سکتی ہوں۔'' اور اپنے کمرے میں بیٹھی حبہ کے وجود میں جیسے تھکن سی اتر آئی تھی، وہ شہریار کی بولتی آنکھوں اور ان سے عیاں ہوتے جذبوں کو جھٹلا نہیں پا رہی تھی۔
''تو تم مجھے بیوقوف بنا رہے تھے، شاید اپنی طرف تمہارے رجحان کو میں محبت سمجھ بیٹھی تھی لیکن وہ صرف تمہاری ہمدردی تھی یا پھر وقت گزاری، شادی کے لئے تم نے عقلمند ماں کی عقلمند بیٹی کا ہی انتخاب کیا۔'' تلخی سے سوچتے ہوئے وہ شہریار سے بری طرح بدگمان ہو رہی تھی، اسے بے اختیار رونا آ گیا تو اس نے گھٹنوں میں سر چھپا کر کب سے پلکوں پر چمکتے آنسوؤں کو بہہ جانے کا رستہ دے دیا۔

☆☆☆

شہریار جب گھر آیا تو زہرہ رات کا کھانا بنا رہی تھیں، وہ انہیں دیکھتا ہوا سیدھا کچن میں ہی چلا آیا۔
''السلام علیکم چچی جان!'' اس نے بشاشت بھرے لہجے میں انہیں سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!'' انہوں نے پلٹ کر محبت سے اسے دیکھا۔
''آج پچھلے دنوں کی نسبت جلدی آ گئے، چلو اچھا ہے آج کھانا گھر پر کھا لینا، بس سالن تو بن گیا ہے میں ابھی روٹی پکانے لگی ہوں۔''
''نہیں، کھانا تو دوپہر کی بجائے شام میں ہی کھایا ہے، ابھی بالکل بھوک نہیں ہے، بس چائے بنا دیں، شکر ہے تقریباً سارا ضروری کام مکمل ہو گیا ہے، کل سے انشاء اللہ وقت پر گھر آؤں گا۔'' وہ ان سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ واٹر کولر سے گلاس میں پانی ڈال کر وہیں ان کے پاس اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔
''آج حبہ آپ کے ساتھ کچن میں نظر نہیں آ رہی اور باقی سب کدھر ہیں؟''
''علی اور مریم تو اوپر ٹی وی پر کوئی ایوارڈ شو دیکھ رہے ہیں، شائستہ تمہارے چاچو کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں اور حبہ میرے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی، میں نے زبردستی آرام کرنے بھیجا ہے، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' ان کے لہجے میں اس کے لئے فکرمندی چھلک رہی تھی۔
''کیوں، اسے کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے نا؟'' وہ بھی فکرمند سا ہو گیا۔
پچھلے دو ہفتوں سے وہ اتنا مصروف تھا کہ گھر میں کسی سے ڈھنگ سے بات بھی نہ کر پایا تھا، اسے کمپنی کی طرف سے پراجیکٹ ملا تھا، نئی نئی نوکری تھی اس لئے وہ بھی دلجمعی سے کام کر رہا تھا، دن اتنے مصروف گزرے تھے کہ فارغ ہوتے ہوتے اسے رات ہو جاتی، دوپہر اور رات کا کھانا بھی دفتر میں ہی کھا لیتا اور جب گھر آتا تو

اتنا تھکا ہوا ہوتا کہ آتے ہی سو جاتا، تین دن پہلے اس نے حبہ کو دیکھا تھا وہ اسے کافی پریشان اور الجھی الجھی لگی تھی لیکن تب وہ جلدی میں تھا اور بعد میں مصروفیات میں الجھ کر یکسر بھول گیا تھا کہ اس سے کچھ پوچھتا۔

''ہاں بیٹا سب خیریت ہی ہے، بس اسے بخار ہو گیا تھا، میں نے دوائی دے دی ہے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''اوہ بخار کیوں چڑھا لیا اس نے؟ آپ اسے سمجھایا کریں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کرے اور زیادہ سوچا بھی نہ کرے، ایسے مزید ٹینشن ہی بڑھتی ہے۔''

''مجھے بخار ہو یا میں ٹھیک ہوں، آپ کو اس سے کیا مطلب؟ میری مرضی میں کسی بات کو سوچوں یا نہ سوچوں، میری فکر کرنے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں، آپ اپنی خوشیاں منائیں، آپ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ جو زہرہ سے باتوں میں مصروف تھا حبہ کی تیز اور بھرائی ہوئی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگا اور چولہے پر چائے کے لئے دودھ رکھتی زہرہ بوکھلا کر اس کی طرف پلٹیں۔

''حبہ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔'' ان کے ٹوکنے پر وہ خود کو نارمل کرنے لگی۔

وہ پانی لینے آئی تھی جب شہریار کو اپنے بارے میں باتیں کرتے سنا جو اسے سخت تاؤ دلا گیا، اس کے خیال میں جب وہ مریم کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر چکا ہے اور رضا مندی بھی دے چکا ہے تو پھر اسے اب اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کے معمولات میں دلچسپی لینی چاہیے، وہ حیرت سے اسے دیکھتا اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

رویا رویا متورم چہرہ بخار کی حدت سے اور بھی سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے جن پر رتجگوں کا گمان ہو رہا تھا، یا شاید واقعی بخار کی حدت نے ان میں لالی بھر دی تھی۔

''کیا بات ہے؟ ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا نرم لہجے میں بولا۔

اس کے لہجے کی نرماہٹ اور چہرے کے فکر انگیز تاثرات جیسے اسے پگھلانے لگے لیکن اگلے ہی پل اس نے خود پر قابو پا لیا اور عام سے لہجے میں بولی۔

''نہیں میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی، میں نے تو ویسے ہی ایک بات کی ہے۔'' وہ مدہم آواز میں کہتی اس کے پاس سے گزر کر گلاس میں پانی انڈیل کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ کچھ پل پر سوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا، پھر سر جھٹک کر اس نے زہرہ کو مخاطب کیا۔

''حبہ کو کیا پریشانی ہے چچی جان، پلیز مجھے بتائیں ٹالیے گا نہیں۔'' اس کے پوچھنے پر وہ کچھ دیر خاموش رہیں اور بلا مقصد ہی چائے کی آنچ ہلکی کرنے لگیں۔

''میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولا، وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ اسے کیا روگ اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔

''کچھ خاص نہیں، بس اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے شاید اس لئے پریشان ہو گئی ہے، اکثر لڑکیوں کو پریشانی ہو جاتی ہے، نئے ماحول، نئے گھر کے بارے میں سوچ کر اور اپنا گھر چھوڑنے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے ورنہ اور تو کوئی خاص بات نہیں، تم فکر نہ کرو۔'' وہ وضاحتی انداز میں بتانے لگیں جبکہ وہ تو

ان کی بات پر حیرانگی میں گھر ارہ گیا۔
''کک...... کیا مطلب؟ حبہ کی کہاں بات چل رہی ہے، مم...... میرا مطلب ہے، کون سا رشتہ؟'' وہ حیران پریشان ہوتا بے ربط بول رہا تھا، زہرہ نے ایک نظر اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
''کیا ہوا؟ یہ سن کر تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو؟'' وہ حیرت میں گھریں اس کے چہرے کے مبہم تاثرات دیکھنے لگیں۔
''نہیں، کچھ نہیں، اصل میں مجھے اس بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں تھا اس لئے حیرت ہوئی سن کر۔''
''ہاں تم مصروف بھی تو بہت رہے ہو، تمہارے چاچو کے دوست ہیں نا سعید زمان صاحب، وہ ہماری طرف رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں، اچھے جاننے والے لوگ ہیں تو تمہارے چاچو نے سوچا کہ مریم سے تو تمہاری بات پکی ہے اس لئے حبہ کا ان کے ہاں کر دیتے ہیں اور شائستہ کو اسی سلسلے میں انہوں نے اپنے کمرے میں بلایا ہوا ہے تا کہ فی الحال فون کر کے سعید صاحب کو اپنی رضا مندی دے دیں پھر کسی دن انہیں اپنے گھر مدعو کر لیں گے۔'' انہوں نے چائے کا کپ اسے پکڑاتے ہوئے ساتھ ساتھ تفصیل سے آگاہ کیا اور وہ بے دلی سے چائے کا کپ تھامتا کچھ لمحے خاموش سا ہو گیا۔
''کیا ضروری ہے کہ میری مریم کے ساتھ ہی شادی ہو، کیا میں آپ کو حبہ کے قابل نہیں لگتا۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولا تو زہرہ نے الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھا۔
''یہ سب تمہاری خواہش پر ہی تو ہو رہا ہے تو پھر تم اب ایسا کیوں کر رہے ہو۔'' وہ حیرانگی سے بولیں۔

وہ دوبارہ اسٹول پر بیٹھ کر چائے پینے لگا تھا، ان کی بات سن کر وہ یوں اچھلا جیسے کوئی کرنٹ لگ گیا ہو، گرم گرم چائے نے ہونٹوں کو جلانے کے ساتھ ساتھ کپ سے چھلکنے کا کام بھی کیا تھا۔
''کک...... کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں نے کب مریم سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔'' وہ اٹھ کر چائے سلیب پر رکھ کر تیز لہجے میں ان سے استفسار کرنے لگا، وہ اس کی پل پل بدلتی کیفیت سے الجھی جا رہی تھیں۔
''مگر شائستہ تو کہہ رہی تھی کہ اس نے تم سے مریم کے بارے میں پوچھا ہے اور تم نے رضا مندی دی ہے۔'' بالآخر شائستہ نے اپنی الجھن بیان کی۔
چند ثانیے لگے تھے اسے زہرہ کی بات سمجھنے میں اور جیسے الجھے ریشم کی ساری گتھیاں پل بھر میں سلجھ گئیں، زہرہ کی بات سن کر وہ اس سوچ میں تھا کہ شاید ظہیر چاچو کی یہ خواہش ہے لیکن اب اسے شائستہ کی چال سمجھ میں آئی تھی۔
''تو پھپھو آپ مجھے بھی اپنی چالبازیوں کا نشانہ بنانا چاہتی ہیں، آپ سمجھتی ہیں کہ اس گھر میں رہنے والے ہر فرد کی زندگی پر صرف آپ کا اختیار ہے۔'' وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے مٹھیاں بھینچتے ہوئے دل ہی دل میں ان سے مخاطب ہوا۔
''میں چاچو کے کمرے میں جا رہا ہوں اور آپ بھی ادھر آ ئیں۔'' وہ زہرہ سے کہتا لاؤنج کی طرف بڑھنے لگا۔
''لیکن پہلے چائے تو پی لو اور میں کیسے آ سکتی ہوں میں نے تو ابھی روٹی بنانی ہے۔''
''مجھے چائے پینا بہت پسند ہے لیکن اتنا نہیں کہ میں اسے اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے

پر فوقیت دوں اور رہی بات آپ کی تو آپ کو میں یہی کہوں گا کہ لوگوں کو وقت پر کھانا دینے اور ان کی خدمتیں کرنے کے علاوہ بھی زندگی میں اور بہت سے ضروری کام ہوتے ہیں جنہیں وقت پر کرنا ہوتا ہے ورنہ وقت گزر جاتا ہے اور پچھتاوے رہ جاتے ہیں اور مجھے کسی پچھتاوے کا حصہ نہیں بننا، اس لئے اب آپ چپ کر کے میرے ساتھ چلیں۔'' وہ انہیں بازو سے تھام کر ظہیر احمد کے کمرے کی طرف بڑھا اور وہ کچھ سمجھنے اور نہ سمجھنے والی کیفیت میں گری خاموشی سے چاروناچار اس کے ساتھ چل پڑیں۔

☆☆☆

شہریار جب ظہیر احمد کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ سعید زمان کا موبائل نمبر ملا رہے تھے اور شائستہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے چاچو۔'' اس نے داخل ہوتے ہی نپے تلے انداز میں انہیں مخاطب کیا تو شائستہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا، انہیں اس کا لہجہ اور تاثرات غیر معمولی سے لگے۔

اس کی بات سن کر وہ فون کرنے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ہاں بیٹا آؤ بیٹھو، بالکل جو بات کرنی ہے کرو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنی ٹانگیں سمیٹ کر اس کے لئے اپنے پاس جگہ بنائی۔

''چچی جان! آپ بھی آئیں، آپ کا ہونا تو سب سے ضروری ہے۔'' اس نے ایک تند نظر شائستہ پر ڈالی اور ایک نظر دروازے کے باہر تذبذب کے عالم میں کھڑی زہرہ پر ڈالی تو شائستہ اور ظہیر احمد دونوں نے چونک کر اس کے تعاقب میں زہرہ کی سمت دیکھا، وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے خاموشی سے شائستہ کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئیں، وہ دل ہی دل میں مسلسل اسی سوچ میں تھیں کہ جانے شہریار کے سامنے انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے جو اس کا ردعمل اتنا شدید ہو گیا اور اب وہ اس بات سے خائف ہو رہی تھیں کہ کسی بات پر وہ ہی قصوروار نہ گردانی جائیں، وہ ان تینوں پر ایک خاموش نظر ڈال کر ظہیر احمد کے پاس بیڈ کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا۔

''ہاں اب بتاؤ، کیا بات کرنی ہے؟'' انہوں نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کے سامنے کافی عرصے سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کرنا چاہتا تھا لیکن میں مناسب وقت کے انتظار میں تھا، اب میری پڑھائی مکمل ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی نوکری بھی مل گئی ہے تو میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکوں۔'' وہ اپنی بات میں توقف کرتے ہوئے کچھ پل کے لئے رکا اور پھر ان سے مخاطب ہوا۔

''چاچو! میں زندگی کے سفر میں حبہ کا ساتھ چاہتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھے اس قابل سمجھیں گے۔'' اس نے بغیر وقت ضائع کیے سیدھے سبھاؤ سے ٹھہر ٹھہر کر متانت سے اپنی بات مکمل کی، اس کی بات کے ردعمل کے طور پر یکدم جیسے خاموشی سی چھا گئی تھی، ہر کسی کے چہرے پر اپنی اپنی سوچ کے تاثرات رقم تھے، شائستہ کے چہرے پر برہمی اور تناؤ کی کیفیت تھی، ان کا بنا بنایا کھیل جو خراب ہو گیا تھا، انہوں نے تو اپنے تئیں یہ فرض کر لیا تھا کہ حبہ کا رشتہ ہو جائے گا تو خود بخود شہریار کے ساتھ مریم کا رشتہ ہو جائے گا لیکن

یہاں تو بات بننے سے پہلے ہی بگڑ گئی تھی، جبکہ زہرہ تو حیرانگی میں گھریں ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھیں اور یہی حال ظہیر احمد کا تھا۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا چاچو! کیا آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے؟'' ان کے درمیان در آنے والی خاموشی کو شہریار کی آواز نے توڑا تو وہ سر جھٹک کر اپنی حیرت سے بھرپور کیفیت کو اندر ہی اندر دباتے بولے۔

''نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں ہے یہ تو میری بیٹی کی خوش قسمتی ہے لیکن شائستہ نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم مریم سے شادی کے خواہش مند ہو اس لئے تمہاری بات پر مجھے حیرت ہوئی۔'' انہوں نے بالآخر دل میں چھپی الجھن بیان کر ہی دی، شائستہ ان کی خود پر گڑی استفسار کرتی نظروں سے پہلو پر پہلو بدل رہی تھیں، ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا، شرمندگی اور خجالت کے تاثرات صاف ان کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

ان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طنزیہ مسکراہٹ نے شہریار کے لبوں کو چھوا تھا، دل چاہا انہیں بے نقط سنائے اور ان کے چہرے کے سارے نقاب اتار دے لیکن وہ انہیں برا بھلا کہہ کر کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہ رہا تھا، وہ ظہیر احمد کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ان پر اعتماد کرتے ہیں، اتنی جلدی شاید ان کی شخصیت میں چھپے منفی پہلو کو تسلیم نہ کر سکیں، اس لئے اس نے ٹھنڈے دماغ سے سوچتے ہوئے بغیر جوش میں آئے اسی طریقے سے ظہیر احمد کے سامنے اپنی بات پہنچائی تھی جیسے وہ بغیر بری بنے اور کسی لڑائی جھگڑے میں پڑے اپنی من مانی کرتی آئی تھیں، اس لئے وہ رسان سے ان سے بات کر رہا تھا۔

''مگر میں نے تو اس بارے میں پھپھو سے کوئی بات کی ہی نہیں،

شاید پھپھو کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو یا شاید یہ ان کی اپنی خواہش ہو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا، میرے لئے مریم بھی بہت قابل احترام ہے لیکن میں نے کبھی اس کے بارے میں اس زاویے سے نہیں سوچا اور سب سے اہم بات جو میں کہنا چاہتا ہوں، پلیز پھپھو آپ میری بات کو غلط زاویے سے مت دیکھئے گا، میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دے رہا بس صرف اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے شائستہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''اصل میں چاچو میں جب سے شادی اس لئے کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں زہرہ چچی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں بچپن سے ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوں، ان کی پرخلوص شخصیت اور سادگی کی میرے دل میں بہت عزت ہے، میں نے بہت کم عمری میں اپنی ماں کو کھو دیا اور میں نے اپنی ماں کے روپ میں ہمیشہ انہیں ہی دیکھا ہے، انہوں نے مجھے اتنا پیار دیا کہ شاید میری اپنی سگی ماں بھی نہ مجھے دے سکتیں، اس لئے میرے لئے یہ خوش قسمتی کی اور اعزاز کی بات ہوگی کہ آپ مجھے بطور داماد چن لیں۔'' اپنی بات کے اختتام پر اس نے عقیدت بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

زہرہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھیں، وہ جو ساری عمر خود کو کمتر سمجھتی رہیں، اپنا وجود انہیں دوسروں کے سامنے ارزاں لگتا، اس پل اس کے چند الفاظ انہیں کتنا معتبر کر گئے تھے انہیں ایسے لگا جیسے تمام عمر کی ریاضت کا صلہ مل گیا ہو، انہوں نے اگر خلوص دل سے اس کے لئے اپنی ممتا بھری بانہیں وا کی تھیں تو اس نے بھی انہیں کتنی عزت بخشی تھی۔

دوسری طرف شائستہ کی تو حالت دیدنی تھی، ان کے اپنے بھتیجے نے ان پر اس عورت کو فوقیت دی تھی جسے وہ کسی خاطر میں لاتی ہی نہ تھیں، کچھ پل کی خاموشی کے بعد ظہیر احمد گویا ہوئے۔

''ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری خوشی، مجھے اور کیا چاہیے حبہ کا نصیب اللہ نے تمہارے ساتھ لکھا ہے یہ اس کی خوش قسمتی ہے، انشاء اللہ ہماری مریم بیٹی کے نصیب میں بھی بہت اچھا ہو گا اور......''

''اگر اسے مریم کے ساتھ شادی پر اعتراض ہے تو پھر حبہ کے ساتھ بھی اس کی شادی نہیں ہو گی، اگر اسے بڑوں کے فیصلے پر اعتراض ہے تو ہمیں بھی اس کے فیصلے پر اعتراض ہے، غضب خدا کا، میری بیٹی پر اس معمولی لڑکی کو اہمیت دے رہے ہو، ہے کیا اس میں، سرے سے کوئی قابلیت ہی نہیں اور اس بیوقوف عورت کو اتنا سر پر کیوں چڑھا رہے ہو۔'' ظہیر احمد کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی جب غصے سے بے قابو ہوئی شائستہ نے تہذیب و شائستگی کا چولا اپنے اوپر سے اتارا اور اپنا اندر سب کے سامنے ظاہر کر دیا۔

ظہیر احمد خاموشی سے ساکت نظروں سے انہیں دیکھتے رہ گئے تھے، انہیں حقیقتاً ان کی سوچ پر افسوس ہوا تھا، بیوی کے ساتھ ان کا رویہ جیسا بھی تھا لیکن حبہ ان کی بیٹی تھی اور انہیں بے حد عزیز تھی، اس کے بارے میں ان کے ہتک آمیز الفاظ نے انہیں ٹھیس پہنچائی تھی، ان کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے شہر یار کا دل چاہا کہ وہ ان سے کہے۔

''دیکھا اپنی بہن کا ظرف، یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا ہی اتنا ظرف ہے جو دوسروں کے بچوں کو بھی اپنے بچوں جیسا سمجھتے ہیں، لیکن اتنا حوصلہ ہر کسی میں نہیں ہوتا، خاص طور پر آپ کی بہن میں تو نہیں جسے آپ نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے۔'' لیکن اب اسے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ خود ہی بے نقاب ہو چکی تھیں۔

''بس کرو شائستہ، خاموش ہو جاؤ اور میری بات سنو۔'' انہوں نے گلہ کھنکارتے ہوئے ان سے کہا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر خاموش سی ہو گئیں۔

''مجھے شہر یار کی بات پر کوئی اعتراض نہیں، جب اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اسے مریم سے شادی نہیں کرنی تو میں اس پر کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا، اس لئے میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ شہر یار کی رائے معلوم کرو، میں نے اگر اس کی پرورش کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس پر اپنی مرضی مسلط کروں اور نہ ہی تمہیں یہ حق ہے، ہمارا بھتیجا ہمارے پاس مرحوم بھائی کی نشانی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں اس پر کوئی زور زبردستی کرے روز محشر اپنے بھائی کے سامنے کسی قسم کی شرمندگی اٹھاؤں، اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دو، میرے لئے میری دونوں بیٹیاں برابر ہیں لیکن بات شہر یار کی مرضی کی ہے۔'' پہلی دفعہ انہوں نے ان کی کسی بات کی نفی کی تھی، وہ بل کھا کر رہ گئی تھیں، ان کی پھیکی پڑتی رنگت کو دیکھتے ہوئے شہر یار اندر تک خوش ہو گیا تھا، وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

''اور جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دونوں بچیوں کے بارے میں سعید زمان نے کہا تھا کہ ہم جس کا چاہے ان کے ہاں رشتہ کر دیں، اچھا ہی ہوا کہ ہم نے ان کے سامنے ابھی کسی کا نام نہیں لیا، مریم تمہاری بیٹی ہے اس لئے فیصلے کا اختیار بھی تمہیں ہی ہے، رشتہ بہت اچھا ہے لیکن

میری طرف سے کوئی زور زبردستی نہیں ہے، اگر تمہارا دل مانتا ہے، تمہاری مرضی ہے تو بتا دو، میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔" انہوں نے بات کے اختتام پر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

دل میں اٹھتی غم و غصے کی شدید لہر سے انہیں اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، ایک دم سے ان کے سامنے بازی پلٹی تھی، وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھیں، وہ تیزی سے اٹھیں۔

"ابھی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں بعد میں سوچ کر بتاؤں گی اور ویسے بھی آپ اپنی بیٹی کی خوشیاں منائیں میری بیٹی کا اللہ وارث ہے۔" وہ تیز لہجے میں کہتی دروازہ کھول کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں، جاتے جاتے بھی وہ اچھی خاصی تلخ بات کہہ گئی تھیں، وہ کف افسوس ملتے انہیں دیکھتے رہ گئے تھے۔

وہ چہرے پڑھنے میں اگر مہارت نہیں رکھتے تھے تو کم از کم اتنے انجان بھی نہ تھے کہ سمجھ نہ پاتے کہ ان کی بہن جسے انہوں نے اتنے پیار سے اپنے گھر میں جگہ دی، ہر ممکن پذیرائی کی، اپنے بیوی بچوں کو پیچھے کر کے ان کو اہمیت دی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی اس گھر میں کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن جب تک ان کی مرضی کے مطابق ہوتا رہا وہ خوش رہیں اور جیسے ہی ان کی مرضی کے خلاف بات ہوئی تو انہوں نے پل بھر میں ان کی محبت پر پانی پھیر دیا، ان سے ان کی بیٹی کی خوشی برداشت ہی نہیں ہو رہی تھی، حقائق نے سوچوں کے در پر دستک دی تو وہ جیسے خود سے ہی شرمندہ ہو گئے۔

زندگی میں ہر رشتے کی اپنی اپنی اہمیت ہوتی ہے، اس لئے ہر رشتے میں توازن ضروری ہے، تاکہ کسی بھی رشتے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر آپ اس کے ہاتھوں دکھ نہ اٹھا سکیں اور نہ ہی کسی رشتے کی حق تلفی کر کے اس کے مجرم بن سکیں اور یہ بات یقیناً انہیں آج سمجھ آ رہی تھی۔

شہریار نے انہیں خاموشی سے بیٹھے سوچوں میں الجھتے دیکھا تو آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اسے جاتا دیکھ کر وہ جیسے کسی خیال سے چونکے اور زہرہ کو پکارا۔

"میں نے شام میں ہی کھانا کھایا تھا، اس لئے ابھی بھوک نہیں ہے، میں آرام کرنے لگا ہوں، دروازہ بند کر دینا اور کوشش کرنا کہ کوئی اس طرف زیادہ شور نہ کرے، تمہیں تو پتہ ہے ایک دفعہ میری آنکھ کھل جائے تو پھر مجھے نیند نہیں آتی۔" وہ کروٹ بدلتے ہوئے لیٹ کر بولے۔

"جی اچھا۔" وہ دروازے کی سمت بڑھیں۔

"اگر آپ واقعی بہن کی حقیقت سے کچھ نہ کچھ واقف ہو گئے ہیں تو یقیناً اگر کوئی آہٹ نہ بھی ہو تو آج آپ کو اتنی جلدی نیند نہیں آئے گی۔" وہ دروازہ بند کرتی دل ہی دل میں سوچتی آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں غصے سے چکر لگاتی شائستہ کے غصے کی شدت سے نقوش تنے ہوئے تھے اور بے حد عجیب ہو رہے تھے۔

"شکر ہے میں نے ابھی مریم کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا ورنہ خواہ مخواہ میں ہی اس کا ذہن اس رشتے کی طرف بن جاتا تھا۔" وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں، تب ہی انہوں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے شہریار کو ظہیر احمد کے کمرے سے نکل کر اوپر جاتے دیکھا پھر اس کے پیچھے زہرہ دروازہ بند کر کے آئیں اور حبہ کے کمرے کی

طرف بڑھ گئیں۔
''اس کا مطلب ہے بھائی جان اب آرام کریں گے، ان ماں بیٹی کو تو میں ذرا سیدھا کر کے آئی ہوں، آج تک کبھی دو بدو لڑائی نہیں ہوئی تو یہ سمجھتی ہیں کہ میرے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔'' وہ اشتعال آمیز کیفیت میں گریں ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔
حالانکہ وہ یہ نہیں سوچ رہی تھیں کہ ان کی لڑائیاں اس لئے نہیں ہوتی تھیں کیونکہ زہرہ ان کے سامنے چپ کر جاتی تھیں۔
''سمجھتی کیا ہے تم دونوں ماں بیٹی خود کو۔'' زہرہ جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں، اپنے پیچھے شائستہ کی آواز سن کر بوکھلا کر پلٹیں اور حبہ جو آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی اور ساری بات سے انجان تھی، بازو ہٹا کر حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
''بیٹھو شائستہ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' زہرہ تحمل سے بولیں تو وہ مزید بھڑک اٹھیں۔
''کیوں بیٹھو، کس خوشی میں بیٹھو، میرا بھتیجا چھین لیا تم نے، اس خوشی میں شادیانے بجھاؤں، بس کرو یہ ڈرامے بازیاں بند کرو۔'' وہ چیخ کر بولیں۔
''اور تم اب کون سا سوگ منا رہی ہو؟ جس غم میں اداس بن کر لیٹی ہوئی ہو وہ غم تو تمہارا اب ختم ہو گیا ہے، اوپر سے معصوم بنتی ہو اور اندر ہی اندر شہریار کو پھانس رہی تھی، ساری حقیقت جانتی ہوں میں تمہاری، چلتر زمانے بھر کی۔'' اب ان کی توپوں کا رخ حبہ کی طرف تھا، وہ تو ان کی شعلے اگلتی زبان سے حیرت کے جھٹکے کھاتی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
''میں نے کیا کیا ہے پھپھو؟'' اس کی کمزور سی آواز ابھری۔
''اچھا! تم نے ابھی کچھ نہیں کیا، زیادہ معصوم بننے کی کوشش مت کرو، تم دونوں ماں بیٹیوں نے اسی طرح مسکین بن بن کر شہریار کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور ایک میری بیٹی ہے حد درجہ لاپرواہ، معصوم، ہر طرح سے تم سے برتر پھر بھی اس کے دل کو نہ بھا سکی اور تم چڑیل رونی صورت پتہ نہیں کیا جادو کیا ہے اس پر، اوپر سے یہ دو ٹکے کی عورت زہرہ دنیا کی بیوقوف ترین عورت، وہ کیسے اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔'' خود کو برتر اور عقلمند سمجھتی وہ عورت اس وقت اپنی زبان کے ہاتھوں مجبور تیز تیز بلند آواز میں بولتی جہالت کی انتہاؤں کو چھو رہی تھی اور وہ تو استعجاب میں گری ان کے لفظوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں مزید الجھ رہی تھی۔
''مجھ سے بات کریں پھپھو، میں آپ کی ساری باتوں کا جواب دوں گا۔'' ابھی وہ شاید مزید اور بھی زہر اگلتیں جب انہیں اپنے عقب سے شہریار کی آواز آئی۔
اپنے کمرے میں جا کر اسے یکدم یاد آیا تھا کہ وہ تو اپنی چائے درمیان میں ہی چھوڑ آیا تھا چنانچہ اسی غرض سے وہ نیچے والے پورشن میں آ رہا تھا جب سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کے کانوں سے شائستہ کی آواز ٹکرائی، کچھ دیر خاموشی سے وہ وہیں کھڑا ان کی باتیں سنتا رہا لیکن پھر اس سے مزید رہا نہیں گیا تو وہ اسی سمت بڑھ گیا۔
''میری ایک بات یاد رکھیے گا پھپھو، اگر آپ تماشا کر سکتی ہیں تو یہ کام ہر کوئی کر سکتا ہے، اگر میں چاہوں تو کھڑے کھڑے اس گھر میں آپ سے بھی بڑا تماشا لگا سکتا ہوں لیکن میں ایسا کروں گا نہیں کیونکہ مجھے اپنی ذات کی خامیاں چھپانے کے لئے چیخ چیخ کر خود کو صحیح یا مظلوم ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور صرف میں ہی کیوں اس گھر کے کسی فرد کو ایسی ضرورت درپیش نہیں۔'' وہ بولتا بولتا بالکل ان کے مقابل آ

کھڑا ہو گیا اور حبہ تو شائستہ کی باتیں بھول کر اب حیرانی سے اسے دیکھے جا رہی تھی، اس کا ایسا روپ وہ پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی، جبکہ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''آپ ذرا غور کریں، اس طرح چیخنے چلانے سے زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا، یہی نا کہ اب مجھے پتہ چلا ہے پھر مریم اور چاچو کو بھی پتہ چل جائے گا اور جس طرح کی زبان آپ استعمال کر رہی ہیں نا آپ ہی ان کی نظروں میں گر جائیں گی جیسے کہ میری نظروں میں......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا، اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے جنہیں محسوس کرتے ہوئے شائستہ پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔

''اور اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں بقول آپ کے اس بیوقوف ترین عورت کی تعریفوں کے پل کیوں باندھ رہا تھا۔'' وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''زندگی میں ہر انسان کی ترجیحات، سوچ اور خیالات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ہو سکتا ہے جو آپ کی سوچ ہو، وہ میری سوچ نہ ہو، آپ شروع سے خود کو بہت سمجھدار سمجھتی رہی ہیں اور اس بات پر ہمیشہ ڈٹی رہیں اس لئے کہ آپ کو آگے سے بھی یہی باور کرا دیا گیا، جو بھی ہے لیکن میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں زہرہ چچی کو آپ سے زیادہ معاملہ فہم اور عقلمند سمجھتا ہوں، انہوں نے اپنی پوری زندگی اس گھر کے لئے وقف کی جس میں ان کے شوہر نے انہیں وہ مقام نہیں دیا جس کی وہ حقدار تھیں لیکن انہوں نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سب برداشت کیا، اپنے بچوں کی خاطر اپنے من کو مارا، سمجھوتا کیا اور اس صورت میں اپنے بچوں کو باپ کے پیار سے محروم نہیں ہونے دیا، باقی معاملات میں، میں نہیں جانتا لیکن اس معاملے میں ان کا پلڑا آپ سے بھاری ہے اور میں یہ موازنہ اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ آپ ہمیشہ اپنا ان سے موازنہ کرتی رہی ہیں اور معاف کیجئے گا آپ میرے نزدیک انتہائی بیوقوف ہیں جو کہ معمولی معمولی جھگڑوں کی بناء پر اپنا گھر ہی خراب کر بیٹھیں اور اپنی بیٹی کو بھی باپ کے پیار سے محروم کر دیا، آپ نے کبھی سوچا کہ یہ آپ کا جذباتی فیصلہ تھا، اگر نہیں سوچا تو سوچیے گا ضرور کہ اگر آپ کے بھائی اور بھابھی آپ کو اپنے گھر میں جگہ نہ دیتے تو آپ کا اور مریم کا کیا مستقبل ہوتا۔'' وہ مسلسل بولتا اپنی بات کی تفصیل وضاحت کرتا ان کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔

اس کی باتوں پر زہرہ کی آنکھوں میں موتی جھلملانے لگے تھے اور حبہ تو انگشت بدنداں ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی، وہ اس کے بارے میں انجانے میں کیا کیا سوچتیں پال رہی تھی جبکہ اس نے تو شائستہ سے ان کا برسوں کا حساب کتاب مع دلائل کے چکتا کر لیا تھا، حیرت انگیز طور پر شائستہ یہ سب خاموشی سے سنے جا رہی تھیں کچھ بھی اپنے دفاع میں نہیں کہہ رہی تھیں ان کے پاس کچھ کہنے کو بچا ہی نہ تھا یا شاید انہیں شہریار سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولا۔

''مجھے افسوس ہے کہ شاید میں آپ کے سامنے کچھ زیادہ ہی بول رہا ہوں یا شاید تھوڑی بہت بدتمیزی بھی کر گیا ہوں تو میں ان کی اولاد نہیں کہ خاموش رہوں۔'' اس نے زہرہ کی طرف اشارہ کیا۔

''بلکہ آپ کا ہی بھتیجا ہوں خاموشی سے اتنا صبر نہیں کر سکتا۔'' اس کے کاٹ دار لفظوں کے جواب میں وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموشی

سے کسی کی طرف بھی دیکھے بغیر کھڑی رہیں۔
''آپ خود کو بہت فن کار سمجھتے ہوئے اور دوسروں کو بیوقوف خیال کرتے ہوئے ان کے ساتھ ڈرامے بازیاں کرتے رہو، ان کے جذبات سے کھیلتے رہو تب یکدم آپ کو آئینہ پکڑا کر اس میں آپ کی اصل صورت دکھا دی جائے اور آپ کو بتایا جائے کہ ہم تو آپ کی ہر چالاکی، دغا بازی سے واقف ہیں بس مصلحت کے تحت خاموش ہیں تو کس قدر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے اور شکست سے دوچار ہونا پڑے تو ایسے ہی شائستہ کے ساتھ ہوا تھا، اس لئے وہ جیسے چپ ہی کر گئی تھیں۔''

''اور اب آپ آخری بات آپ غور سے سنیں میں آج سب کچھ واضح کرنا چاہتا ہوں۔'' شہریار نے اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا۔
''یہ سب باتیں جو ہمارے درمیان ہوئیں ان کو یہیں ختم کر دیں، آپ اب کوئی الٹی سیدھی بات چاچو کے سامنے نہیں دوہرائیں گی تو ہم سب بھی پچھلی ساری باتیں بھلا دیں گے، بس اب اس گھر میں کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے، جتنا ہونا تھا ہو چکا اور اگر آپ پھر بھی اپنی لگائی بجھائی والی عادت سے باز نہیں آئیں تو پھر میں بھی کوئی لحاظ نہیں رکھوں گا اور یاد رکھیے گا اس گھر میں شرعی طور پر آپ کا کوئی حق نہیں کیونکہ بھائیوں کی اپنی محنت سے بنائی گئی وراثت میں بہنوں کا حق نہیں ہوتا، ہم سب دل سے آپ کی عزت کریں گے اس لئے آپ بھی دوسروں کو عزت دیں، گھر کے کسی بھی معاملے میں ضرورت سے زیادہ دخل اندازی مت کریں اور خواہ مخواہ میں خود کو کسی بھی معاملے میں نہ الجھائیں، خود بھی خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رہنے دیں، میں بچپن سے اس گھر میں ہوتی ناانصافیوں کو دیکھتا آ رہا ہوں لیکن کبھی بولا اس لئے نہیں کہ پہلے میں چھوٹا تھا اور اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ چچی جان کے دفاع میں کچھ کر سکوں لیکن اب اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں اور جن کے بل بوتے پر آپ میں اکڑ تھی ان کے سامنے اپنی اصلیت آپ نے خود ہی کھول دی ہے اور باقی میں کھول کر رکھ دوں گا، اس لئے اب آپ محتاط ہو جائیے، ہم سب مریم سے پیار کرتے ہیں وہ بھی ہم سب سے پیار کرتی ہے پلیز اس کے اور ہمارے بیچ نفرتوں کے بیج نہ بوئیں آپ کا ہی فائدہ ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی شادی کے بعد بھی ہمارے گھر کے دروازے اس کے لئے کھلے رہیں گے۔'' اپنی بات کے اختتام پر اس نے باری باری زہرہ اور شائستہ کو دیکھا تھا۔

زہرہ کے چہرے پر اطمینان تھا کیونکہ صاف دل اور اچھی نیت والے لوگ ہمیشہ مطمئن رہتے ہیں جبکہ دوسروں کو تنگ کر کے ان سے حسد کر کے کچھ لوگ خود بے چینی کو اپنی ذات کا حصہ بنا لیتے ہیں اور ایسی ہی بے چینی اس وقت شائستہ کے چہرے پر عیاں ہو رہی تھی۔
وہ خاموشی سے کمرے سے باہر کی طرف چل دی تھیں اور ان کے قدموں کی شکستگی کو شہریار نے بغور دیکھا تھا اور تاسف سے سر ہلا دیا تھا، اسے دکھ ہوا تھا کہ اس نے انہیں آج بہت کچھ سنا دیا لیکن بعض حالات میں سدھار پیدا کرنے کے لئے بعض دفعہ نہ چاہنے والے کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔
''شاید پھپھو کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔'' اس نے دل میں اچھی امید پیدا کی اور زہرہ کی طرف پلٹا۔

''مجھے آپ سے بھی گلہ ہے، خاموشی سے دوسروں کے آگے خود کو پیش کر دینا کہ وہ جتنا چاہیں آپ کا وجود ارزاں کر دیں یہ اپنے ساتھ بہت زیادتی ہے، ہماری زندگی، ہمارا وجود اتنا فالتو نہیں ہے، اس کا حق ہے ہم پر کہ ہم اس کی حفاظت کریں، میں جانتا ہوں بعض حالات میں انسان بہت مجبور ہوتا ہے لیکن پھر بھی تدبیر کر کے حالات کی سختی کو کم تو کیا جا سکتا ہے، ورنہ سادہ لوگوں کی معصومیت اور بھولپن سے لوگ ایسے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے پھپھو آپ کا استحصال کرتی رہی ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے نرمی سے ان سے مخاطب تھا۔

''تم صحیح کہہ رہے ہو بیٹا! اپنا حق لینا پڑتا ہے۔'' زہرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے اس کی تائید کی۔

''لیکن اب میں آپ کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہیں بھی۔'' اس نے انہیں کہتے ہوئے حبہ کو بھی تنبیہ کی۔

''جس ماں کا تم جیسا بیٹا ہو وہ مضبوط کیسے نہیں ہو سکتی۔'' وہ اس کے لمبے چوڑے وجود کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولیں اور خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتی حبہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

آج کا دن بھی باقی دنوں جیسا ہی تھا، دن تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں لیکن کچھ دنوں کو احساسات، جذبات اور زندگی میں اچانک رونما ہونے والے خوشگوار واقعات بہت خاص بنا جاتے ہیں اور آج کا دن ان خاص دنوں میں سے ہی ایک تھا۔

آج گھر میں کی گئی سادہ سی تقریب میں حبہ نے شہریار کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی اور ان کی منگنی کے ساتھ ہی فائق اور مریم کی بھی منگنی کی تقریب تھی اور دو مہینے کے قلیل عرصے کے وقفے سے شادی کی تاریخ بھی پکی کر دی گئی تھی، کیونکہ سعید زمان صاحب بیٹے کی شادی کر کے واپس جانا چاہ رہے تھے اور ان کی مجبوری سمجھتے ہوئے ظہیر احمد نے بھی حامی بھر لی تھی۔

تقریب ختم ہوتے ہی وہ اندر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، اچھی خاصی تھکاوٹ ہو گئی تھی، اس نے سادہ سی شلوار قمیض نکالی، ابھی کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کر وہ سکون سے بیڈ پر بیٹھی ہی تھی کہ اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی، اس نے میسج کھول کر دیکھا، شہریار کا میسج تھا۔

''یہ آج جس لڑکی سے میری منگنی ہوئی ہے، وہ اتنی خوبصورت تو نہیں جتنی تیار ہو کر لگ رہی تھی، کیا یہ سارا میک اپ کا کمال تھا یا وہ گھر میں زیادہ ہی اول جلول حلیے میں رہتی ہے، اس لئے ایویں سی لگتی ہے۔'' میسج پڑھتے ہوئے وہ بے ساختہ مسکرا دی، جانتی تھی کہ وہ اسے تنگ کر رہا ہے۔

اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی، کچھ پل سوچنے کے بعد اس نے جواباً میسج کیا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتہ کہ وہ خوبصورت ہے یا نہیں، لیکن اسے اتنا احساس ضرور ہے کہ ایویں سی لگنے والی اور اول جلول حلیے میں رہنے والی وہ لڑکی کسی کے لئے بہت خاص ہے اور یہ احساس اس کے لئے بہت قیمتی ہے جو یقیناً اس کی شخصیت کی تمام کجیاں دور کر کے اس پر اعتماد بنا دے گا۔'' میسج کرتے ہوئے ایک خوبصورت مسکان اس کے ہونٹوں کے کناروں پر ابھری اور وہ سرشاری کی کیفیت میں گری آنے والے دنوں کے خوبصورت سپنوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

بشریٰ سیال

باہر سے ایک تواتر سے لگنے والے دھکوں اور ٹانگوں کی ضربوں سے دروازے کا لاک ٹوٹ گیا تھا، دروازہ کھلتے ہی جو منظر غضنفر علی اور صوفیہ غضنفر نے دیکھا اس میں عروبہ غضنفر، عیسیٰ احمد کے بازوؤں میں تھی، صوفیہ نے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا ایک ساتھ تمام لائٹس آن ہو گئیں۔

''بے شرم، بے غیرت۔'' صوفیہ آگے بڑھیں اور عروبہ کو دبوچ لیا، عیسیٰ احمد کو ان سے اس حد تک برے رویے کی امید نہ تھی، عروبہ کی حالت تو ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس کا دل خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔

''دیکھ لیا آپ نے اس کے کرتوت، میں کہتی تھی اس کی حرکتیں ٹھیک نہیں، آپ نے میری ایک نہ مانی۔'' وہ گویا صور پھونک رہی تھیں، عروبہ آنکھیں پھاڑے حیرت کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی، ان سے ہوئیں اس کی نظریں بابار

چوتھی قسط

ناولٹ

گئی تھیں، اسے یقین تھا آج وہ ضرور بولیں گے، وہ امید و آس بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی؟'' عیسیٰ احمد آگے بڑھا، تمام مہمان وہاں اکٹھے ہو چکے تھے، خاندان بھر کے لوگ انگلیاں دانتوں میں دبائے عرد بہ غضنفر اور عیسیٰ احمد کو ایک ہی کمرے سے نکلتے دیکھ چکے تھے۔

''مجھے آپ نے ہی......''

''شٹ اپ! بند کرواپنی بکواس۔'' وہ زور سے دھاڑیں تھیں، عیسیٰ احمد شاکڈ رہ گیا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا کچھ بھی ہو سکتا ہے، ایسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا کہے، غضنفر علی پتھر کا بت بنے کھڑے وہ منظر دیکھ رہے تھے، انہیں اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا تھا، مگر سب کچھ ان کے سامنے واضح ہو چکا تھا، شک

وشبہ کی تو کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔

عروبہ غضنفر کو اس پل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ماما اس کے گلے پر الٹی چھری رکھ کر چلا رہی ہیں، گلا ہے کہ کٹنے کا نام ہی نہیں لیتا، اذیت ہے کہ تھمتی ہی نہیں، اس لمحے اس کے اندر شدید خواہش بیدار ہوئی کہ کاش وہ کسی تیز دھار خنجر کو اس کے گلے پر رکھ کر سیکنڈز میں اس کا کام تمام کر دیں۔

''انکل جو کچھ آپ نے دیکھا، ایسا...... ایسا...... کچھ نہیں ہے...... مجھے یہاں......''

''ہٹ جاؤ یہاں سے عیسیٰ احمد، میں نہیں چاہتی کہ میری بہن کی اکلوتی اولاد ماری جائے میرے شوہر کے ہاتھوں۔'' صوفیہ نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑا اور ایک سائیڈ پر دھکیل دیا۔

''عروبہ!'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''ریلیکس! کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں نا۔'' اس کے پتھر ہوتے وجود، ویران، وحشت زدہ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا تو لفظ اس کے ہونٹوں پر مچل کر رہ گئے۔

''آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں ہمارے ساتھ، کہہ دیں کہ......'' الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ نیچے سے ملازم نے اسے اس کا موبائل لا کر دیا جس پر مسلسل کال آ رہی تھی۔

''یہ صلہ دیا تم نے اپنے باپ کی محبتوں کا۔'' صوفیہ آگے بڑھی اور زناٹے دار تھپڑ عروبہ کے منہ پر مارا، وہ سیدھی باپ کے قدموں میں جا گری، وہ خاندان بھر کے لوگوں کے سامنے تماشا بن گئی تھی، اتنے بے شمار لوگوں میں کوئی ایک بھی نہ تھا جو آگے بڑھ کر صوفیہ کو اس ظلم سے روکتا، عروبہ کے سر سے اترنے والے دوپٹے کو اٹھا کر دوبارہ اس کے ننگے سر پر رکھتا۔

''برباد کر دیا تم دونوں ماں بیٹی نے اس خاندان کو، غضنفر کو اور......'' اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ غضنفر علی کے پاؤں پر رکھ دیئے تھے، صوفیہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔

''جیسی ماں ویسی بیٹی۔'' وہ درندوں کی طرح اسے مار رہی تھی، عیسیٰ احمد نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ مار کھاتی عروبہ غضنفر کو دیکھا، موبائل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔

''عروبہ!'' وہ آگے بڑھا اور اسے ان سے چھڑوانے لگا، مگر ان پر شاید کوئی خون سوار تھا، وہ تو اسے مار دینے کے درپے تھیں۔

''چھوڑیں اسے جو کہنا ہے مجھے کہیں۔'' وہ چلایا۔

''تو یہ تھی تمہاری اصلیت عروبہ!'' بہت دیر سے خاموش تماشائی بنی کھڑی فروا آگے بڑھی تھی، دکھ سے اس کا دل بھر گیا تھا، اسے عروبہ سے اس دھوکے بازی کی توقع نہ تھی، عیسیٰ احمد نے نفرت اور حقارت سے فروا کی طرف دیکھا تھا۔

''تم دونوں کے درمیان تو شروع سے یہ سب چل رہا تھا، بس میں ہی بے وقوف تھی، سمجھ نہ سکی، مگر تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا، مجھ سے جھوٹ کیوں بولا، بتاؤ۔'' وہ آگے بڑھی اور عروبہ کو شانوں سے تھام کر کھڑا کر لیا، صوفیہ نے فاتحانہ نظروں سے غضنفر کی طرف دیکھا تھا، عروبہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''تم...... تو...... ایسے...... تم...... کہو...... فر...... وا۔'' ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی تھی، اس کا دوپٹہ غضنفر احمد کے قدموں میں پڑا تھا، صوفیہ کے

تھپڑوں، گھونسوں اور مکوں کی وجہ سے اس کے بالوں میں لگا کیچر ٹوٹ کر سامنے گرا پڑا تھا، وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑی تھی۔

وہ لڑکی جس کا ایک بال بھی کبھی کسی کزن نے نہ دیکھا تھا آج اتنے لوگوں کے سامنے ننگے سر کھڑی تھی، اس کے بال دائیں بائیں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے، تھپڑ کے باعث اس کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا جس میں سے خون رس رہا تھا۔

سیڑھیاں چڑھ کر فارقلیط حسن اوپر آیا تھا اور سامنے جو منظر اس نے دیکھا وہ اسے دہلانے کو کافی تھا، وہ شاکڈ رہ گیا، لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اسے پہچان گیا تھا۔

''ماہ جبیں!'' وہ چلتا ہوا عین اس کے سامنے آ رکا تھا، وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا، اس کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی شان سے کھڑی عمارت کسی ناگہانی آفت، کسی زلزلے یا طوفان یا سیلاب سے تباہ ہو جاتی ہے اور اچانک کسی عبرتناک کھنڈر میں بدل جاتی ہے۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' صوفیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''لیں غضنفر صاحب ایک اور عاشق نکل آیا آپ کی بیٹی کا۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولیں۔

''بابا...... مم...... میں......'' اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا تھا۔

''میں نہیں جانتی انہیں...... نہ ہی...... عیسٰی میرے کہنے...... پر......'' فارقلیط حسین نے دوپٹہ اٹھا کر اس کے سر پر ڈالا۔

''جھوٹ مت بولو عروبہ، عیسٰی اور تمہارا افیئر شروع دن سے تھا۔'' غضنفر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے تھے، صوفیہ ان کے پیچھے گئی تھیں، رفتہ رفتہ سب وہاں سے چلے گئے تھے، شاہ زیب نے فارقلیط کا ہاتھ پکڑا اور اسے وہاں سے لے گیا، غضنفر علی اس کے دوپٹے کو روندتے ہوئے چلے گئے۔

''میں تم سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت، دوبارہ کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔'' فرط طیش کے عالم میں سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔

کئی ثانیے وہ وہیں کھڑی رہی تھی، اپنی بے بسی اور اکیلے پن پر اسے ٹوٹ کر رونا آیا تھا۔

''عیسٰی احمد تم بھاگ گئے، مجھے مصیبت میں گھرا چھوڑ کر فرار ہو گئے۔'' وہ کارپٹ پر بل کھا کر گری تھی، سب ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے تھے۔

اس کو ابھی تک یقین نہ آ رہا تھا کہ بابا اسے مجرم سمجھ رہے ہیں، انہوں نے آج بھی اس کے لئے ایک لفظ نہ بولا تھا، زندگی کے کسی بھی مقام پر کبھی بھی انہوں نے اس کا ساتھ نہ دیا تھا، وہ ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھی، اسے یہی ڈر اور دھچکا رہتا تھا کہ اگر کبھی اس سے کچھ غلط ہو گیا تو نا جانے بابا کیسے ری ایکٹ کریں وہ انہیں کبھی بھی دکھ دینا نہ چاہتی تھی، اس نے ہمیشہ ان کی عزت اور خوشی کا خیال رکھا تھا۔

مگر آج جو اس کے ساتھ ہوا تھا، اس کا اس نے بھی تصور بھی نہ کیا تھا، دکھ سے وہ نڈھال تھی آنسو آنکھوں میں جم گئے تھے، درد کی شدت جب حد سے بڑھی تو اس کے منہ سے چیخ نکلی۔

''اللہ!'' اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔

''ماں!'' اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

وہ جو تنکا تنکا اڑا گئیں
کوئی درد و غم کی ہوائیں تھیں
میری بندگی میں تھی کیا کمی
میرے واسطے جو خطائیں تھیں

میری زندگی میں جو دکھ لکھے
میرے مولا کیا وہ خطائیں تھیں
جنہیں آنسوؤں میں پرویا تھا
وہ میری ادھوری دعائیں تھیں
نہ میری زمین نہ میرا آسماں
تو اپنے کرم کا دکھا دے نشاں

☆☆☆

موسیٰ علی بہت پریشان تھا، اس کی ہزار خواہش، احتیاط اور کوشش کے باوجود مصعب کو فروا کی اتنی عادت ہوگئی تھی، وہ اب اس کے بغیر سوتا ہی نہ تھا، موسیٰ علی نے بہت مشکل سے اسے سلایا تھا، فروا گھر پر نہ تھی، موسیٰ کا دم کمرے میں گھٹنے لگا تھا، وہ کھڑکی میں کھڑا سامنے لان کی طرف دیکھ رہا تھا، عنیزہ کے جانے سے صرف اس کی زندگی اور دل ہی نہیں اس کا گھر بھی اجاڑ اور ویران ہوگیا تھا۔

ہر روز وہ صبح کا آغاز یہ سوچ کر کرتا تھا کہ وہ عنیزہ سے جڑی تلخ اور تکلیف دہ یادوں کو ذہن میں نہیں آنے دے گا، مگر دل کے معاملات میں دماغ کی کہاں چلتی ہے، وہ ہر روز اس ارادے میں ناکام ہو جاتا تھا۔

''موسیٰ ویسے میں سوچتی ہوں بھاگ بھاگ کر میکے جانے والی لڑکیوں کی بہت اہمیت بن جاتی ہے شوہر کی نظر میں، کاش میں بھی کچھ ٹائم کے لئے اپنے پیرنٹس کے پاس جاسکتی تاکہ تمہیں میری اہمیت کا اندازہ ہوتا۔'' وہ دونوں لان میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے سامنے چائے کے لوازمات پڑے تھے، موسیٰ علی ایک فائل دیکھنے میں محو تھا۔

''تمہیں اپنی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے، تم میرے لئے سب سے زیادہ اہم اور خاص ہو، اسی لئے میرے پاس ہو۔'' موسیٰ علی نے فائل سے نظریں ہٹا کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''مگر پھر بھی موسیٰ میں چاہتی ہوں تم مجھے مس کرو، میں تم سے دور جاؤں اور تم بے چین ہو کر مجھے بتاؤ کہ تم مجھے کتنا یاد کر رہے ہو۔'' اس کی اس انوکھی خواہش پر موسیٰ علی ہنس دیا تھا، فائل بند کر کے میز پر رکھی اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تو تم مجھے بے چین کرنا چاہتی ہو؟'' اسے تھوڑا سا آگے کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تو وہ مسکرادی۔

''جی!'' عنیزہ نے مختصر جواب دیا۔

''تمہیں مس کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ تم میرے لئے کتنی اہم ہو، تمہارا مجھ سے دور جانا ضروری نہیں ہے، تم اٹھ کر ابھی اندر چلی جاؤ، میں تمہیں کال کر کے بتا دیتا ہوں کہ میں تمہیں کتنا مس کر رہا ہوں۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے ایک غیر سنجیدہ بات کہی تھی۔

''لو ایسے کیا فائدہ۔'' عنیزہ نے برا سا منہ بنایا۔

''فائدہ ہو یا نقصان، مگر اس زندگی میں تو میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا، تمہیں ہر لمحہ ہر وقت میرے ساتھ رہنا ہے۔'' اس کو ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئے ہوئے جانے کتنا وقت گزر جاتا، مگر اس کی محویت اس وقت ٹوٹی جب گیٹ کھلا اور فروا اندر داخل ہوئی، اس کا ہاتھ منہ پر تھا، شاید وہ رو رہی تھی، تیز تیز قدم اٹھاتی وہ انیکسی کی طرف بڑھ گئی تھی، موسیٰ علی کی سوچوں کا رخ اب ایک نئی سمت سفر کرنے لگا تھا۔

''فروا ایک امیچور اور بے وقوف سی لڑکی ہے، میں کس طرح اس سے شادی کروں اور اگر

کر لوں تو کیا یہ فیصلہ صحیح رہے گا؟ کیا واقعی وہ مصعب کے لئے ایک اچھی ماں ثابت ہو گی؟''

کئی طرح کے سوالیہ نشان اس کے دماغ میں کلبلا رہے تھے، وہ عنیزہ کے بعد کسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا، نہ ہی وہ اس کی جگہ کسی اور کو دے سکتا تھا، عنیزہ کے ساتھ ہی اس کی تمام خواہشیں اور جذبے بھی دفن ہو گئے تھے، اب اس کی محبت اور توجہ کا مرکز صرف اور صرف مصعب تھا، جس کے لئے اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا، ہمیرا کی حرکت نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا، وہ جان گیا تھا کہ مصعب کے لئے اب کوئی مستقل انتظام کرنا ہو گا۔

''عنیزہ آ کر دیکھو تمہیں کتنا مس کر رہا ہوں۔''

☆☆☆

فروا نے زور سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی ہاتھ میں پکڑا پرس اس نے زور سے نیچے پھینک دیا تھا، آواز سن کر ساجدہ اٹھ گئی تھیں، فروا غیض و غضب کی حالت میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، انہوں نے حیرت سے اس کے زمین پر پڑے پرس کو اٹھا کر بیڈ پر رکھا تھا۔

''کیا ہوا ہے فروا؟'' وہ بغور اس کے بگڑے موڈ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''تم اتنی جلدی کیوں آئی اور کس کے ساتھ آئی ہو؟'' اس کی مسلسل خاموشی سے انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔

''فروا!'' انہوں نے دوبارہ پکارا، وہ آ کر ان کے سامنے خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''زندگی میں میرے ساتھ کبھی بھی اچھا نہیں کیا، ہر جگہ بس دل دکھانے کے لئے جاتی ہوں، امی لوگ بہت منافق اور دھوکے باز ہوتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ساجدہ کا دل ہول اٹھا تھا اسے روتے دیکھ کر، وہ اسے وہاں بھیجنا ہی نہیں چاہتی تھیں، مگر اس کی بہت زیادہ ضد اور گلے شکوے سن کر وہ ہار مان گئیں اور اسے وہاں جانے کی اجازت دے دی۔

''کس کی بات کر رہی ہو، کس نے دے دیا دھوکہ؟'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے۔

''عروبہ نے امی۔'' اس کی بات سے ان کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''وہ بہت جھوٹی اور مکار ہے، مجھ سے جھوٹ بولتی رہی، دھوکہ دیتی رہی، مجھے کبھی شک بھی نہ ہوا کہ اتنی معصوم شکل کے پیچھے ایسا مکروہ چہرہ ہے۔'' اس کے لہجے میں عروبہ کے لئے شدید نفرت اور حقارت تھی، ساجدہ کے ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے، شام سے ہی ان کا دل گھبرا رہا تھا، جیسے کسی انہونی کے ہونے کا اندیشہ ہو۔

''کیا کیا ہے عروبہ نے؟'' ان کا وجدان تو انہیں کب سے کہہ رہا تھا کہ کچھ غلط ہونے جا رہا ہے، مگر ایسا تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

''امی اس نے......'' فروا نے روتے ہوئے انہیں ساری بات بتائی، ساجدہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، انہیں یقین نہ آ رہا تھا کہ عروبہ کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے اور پھر یہ کہ اس پر پتھر پھینکنے والوں میں فروا بھی شامل تھی۔

''بہت غلط ہوا اس کے ساتھ اور دکھ تو اس بات کا ہے کہ ایک مجبور بے بس اور معصوم لڑکی کا ساتھ دینے کی بجائے تم نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا، مجھے افسوس ہو رہا ہے، یہ تربیت تو نہ دی تھی میں نے تمہیں فروا۔'' وہ بے چین ہو کر اٹھی تھیں اور الماری میں سے چادر نکالنے لگیں۔

''میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اگر عیسیٰ احمد مجھے نہ ملا تو کسی اور کو بھی نہیں مل سکے گا، اسے یہ

بات یادرکھنی چاہیے تھی۔'' ساجدہ چادر اوڑھ کر باہر کی جانب بڑھیں، فروا چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی، اسے امی سے اس رویے کی امید نہ تھی، انہیں وہاں نہ پا کر وہ وہاں سے اٹھی اور تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔

☆☆☆

''غضنفر سنبھالیں خود کو۔'' وہ سر جھکائے چیئر پر بیٹھے تھے، جب صوفیہ اندر داخل ہوئیں، ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے، وہ صدیوں کے بیمار اور بوڑھے لگنے لگے تھے۔

''میں تو ہمیشہ آپ کو یہی کہتی تھی کہ یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گل کھلائے گی، یہ اسی گل افزاء کی بیٹی ہے نا جو 19 سال پہلے آپ کو......''

''صوفیہ!'' وہ احتجاجاً چیخ اٹھے تھے۔

''میں اس وقت کوئی بات کہنا یا سننا نہیں چاہتا، پلیز جاتے ہوئے دروازہ اچھی طرح بند کر دینا۔'' انہوں نے تھکے اور ہارے ہوئے انداز میں چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، صوفیہ جل کر خاک ہوگئیں۔

''تو غضنفر صاحب آج بھی آپ اس عورت کے خلاف کچھ نہیں سننا چاہتے، جس کی بدولت آپ نے اتنی ذلت اور رسوائی اٹھائی اور آج اسی کی بیٹی نے اس سے بڑھ کر بدنامی آپ کی جھولی میں ڈال دی، میں خاموش نہیں رہ سکتی، آج جو کچھ پورے خاندان نے دیکھا کیا اس کے بعد ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہیں گے، کیا اس کی اس حرکت کا اثر میری بیٹیوں کی زندگی پر نہ پڑے گا؟'' وہ غضنفر علی کے رویے کو دیکھ کر پھٹ پڑیں، انہیں سخت مایوسی ہوئی تھی، عروبہ اور عیسیٰ کو جدا کرنے کا ان کا منصوبہ کامیاب رہا تھا مگر غضنفر کے دل میں گل افزاء کے لئے نفرت پیدا کرنے میں وہ ناکام رہی تھیں۔

''مجھے سزا ملی ہے، گل افزاء سے محبت کرنے کی، اس پر اعتبار کرنے کی، اس نے مجھے دھوکہ دیا، میری محبت کو ٹھکرا کر چل دی، میں بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا، مجھے آج تک یقین نہیں آیا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے اور آج اس کی بیٹی نے۔'' ان کی آواز بھاری ہوگئی، وہ لب بھینچے خاموش ہوگئے تھے، صوفیہ کے اندر تک سکون اتر گیا تھا، انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کی صدیوں کی ریاضت کام آگئی ہو، ان کو اپنی محنت اور صبر کا پھل مل گیا ہو۔

''آپ ہمت سے کام لیں، اس طرح خود کو ہلکان مت کریں، پہلے زندگی اس کی ماں کی وجہ سے خراب کی اب اس کو سر پر مت سوار کریں۔'' وہ ان کے قریب آئیں اور ہاتھ ان کے شانوں پر رکھے، لوہا گرم تھا، وہ جانتی تھیں چوٹ شدید لگے گی، انہیں بہت سارے حساب چکانے تھے، وہ آہستہ آہستہ نرم لہجے میں بولتی ہوئیں سیسہ ان کے کانوں میں انڈیلنے لگیں۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد نہایت عجلت میں وہاں سے نکلا تھا اور پریشانی اور گھبراہٹ میں اپنا موبائل اٹھانا بھی بھول گیا تھا، اس کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کرے، وہ جانتا تھا کہ اس وقت عروبہ کو اس کی ضرورت ہے، اس پر لگنے والے الزام کو وہی غلط ثابت کر سکتا تھا، وہ جانتا تھا وہ اپنے حق میں بولنے کا حوصلہ اور ہمت نہیں رکھتی، مگر اس وقت اس کا ہاسپٹل جانا بھی ضروری تھا، کیونکہ ایئر پورٹ سے آتے ہوئے راستے میں ماما کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔

وہ تیزی سے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوا، جلد ہی اسے معلوم ہوگیا کہ ماما آئی سی یو میں ہیں، اس کے دل کی حالت غیر ہونے لگی تھی،

سب کچھ ذہن سے محو ہو گیا تھا، یاد تھا تو صرف یہ کہ اس کی دنیا اس کا سب کچھ ماما اس وقت موت و حیات کی کشمکش میں، تنہا لاوارثوں کی طرح ہاسپٹل میں پڑی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''آپ میرے ساتھ آئیے جلدی۔'' وہ ڈاکٹر کی ہمراہی میں چلتا ہوا اس کے آفس میں آ گیا تھا، اسے کرسی کی طرف اشارہ کر کے وہ خود بھی بیٹھ گیا تھا، عیسیٰ احمد بے چینی و اضطراب کے عالم میں ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مریضہ کی حالت بہت سیریس ہے، ان کے دماغ میں چوٹ لگی ہے، آپریشن کرنا نہایت ضروری ہے۔''

ڈاکٹر نے واضح الفاظ میں اسے ساری صورتحال سمجھا دی تھی۔

''لیکن ایک بات ابھی کلیر کر دوں کہ آپریشن کی کامیابی کے چانس صرف تیس فیصد ہیں، ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آپریشن کامیاب ہو گا یا نہیں، لیکن یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں اگر اگلے دو گھنٹوں میں آپریشن نہ کیا تو مریضہ کا Survive کرنا Impossible ہو گا۔'' ڈاکٹر نے واضح الفاظ میں اسے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا، عیسیٰ احمد چکرا کر رہ گیا، ابھی چند گھنٹے پہلے وہ کس قدر خوش تھا، ماما پاکستان آ کر اس کا عروبہ کے ساتھ رشتہ طے کرنے والی تھیں، اسے شدت سے ان کا انتظار تھا، مگر کچھ ہی دیر میں اسے ایسے شاک ملے تھے کہ اس کا سنبھلنا مشکل ہو گیا تھا اور سب سے بڑی پریشانی کی بات اس کے لئے ماما کی حالت تھی۔

''کیا کروں؟'' وہ شش و پنج میں مبتلا تھا۔

''ڈیڈی سے پوچھوں؟'' اس کے ذہن میں خیال آیا۔

''مگر اس وقت وہ اتنی دور ہیں، اکیلے پریشان ہوتے رہیں گے، انہیں بتانا مناسب نہیں۔'' اور پھر اس نے فیصلہ کر لیا، وہ سمجھ گیا تھا کہ وقت زیادہ نہیں ہے اس کے پاس، اس نے ڈاکٹرز کو آپریشن کی اجازت دے دی اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

فروا کی زبانی سب کچھ سن کر ساجدہ پر تو جیسے قیامت بیت گئی تھی، یہ قیامت اس سے بھی بڑی تھی جو آج سے انیس سال پہلے ان پر ٹوٹی تھی، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا بھی کبھی عروبہ کے ساتھ ہو سکتا ہے، ٹیکسی غضنفر علی کے گھر کی طرف جا رہی تھی، راستہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا، انتظار نہایت کٹھن تھا، وہ ان راستوں پر کبھی دوبارہ نہ آنا چاہتی تھی، اس شخص کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھیں، مگر وقت نے زندگی کے ہر موڑ پر انہیں بتایا تھا کہ چاہنے اور ہونے میں بہت فرق ہے، جو ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا اور جو ہوتا ہے اس میں ہماری مرضی اور خواہش شامل نہیں ہوتی، وہ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر مڑی تھیں، سامنے شان سے کھڑی عمارت ان کے قد سے بہت اونچی تھی، انہوں نے آگے بڑھ کر ڈور بیل بجا دی، گیٹ سے ملحقہ چھوٹا دروازہ کھلا، وہ اندر آ گئیں۔

''مجھے غضنفر سے ملنا ہے۔'' انہوں نے ملازم کو بتا دیا۔

''آپ کا نام؟'' اس نے استفسار کیا۔

''گل افزاء۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا، ملازم سر ہلا کر اندر چلا گیا اور ایک منٹ سے بھی پہلے سامنے سے صوفیہ آتی دکھائی دی، اسے اپنے سامنے دیکھ کر ان کے اندر ہوتی شکست و ریخت مزید بڑھ گئی، وہ اس عورت سے بات نہ کرنا چاہتی تھیں۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟" تیزی سے چلتی ہوئی وہاں کے قریب آ کھڑی ہوئی اور حقارت سے بولی۔

"مجھے غضنفر سے ملنا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اعتماد سے بولیں۔

"غضنفر تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے، تمہیں کیا لگتا ہے انیس سال پتا نہیں تم کہاں کہاں منہ کالا کرتی رہی ہو اور اب پلٹ کے آئی ہو تو وہ تمہاری بے گناہی کا یقین کرے گا، نفرت کرتا ہے وہ تم سے۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے اگر اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہوتی تو آج سے انیس سال پہلے کرتی، میں یہاں کبھی پلٹ کر واپس نہ آنا چاہتی تھی، لیکن جب بات میری بیٹی کے کردار پر ہو تو میں چپ نہیں رہ سکتی۔" دروازے سے اندر قدم رکھتی فروا ٹھٹک کر وہیں رک گئی، اسے ان دونوں کی باتوں کی کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی۔

"تمہاری بیٹی ہے، تمہاری طرح بدکردار ہی ہوگی نا، جو اپنے شوہر کے ہوتے......"

"صوفیہ!" انہوں نے ہاتھ اٹھایا تھا۔

"تم مجھے وہ کمزور گل افزاء نہ سمجھنا، جو خاموشی سے سب کے ظلم سہتی رہی، تم سب کی سازشوں کے جال میں پھنستی گئی اور پھر آخر دھکے دے کر نکال دی گئی تو بھی غضنفر کے سامنے کبھی بھی آ کر اپنی بے گناہی ثابت نہ کی، گل افزاء تو اسی دن مر گئی تھی جب غضنفر علی نے، اسے بدکردار کہا تھا، گل افزاء بہت کمزور اور بے وقوف تھی، عروبہ اور فروا کی ماں نہ تو کمزور ہے اور نہ ہی بے وقوف۔" اس انکشاف نے کہ عروبہ اس کی بہن ہے اور اس کے بابا غضنفر علی اس کی بات نے فروا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ بے یقینی سے سب کچھ سن رہی تھی، اسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا تھا اور نہ ہی سماعت پر۔

"تمہیں جو کرنا ہے کرو، مگر میرے گھر سے باہر نکل کر، میں تمہیں یہاں کوئی تماشہ نہیں کرنے دوں گی۔" اس نے بازو پکڑ کر اسے باہر کی جانب دھکیلا تھا۔

"پہلے ہی غضنفر تمہاری بیٹی کی وجہ سے بہت ذلت اٹھا چکے ہیں، شاکڈ ہیں، تمہیں سامنے دیکھ کر نا جانے ان کی کیا حالت ہو۔"

"میں غضنفر سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی، تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔" وہ آگے بڑھیں، صوفیہ نے آگے بڑھ کر ان کا بازو پکڑ کر انہیں واپس گھسیٹا۔

"تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آ رہی، میں نے تمہیں بتایا ہے غضنفر تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے، انہوں نے تم سے ملنے سے انکار کیا ہے، پھر بھی کس ڈھٹائی سے کھڑی ہو۔" صوفیہ کو فکر تھی کہ کہیں غضنفر اسے وہاں دیکھ نہ لیں اور اگر وہ اسے وہاں دیکھ لیتے تو قیامت آ جاتی، لہٰذا وہ گل افزاء کو وہاں سے جلد از جلد نکال دینا چاہتی تھی۔

"میں انہیں شکل دکھانا بھی نہیں چاہتی، لیکن اپنی بیٹی کی زندگی برباد کرنے کا حق میں تم دونوں کو نہیں دے سکتی۔" انہوں نے اپنا بازو چھڑوانا چاہا۔

"وہ غضنفر کی بیٹی ہے، تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ میری بیٹی ہے، میں اسے یہاں سے لے کر جاؤں گی، ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔" وہ آگے بڑھیں صوفیہ نے ان کا راستہ روک لیا۔

"گارڈ!" وہ زور سے چیخیں۔

"اس عورت کو دھکے دے کر باہر نکالو، اگر نہ نکلے تو گولی مار دینا۔" وہ حکم صادر کر کے واپس

مڑیں۔

"خدا کے قہر سے ڈرو صوفیہ مجھ پر تم لوگوں نے جو ظلم کیے ہیں ہمیشہ خاموش رہی، مگر جواب میری بیٹی کے ساتھ ہوا اس پر میرا دل تمہیں اور تمہاری اولاد کو بد دعائیں دے رہا ہے، خدا کرے تم لوگ کبھی خوش نہ رہو، کبھی نہ ہنسو، اسی طرح برباد ہو جیسے مجھے کیا، ایسے یہ ناشاد ہو جیسے میری اولاد کو کیا، میری اولاد پر کیا ظلم تمہاری اولاد کے سامنے آئے۔" صوفیہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی، پھر واپس مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی اپنے روم میں آ گئی۔

☆☆☆

اللہ اکبر، اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے

اشھد ان لا الہ اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اشھد ان محمد رسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں

حی الصلواۃ

آؤ نماز کی طرف

حی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف

الصلوۃ خیر من النوم

نماز نیند سے بہتر ہے

اللہ اکبر، اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے

لا الہ ال اللہ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں

وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح، اسی پوزیشن میں جیسے کل رات گری تھی، وہ ایسا گری تھی کہ اس کے لئے اٹھنا اور سنبھلنا بہت مشکل تھا، وہاں اس لمحے اس کے پاس کوئی نہ تھا، اس کے ساتھ کوئی نہ تھا اور اس کے ساتھ تو کبھی بھی کوئی نہ تھا، بس یہ اس کی خوش فہمی تھی کہ جو اس کے آس پاس ہیں وہ اس کے ساتھ بھی ہیں، آج یہ مان بھی ٹوٹ گیا تھا، سب کچھ ختم ہو گیا تھا، وہ خالی ہاتھ ہو گئی تھی۔

اذان کی آواز پر اس کے منجمد اعصاب بیدار ہونے لگے تھے، رات کا واقعہ کسی فلم کی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا، اس کے دل کو ابھی تک یقین نہ آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ واقعی ایسا ہو گیا تھا، وہ ابھی تک بے یقین تھی، سب سے زیادہ دکھ جس بات کا تھا وہ یہ تھی کہ بابا نے بھی ان سب کا ساتھ دیا جو اس کے خلاف سازش کر رہے تھے۔

"عیسیٰ احمد!" اس کے لب بولنے کی خواہش میں پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

"تو کیا...... تم بھی...... اس سازش کا...... حصہ تھے؟" وہ بے یقین تھی اس کا دل یہ ماننے سے انکاری تھا، مگر جس طرح وہ اسے مار کھاتا، ذلیل و رسوا ہوتا دیکھ کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا اس سے تو یہی لگتا تھا۔

"نہیں...... وہ میرے ساتھ...... ایسا...... نہیں کر سکتا۔" اس کا دل دوہائی دے رہا تھا، چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، کہ عیسیٰ احمد ایسا نہیں ہے، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

"ان میں سے کوئی بھی آپ سے مخلص نہیں ہے، فروا بھی نہیں، مگر شاید آپ کو انسانوں کی پہچان ہی نہیں ہے۔" عیسیٰ احمد کے الفاظ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"ہاں مجھے واقعی انسانوں کی پہچان نہیں ہے، میرا آپ سے کیا رشتہ تھا؟ کیوں اعتبار کیا آپ پر۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو جسم میں

درد کا احساس جاگا، وہ بمشکل ہمت مجتمع کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، پاؤں گھسیٹتی ہوئی وہ واش روم کی جانب بڑھی تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے گزرتے ہوئے بے خیالی میں اس کی نظر اٹھی اور پلٹنا بھول گئی۔

''یہ میں ہوں؟'' وہ بے یقینی سے آئینے میں ابھری اپنی شبیہ کو دیکھ رہی تھی، پھٹا ہوا ہونٹ، متورم آنکھیں، زرد رنگت، بکھرے ہوئے بال اور...... دوپٹے سے بے نیاز۔

''میرا دوپٹہ!'' وہ بے چین ہو کر مڑی، سامنے ہی کمرے کے دروازے کے پار اس کا دوپٹہ پڑا ہوا تھا، بابا کے جوتے کا نشان اس پر واضح تھا، اس نے آگے بڑھ کر دوپٹہ اٹھایا اور بے اختیارانہ انداز میں اوپر اوڑھ لیا، پھر واپس مڑی اور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''کیا دوپٹہ اوڑھنے سے میرے کردار پر لگا کیچڑ چھپ سکتا ہے، صاف ہو سکتا ہے، کیا میں دنیا والوں کی نظر سے بچ سکتی ہوں۔'' اس نے جنونی انداز میں دوپٹہ اتارا اور اسے دیکھنے لگی۔

''یہ تو...... یہ تو...... جگہ جگہ سے پھٹ گیا ہے، اس پر تو...... گندگی لگ گئی...... یہ کیسے صاف ہوگی۔'' اس نے دوپٹے کو سینے سے لگایا اور واش روم کی جانب بڑھی، وہ رگڑ رگڑ کر دوپٹے کو دھو رہی تھی۔

''یہ کیسی گندگی ہے صاف ہوتی ہی نہیں۔'' وہ باہر نکل آئی، وارڈ روب کھولی اور ایک اور دوپٹہ نکال لیا۔

''یہ صاف ہے، یہ اوڑھ لیتی ہوں۔'' اس نے ایک سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ نکالا اور اوڑھنے لگی۔

''اس پر بھی...... کیچڑ لگا ہوا ہے۔'' اس نے وہ دوپٹہ بھی پھینک دیا اور پھر ہر سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ نکالتی اور اسے پھینک دیتی۔

''سب کو گند لگ گیا، یہ اب کیسے صاف ہو گا؟ یہ نہیں ہو گا صاف۔'' اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی، وہ کمرے سے باہر نکل آئی، ریلنگ کو تھامے وہ نیچے دیکھ رہی تھی۔

پورے گھر پر گہری خاموشی کا راج تھا، بالکل ویسی ہی خاموشی جیسی دلہن کے رخصت ہونے کے بعد گھر پر چھا جاتی ہے، یا پھر جیسی خاموشی جنازہ اٹھنے کے بعد ہوتی ہے، یکا یک آسمان پر اڑتے پرندے کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کا ارتکاز ٹوٹا، اس نے چونک کر آسمان کی جانب دیکھا۔

''کیا دنیا باقی ہے۔'' آسمان پر صبح کی سفیدی نمودار ہو رہی تھی، مگر یہ سفیدی طرف آسمان پر تھی اور اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے رات چھا چکی تھی۔

''کسی پر قیامت بیت جائے، دنیا پھر بھی چلتی رہتی ہے، کیسے؟'' اس کی نظریں لان میں ہوا کے دوش پر مستی کرتے پودوں پر ٹھہر گئیں۔

''کیا رات جو قیامت آئی تھی وہ صرف میرے لئے تھی؟'' وہ تیزی سے واپس مڑی اور واش روم میں گھس گئی، وضو کر کے وہ جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔

ترجمہ:۔ ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا مالک ہے، بہت مہربان رحمت والا، روز جزا کا مالک، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھا راستہ دکھا، ان کا جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان پر جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔'' القرآن۔

''یا اللہ! مجھے سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا، جن پر تو نے انعام کیا، جن

پر......تو...... نے......انعام......کیا۔'' وہ سجدے میں گری ایک ہی بات کہی جا رہی تھی، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر جائے نماز میں جذب ہو رہے تھے، یہ جائے نماز اس کی کل کائنات تھی، اس کا آخری سہارا، اس کی غم خوار، اس کی ہمدرد۔

اس کے نا چاہنے کے باوجود دن نکل آیا تھا، سفیدی نے اندھیرے پر غلبہ پا لیا تھا، دنیا کے کام اسی طرح ہو رہے تھے جیسے ہمیشہ ہوتے تھے، باہر شور تھا، آوازیں تھیں، آتی جاتی گاڑیوں سکول وین اور رکشوں کی، بچوں کی اور......زندگی کی، مگر اس کا وجود کسی قبرستان کی طرح خاموش چپ اور ویران تھا، جہاں ہر طرف ویرانی تھی، چپ گہرا سناٹا اور لاشیں تھیں، نا تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی لاشیں، تنہائی، دکھ اور ویرانیوں کے ناگ قبروں سے نکل نکل کر اس کے وجود کو ڈس رہے تھے۔

وہ اردگرد سے بےگانہ ہو چکی تھی، جیسے ہوش کی دنیا سے اس کا ناطہ ٹوٹ چکا ہو، اسے کچھ خبر ہی نہ ہو اور یاد بھی نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، اس کے اردگرد کون ہے، اس کے آس پاس رہنے والے لوگوں سے اس کا کیا رشتہ ہے، سب کچھ ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''غفنفر اٹھ جائیں فریش ہو کر آئیں، میں آپ کا ناشتہ یہاں ہی لے آئی ہوں۔'' آدھا دن گزر گیا تھا، مگر وہ جوں کے توں چیئر پر بیٹھے تھے، صوفیہ نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی اور آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے۔

''پردے آگے کر دو صوفیہ۔'' انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لئے۔

''یہ روشنی مجھ پر ہنستی ہے، میرا انداق اڑاتی ہے۔'' ان کے لہجے کا کرب اور شکستہ پن صوفیہ سے مخفی نہ تھا۔

''ایسے گزارا نہیں ہو گا، انھیں ہمت سے کام لیں، روشنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں اور زمانے کا سامنا کریں یوں بزدلوں کی طرح چھپ کر مت بیٹھیں۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''اس لڑکے کو بلاؤ، آ کر اسے ساتھ لے جائے، میں آج شام دونوں کا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' سر جھکائے نظریں کارپٹ پر گاڑے وہ بولے تو صوفیہ کی تو جان پر بن آئی۔

''وہ تو......رات ہی بھاگ گیا تھا۔'' انہوں نے اطلاع دی، غفنفر علی نے فوراً جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔

''اسے فون کرو، ابھی اسی وقت آ کر اسے لے کر جائے۔'' وہ پر تشویش لہجے میں بولے۔

''دیکھیں غفنفر!''

''بیگم صاحبہ!'' ملازمہ دستک دے کر اندر آئی۔

''صاحب سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' صوفیہ نے بری طرح چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کک......کون ہے؟'' وہ عجلت بھرے انداز میں اٹھی تھیں۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو صوفے پر بیٹھے فارقلیط حسن کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی، ورنہ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ گل افزاء آئی ہو گی۔

''وعلیکم السلام'' وہ بیٹھ گئیں اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آنٹی میرا نام فارقلیط حسن ہے، میں شاہ

زیب کا دوست ہوں، وہ میرے ڈیڈ کے آفس میں کام کرتا ہے۔'' اس نے تعارف کروایا، صوفیہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں، بلاشبہ وہ شاندار پرسنالٹی کا مالک تھا، دیکھنے میں وہ کافی امیر لگ رہا تھا۔

''مناسب تو نہیں لگتا مگر اس وقت مجبوری ہے، اس لئے میں خود چلا آیا، میں نے شاہ زیب سے کہا تھا میرے ساتھ یہاں آئے، مگر اس نے انکار کر دیا، آنٹی...... میں عروبہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' صوفیہ آنکھیں پھاڑے اس شاندار لڑکے کو دیکھ رہی تھیں، انہیں ایک مرتبہ پھر عروبہ سے حسد محسوس ہوا تھا، اس کی قسمت پر رشک آیا تھا۔

''میرے ڈیڈی ملک سے باہر ہیں، ممی کی ڈ-تھ ہو چکی ہے، کوئی بہن بھائی نہیں ہے، اس لئے مجھے خود ہی آنا پڑا۔'' اس نے ان کے سرد اور سپاٹ انداز کو محسوس کرتے ہوئے کہا، وہ رات ان کا رویہ عروبہ کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

''کیا میں انکل سے مل سکتا ہوں؟'' ان کی مسلسل خاموشی اسے پریشان کر رہی تھی۔

''وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کر سکتے، جو کچھ عروبہ نے کیا......''

''تو پھر آپ ان سے بات کرلیں اور مجھے بتا دیں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر بولا، وہ کچھ بھی کہے بناء اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

''پرانا عاشق ہے اس کا، بہت عرصہ افیئر چلا، کہتا ہے عروبہ نے شادی کا وعدہ کر رکھا تھا، غضنفر ہماری عزت اسی میں ہے کہ اس کی شادی کر دیں دور چلی جائے گی تو رفتہ رفتہ سب بھول جائیں گے، خاندان میں رہی تو روز باتیں سنیں گے ہم۔'' ان کی بات غضنفر کے دل کو لگی تھی۔

''اسے کہو آج شام اسے نکاح کر کے لے جائے۔'' ان کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو نکل کر چائے کے کپ میں گرا تھا، انہوں نے کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں صرف پانچ منٹ کے لئے عروبہ سے مل سکتا ہوں؟'' فارقلیط حسن پر تو جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی، وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''مل لو، ذرا دھیان سے۔'' معنی خیزی سے کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں، فارقلیط حسن تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

عروبہ کا دروازہ ناک کیا، مگر جواب ندارد، اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا، وہ سامنے جائے نماز پر سجدے میں پڑی ہوئی تھی، وہ چند ثانیے کھڑا اسے دیکھتا رہا، مگر جب اس کا سجدہ بہت طویل ہو گیا تو اس نے آگے بڑھ کر اسے پکارا۔

''عروبہ!'' مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی، اس نے دوبارہ سہ بارہ پکارا، اسے تشویش ہونے لگی، اس نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا تو وہ ایک سائیڈ پر ہو کر گر گئی۔

''عروبہ...... عروبہ!'' وہ اسے آوازیں دینے لگا، پانی لا کر اس کے چہرے پر چھینٹے مارے، اس کے گال تھپتھپائے، اس کے چہرے پر اذیت کی ایک داستان رقم تھی، اس کا سر اپنی گود میں رکھے وہ کارپٹ پر بیٹھا ہوا اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا، اس لمحے اس پر ادراک ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی سے شدید محبت کرتا ہے، اس کی تکلیف نے اسے تمام رات جگائے رکھا تھا، وہ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں لان میں ٹہلتا رہا تھا اور سموکنگ کرتا رہا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے، شاہ زیب نے بھی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

اچانک آسمان سے ایک زخمی پرندہ گھائل

ہو کر گرا تھا، لان کی گھاس پر ٹہلتی ہوئی بلی اسے کھانے کے لئے بھاگی، قبل اس کے وہ اسے دبوچتی فارقلیط حسن نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا اور اس لمحے فیصلہ ہوگیا تھا۔

''عروبہ!'' اس نے آہستگی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا، اس کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے۔

''ان..... لوگوں..... کا..... راستہ..... جن پر..... تو..... نے..... انعام..... کیا۔'' فارقلیط حسن بغور اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔

''نہ..... ان..... کا..... جن..... پر..... تو..... نے..... غضب کیا۔'' اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا فارقلیط حسن اس کے بہت قریب تھا، وہ کچھ نہ سمجھ پائی، بس دھندلائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر جیسے اسے سمجھ آ گئی ہو کہ اس کا سر فارقلیط حسن کی گود میں ہے، وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

اس کی آنکھوں کی ویرانی، چہرے پر چھایا حزن و ملال فارقلیط حسن کو بے چین کر رہا تھا۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے؟'' اس نے پورے کمرے میں کارپٹ پر جا بجا پھیلے دوپٹوں کی طرف اشارہ کیا، عروبہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خالی الذہنی کی کیفیت میں کبھی اسے اور کبھی دوپٹوں کو دیکھتی فارقلیط حسن آگے بڑھ کر دوپٹے اٹھانے لگا۔

''ان پر..... گند لگا ہوا ہے..... کیچڑ ہے..... ان پر۔'' وہ برق رفتاری سے آگے بڑھی اور دوپٹہ اس کے ہاتھ سے لینا چاہا، جسے فارقلیط حسن نے ہاتھ پیچھے کر کے اسے دینے سے انکار کر دیا۔

''چھوڑ دیں اسے، ورنہ..... گندگی آپ کو..... بھی لگ جائے گی۔'' اس نے دوپٹہ پکڑنا چاہا مگر فارقلیط حسن نے نرمی سے اسے روکا۔

''مجھے ان پر کوئی گندگی نظر نہیں آ رہی، بالکل صاف اور شفاف ہیں، تمہاری طرح۔'' فارقلیط حسن نے کارپٹ پر بکھرے تمام دوپٹے اٹھائے اور بہت عقیدت و احترام سے انہیں صوفے پر رکھ دیا، عروبہ خاموش کھڑی اسے یہ سب کرتا دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو نظر نہیں آ رہا، مگر میں دیکھ رہی ہوں ان پر۔'' اس نے لب بھینچ لئے تھے، فارقلیط حسن آگے بڑھا اور عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''جو کیچڑ تمہیں نظر آ رہا ہے وہ میں صاف کر سکتا ہوں، کرنا چاہتا ہوں، میں تمہیں دنیا کی نظر سے نہیں اپنی نظر سے دیکھ رہا ہوں، تم خود کو میری نظر سے دیکھو تو۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔

''تمہارے بابا تمہاری شادی کر رہے ہیں۔'' عروبہ نے بری طرح سے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی تو کسی نہ کسی سے تو ضرور ہو جائے گی، پھر اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو کم از کم یہ benefit تو ہے نا کہ تم مجھے تھوڑا بہت جانتی ہو، میں تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کی حقیقت جانتا ہوں، اگر تم کسی Unknown شخص سے شادی کرو گی تو بہت سارے پرابلمز کو فیس کرنا پڑے گا۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں نرمی سے بول کر اپنائیت سے اسے سمجھا رہا تھا، مشکل کی اس گھڑی میں جب عیسیٰ احمد جیسا محبت کا دعویدار شخص بھی اسے چھوڑ کر بھاگ گیا تھا تو فارقلیط حسن کا وجود اس کے لئے رحمت کے فرشتے کی طرح تھا۔

☆☆☆

نویلہ رات ہونے والے واقعے سے بہت

زیادہ پریشان تھی، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا، اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عروبہ اور عیسٰی کے درمیان ایسا کچھ چل رہا ہے وہ تو عیسٰی احمد کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی، غرق ہو چکی تھی، اسے تو جیسے اس کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔

مگر رات جو ہوا تو اس کے بعد اسے اپنا دل بہت سنسان اور ویران لگ رہا تھا، ہر چیز، ہر منظر بے کار لگ رہا تھا، ہر شے بے رونق تھی، عیسٰی احمد کے موبائل پر کئی بار کال کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔

''نویلہ!'' وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، ماما دروازہ کھول کر اندر آئیں، اس نے کوئی جواب دیا نہ آگے بڑھ کر اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگایا۔

''کیا ہو گیا؟''

''کیوں کیا عیسٰی نے ایسا؟'' اس کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے، چہرہ مرجھایا ہوا، آنکھیں سوجی ہوئیں، صوفیہ کو عروبہ پر غصہ آنے لگا، جس کی وجہ سے ان کی بیٹی اس حال کو پہنچی تھی۔

''عیسٰی کو غلط مت سمجھو، اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

''اوپر والے پورشن کی لائیٹ میں نے بند کروائی تھی۔''

''یہ سب میری Planning تھی، عروبہ کو راستے سے ہٹانے کی، اگر میں یہ نہ کرتی تو عیسٰی کی ماں آ کر غفنفر سے عروبہ کا ہاتھ مانگ لیتی اور ہم دیکھتے رہ جاتے۔'' نویلہ شاکڈ رہ گئی یہ سن کر۔

''عیسٰی کو کمرے میں، میں نے بھیجا تھا۔''

''ماما! عیسی اب مجھ سے شادی کرے گا؟''

اسے نئی فکر لاحق ہو گئی۔

''یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو، بس ابھی تو اٹھ کر عروبہ کی شادی میں پہننے کے لئے اپنا ڈریس دیکھ لو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''عروبہ کی شادی؟''

''ہاں، آج شام اس کا نکاح اور رخصتی ہے، ویسے ہے بہت خوش قسمت، اتنا شاندار لڑکا ہے فارقلیط حسن، بہت امیر اور ڈیشنگ، مگر عیسٰی احمد تو نہیں ہے نا۔'' بات کے اختتام پر وہ خباثت سے مسکرائیں، جبکہ نویلہ غائب دماغی کیفیت سے انہیں دیکھ رہی تھی، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا، اسے بس عیسٰی احمد چاہیے تھا، جیسے بھی سہی۔

☆☆☆

عیسٰی احمد آپریشن تھیٹر کے سامنے بے بس کی حالت میں کھڑا ہوا تھا، اس کے ساتھ اس وقت کوئی نہ تھا جو اسے تسلی دیتا، اس کی ڈھارس بندھاتا، بے بس اور اکیلے پن کے ان لمحوں میں اس نے جانا تھا کہ دکھ اور پریشانی کے وقت کسی اپنے کا ساتھ ہونا کتنا اہم ہوتا ہے، پریشانی میں جب کوئی ساتھ ہو تو دل کو بہت حوصلہ ملتا ہے، نرم لہجے میں بولے گئے الفاظ تکلیف کو ختم نہیں کرتے تو اس کی شدت میں کمی ضرور کر دیتے ہیں اور اگر کوئی صرف ہمارے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ ہونے کا مان دے تو یہ بھی کافی ہوتا ہے۔

مگر کبھی کبھی جب دکھ میں اپنے آنسو خود پونچھنے پڑتے ہیں، اپنے آپ کو خود تسلی دینی پڑتی ہے ایسے میں آنسو اور تیزی سے بہتے ہیں دل کا درد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، یہی حال اس وقت عیسٰی احمد کا تھا، خوف کے مارے اس کا سانس رک رک کر چل رہا تھا، آپریشن تھیٹر میں بیڈ پر، اس وقت اس کی دنیا پڑی ہوئی تھی، پوری دنیا، کل کائنات۔

☆☆☆

''اتنا بڑا راز آج تک آپ نے مجھ سے چھپائے رکھا، کیوں امی؟'' پوری رات دونوں ماں بیٹی آنسو بہاتی رہی تھیں، بہت سارے غم تھے جو دونوں کو تڑپنے اور سسکنے پر مجبور کر رہے تھے، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔

''کیا بتاتی تمہیں کہ ایسا تھا تمہارا باپ، تم اس سے نفرت کرنے لگتی اور یہ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم دل میں نفرت لے کر پرورش پاؤ اور پھر نفرت بھی باپ کے لئے اور اس احساس کے ساتھ جینا کہ تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو چھوڑ دیا، اسے ایک بد کردار عورت کہہ کر، تمہارے لئے بہت مشکل ہو جاتا بیٹے، میں نہیں چاہتی تھی کہ تم باپ سے نفرت کرو، ماں کا کردار تمہاری نظر میں مشکوک ہو۔'' انہیں بہت دکھ تھا کہ جو راز اتنے سال فروا سے چھپایا وہ لمحوں میں اسے معلوم ہو گیا اور اس آگہی نے اسے بہت دکھ دیا تھا، وہ شاکڈ تھی۔

''آپ دنیا کی بہترین ماں ہیں، میرے سامنے، پوری دنیا بھی آ کر آپ کے خلاف کھڑی ہو جائے تو میں کبھی بھی ان کی باتوں پر یقین نہیں کروں گی، آپ سے بس ایک گلہ ہے، آپ کو عروبہ کو بھی اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا، اسے ان لوگوں کے پاس کیوں چھوڑا؟'' فروا کے سامنے عروبہ کی ساری زندگی تھی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی اس گھر میں کیا حیثیت تھی، اس نے اس گھر میں کتنے دکھ اٹھائے تھے۔

''تم نہیں جانتی فروا میں کیسے اس گھر سے نکالی گئی تھی، غضنفر اپنی ماں، بہنوں اور صوفیہ کی باتوں میں آ کر میرے کردار پر شک کرنے لگے تھے، انہوں نے ہر بات کو جیسے فراموش کر دیا تھا، وہ مجھ سے بہت سارا جھگڑا اور یہ کہہ کر کہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا بزنس ٹور پر جرمنی چلے گئے تھے۔'' ان کا دردناک ماضی فروا کے سامنے کھلا تو جیسے ان کے زخموں سے کھرنڈ اترنے کے ساتھ فروا کے دل پر برچھیاں چلنے لگیں۔

''غضنفر کے جانے کے بعد میں دو دن بھوکی پیاسی، اکیلی اپنے کمرے میں پڑی روتی رہی، نہ ہی غضنفر نے مجھے کال کی اور نہ گھر میں کسی نے مجھے پوچھا، تیسرے دن میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی، میرا آپریشن ہوا اور تم دونوں پیدا ہوئیں، غضنفر اپنی ماں کو فون کرتے مگر مجھ سے بات نہ کی، دو دن بعد غضنفر کی ماں بہن اور صوفیہ نے مجھے گھر سے نکال دیا، آتے ہوئے تمہیں میری گود میں ڈال دیا یہ کہہ کر کہ غضنفر کہاں دو بچیوں کو سنبھالتا پھرے گا، میں بہت روئی، منت سماجت کی کہ میری بچی کو مجھ سے دور نہ کریں، اتنی چھوٹی ہے کیسے رہے گی میرے بغیر، مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی، میں نے غضنفر کو کافی عرصہ کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے میری بات نہ سنی اور نمبر بدل لیا، میں اس کے آفس گئی اس نے ملنے سے انکار کر دیا، میرے بھیا کہتے تھے میں جا کر غضنفر سے بات کرتا ہوں، میں نے منع کیا، میں صرف عروبہ ان سے واپس لینا چاہتی تھی، مگر بھیا نے مجھے سپورٹ نہ کیا، وہ چاہتے تھے میں غضنفر سے ڈائیورس لے کر دوبارہ شادی کر لوں، ایسا میں نے کرنے سے انکار کر دیا اور پھر......'' فروا کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، اسے ماں کے دکھ نے بہت رلایا تھا، باپ کی بے حسی نے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔

''کیا کوئی شخص اتنا بھی بے حس ہو سکتا ہے۔'' باقی کی تمام رات اس نے یہی سوچتے ہوئے گزار دی۔

☆☆☆

ابھی کچھ ہی دیر میں اس کا نکاح تھا، وہ عروبہ غضنفر سے عروبہ فارقلیط حسن بننے جارہی تھی، فارقلیط حسن اس کے لئے بہت قیمتی مگر نفیس ڈریس لے کر آیا تھا، کریم کلر کی میکسی جس پر بہت نفیس اور ہلکا پھلکا کام ہوا تھا، ساتھ ڈائمنڈ کی لائٹ سی جیولری، وہ جانتا تھا اس وقت وہ سرخ لباس اور ہیوی جیولری پہن کر روایتی دلہن نہیں بن سکتی۔

''بے فکر رہیں میں آپ کی عزت پر کوئی بات نہیں آنے دوں گا، آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ کھڑا پائیں گی۔'' نکاح خوان اندر آیا تھا، اس کے ساتھ شاہ زیب تھا، وہ غائب دماغی سے نکاح نامے کو دیکھ رہی تھی۔

''ویسے آپ کتنی ظالم اوران رومینٹک ہیں، اتنے خوشگوار موسم میں، آپ کے لئے بہت محبت سے کافی بنائی، اتنے اچھے موڈ میں آپ کو پرپوز کرنا چاہا اور آپ مجھے کبھی کسی اور کبھی کسی سے شادی کرنے کے مشورے دے رہی ہیں، آپ ایسی کیوں ہیں؟'' نکاح خواں اس سے جانے کیا پوچھ رہا تھا، اسے تو کچھ اور ہی سنائی دے رہا تھا، ایک نرم اور مہربان لہجہ۔

''میں نہیں جانتا کہ کس چیز نے آپ کو محبت سے بدگمان کیا ہے، مگر محبت پر آپ کا یقین میں آپ کو لوٹاؤں گا۔'' اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی۔

اور پھر یکا یک منظر بدلا تھا، صوفیہ اسے مار رہی تھیں، پیٹ رہی تھیں، اس کے کردار کی دھجیاں بکھیر رہی تھیں اور وہ لب سے خاموش کھڑا تھا، وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں اتنے مجمع کے سامنے زمین پر پڑی تھی اور وہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا، ایسے میں فارقلیط حسن آگے بڑھا تھا۔

اور یہی ایک لمحہ اس سے فیصلہ کروا گیا تھا، اس نے نکاح نام پر سائن کر دیے تھے، شاہ زیب نکاح خواں کو لے کر باہر نکل گیا تھا، اس کی کھڑکی کے اس پار درخت پر بیٹھا کوا اچانک ہی غصے اور ناراضی سے زور زور سے کائیں کائیں کرنے لگا تھا۔

''پیارے کوے۔'' اس نے اس کی طرف دیکھا، آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے، اچانک دروازہ کھلا تھا، اس نے دیکھا سامنے ماما اور ان کے پیچھے فارقلیط حسن کھڑا ہوا تھا، وہ آگے آئیں عروبہ نے نظریں پھیر لیں۔

''یہ تمہارا شوہر ہے، ہر لحاظ سے ایک اچھا انسان، تمہیں اب زندگی اسی کے ساتھ گزارنی ہے، تمہارا باپ پہلے ہی تمہاری وجہ سے بہت دکھ اٹھا چکا ہے، اس میں مزید سہنے کی سکت نہیں ہے، بہتر ہوگا تم پلٹ کر یہاں نہ آنا، شاید وہ اس طرح اس ذلت اور رسوائی کو بھلا سکے جو تم نے اس کی جھولی میں ڈالی ہے۔'' وہ نفرت اور حقارت سے بول رہی تھیں، فارقلیط حسن آگے بڑھا، اس نے عروبہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔

''یہ عروبہ فارقلیط حسن ہے، کوئی عام لڑکی نہیں جسے آپ اس طرح باتیں سنا کر Tease کریں، میں آپ کو اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ آپ میری بیوی سے اس لہجے میں بات کریں۔'' عروبہ خاموش کھڑی دیکھ رہی تھی۔

''آپ جانتی ہیں کوئی آپ کے خلاف بات کرے تو میں چپ نہیں رہ سکتا۔'' عیسیٰ احمد نے کتنا بڑا دعویٰ کیا تھا نا، وہ اس کے متعلق کوئی بات سوچنا نہ چاہتی تھی، مگر اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

''تم یہاں سے کچھ لے کر جانا چاہتی ہو تو لے جاؤ۔'' وہ اپنی طرف سے بہت بڑی پیشکش

کر رہی تھیں اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
''اسے یہاں سے کچھ نہیں چاہیے۔'' جواب فارقلیط حسن نے دیا اور اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی جانب بڑھا، فارقلیط کے ساتھ اس کے کچھ دوست آئے تھے جو نکاح کے فوراً بعد وہاں سے چلے گئے تھے، فارقلیط حسن کے ڈیڈی ملک سے باہر تھے، اس لئے وہ اس نکاح میں شریک نہ ہو سکے۔
غضنفر نے فارقلیط حسن کو اپنے روم میں بلوایا تھا، وہ اس سے تنہائی میں ملنا چاہتے تھے، وہ عروبہ کو ساتھ لئے ان کے روم میں داخل ہوا۔
''اسے کہو یہاں سے چلی جائے۔'' وہ رخ پھیر کر کھڑے ہو گئے، عروبہ کے سینے میں بائیں جانب شدید درد اٹھا تھا، وہ لڑکھڑا گئی، فارقلیط حسن سہارا نہ دیتا تو وہ گر پڑتی۔
''یہ میری بیوی ہے انکل، یہ ہر جگہ جائے گی جہاں میں جاؤں گا، اگر اسے یہاں کھڑے ہونے کی اجازت نہیں تو پھر سوری میں بھی آپ کی بات نہیں سن سکتا۔'' وہ واپس مڑنے لگا تو وہ پکار بیٹھے۔
''رکو۔'' وہ رک گیا۔
''یہ رکھ لو۔'' انہوں نے چیک پر بھاری رقم لکھ کر اس کی طرف بڑھایا، عروبہ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔
''ایک بیٹی کو مشکل میں باپ کا ساتھ، اس کا تحفظ اور سایہ چاہیے ہوتا ہے، جو آپ فراہم نہ کر سکے، اسے یا مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہیے۔'' فارقلیط حسن نے چیک پھاڑ کر ٹیبل پر رکھ دیا۔
''میں اپنے ڈیڈی کی کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث ہوں، مجھے یا عروبہ کو آپ سے پیسے نہیں چاہیے، میرا سب کچھ اسی کا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی جانب بڑھا۔
''اللہ حافظ۔'' وہ ان دونوں کو جاتا ہوا دیکھ رہے تھے، اسے ساتھ لے کر وہ پورچ میں آیا، جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی، فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا اور دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

☆☆☆

فروا امی کو دوا کھلا کر مصعب کو ان کے پاس سلا کر غضنفر علی کے آفس آ گئی تھی۔
''سر آفس نہیں آئے۔'' سیکرٹری نے اسے بتایا تو اسے شدید مایوسی ہوئی۔
''کب آئیں گے؟'' اس نے استفسار کیا۔
''سر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ابھی تو پتا نہیں کب آئیں۔'' اس نے مصروف سے انداز میں کمپیوٹر کی سکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھ کر کہا تو فروا مایوسی سے واپس ہٹ گئی، وہ جانتی تھی امی اسے دوبارہ گھر سے نکلنے نہیں دیں گی اور وہ غضنفر علی سے بات لازمی طور پر کرنا چاہتی تھی، اسے ایک ترکیب سوجھی، اس نے سیکرٹری سے ایک کاغذ مانگا، اس پر پیغام لکھ کر اسے لفافے میں ڈال کر اچھی طرح بند کیا اور سیکرٹری کے پاس آئی۔
''جب غضنفر صاحب آفس آئیں تو پلیز یہ انہیں دے دیجئے گا۔'' اس نے وہ لفافہ سیکرٹری کو تھمایا اور واپس آ گئی، گھر میں داخل ہوتے ہی اسے سامنے موسیٰ علی نظر آیا، وہ خاموشی سے اس کے پاس سے گزرنے لگی۔
''فروا!'' وہ اسے پکار بیٹھا، وہ رک گئی اور مڑ کر اسے دیکھا۔
''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کہیے میں سن رہی ہوں۔'' وہ سر جھکائے کھڑی تھی، موسیٰ علی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جان گئی ہو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔
''اندر آجائیں، بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ سے اندر کی جانب اشارہ کیا۔
''نہیں آپ کہیں جو بھی کہنا ہے۔'' وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی، نہ ہی وہ زیادہ تفصیل سے موسیٰ علی سے کوئی بات سننا یا کہنا چاہتی تھی۔
''آپ کی امی چاہتی ہیں کہ میری اور آپ کی شادی ہو جائے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا انہوں نے آپ سے پوچھ کر مجھ سے بات کی ہے؟'' وہ سر جھکائے کھڑی تھی، رات سے صبح تک وہ اپنی عروبہ کی اور امی کی زندگیوں کے متعلق بہت کچھ سوچ چکی تھی، اسے پتا چل گیا تھا کہ ان تینوں ماں بیٹیوں کی قسمت میں محبت اور شاید سکون نہیں لکھا گیا اور اب اگر عیسیٰ احمد اس سے شادی کے لئے مان بھی جائے تو وہ اس سے شادی نہیں کرے گی، وہ اس کی اور عروبہ کی شادی کروا دے گی اور پھر اگر عیسیٰ احمد نہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کی زندگی میں آنے والا شخص کون ہے۔
''امی نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کا ہر فیصلہ میرے لئے قابل قبول ہوتا ہے، میں جانتی ہوں وہ کبھی میرے لئے کچھ غلط نہیں سوچ سکتیں۔'' اس نے نپے تلے انداز میں کہا اور جانے کے لئے مڑی۔
''اور اگر فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کے پاس ہو تو؟'' اسے موسیٰ علی کی بات سن کر رک جانا پڑا۔
''تو میرا فیصلہ وہی ہوگا جو امی کا ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی موسیٰ علی سے دور ہوتی گئی، پہلی مرتبہ اسے وہ سمجھدار لگی تھی۔

☆☆☆

آپریشن کامیاب ہو گیا تھا، عیسیٰ احمد فوراً سجدے میں گر پڑا تھا، اسے ایسا لگا تھا جیسے پوری کائنات اس کے ساتھ مل کر مسکرا رہی ہو، اس نے فوراً ریسپشن پر جا کر ڈیڈی کو کال کر دی تھی، اپنا فون تو وہ وہیں چھوڑ آیا تھا، ابھی اسے ماما سے ملنے کی اجازت نہیں تھی، اگلے بارہ گھنٹے وہ ڈاکٹرز کی خاص آبزرویشن میں رہیں گی، مگر اس کے لئے یہ ہی خوشی کی بات تھی کہ ماما کی زندگی خطرے سے باہر تھی، اسے ڈیڈی کا انتظار تھا اور ان سے زیادہ یہ بارہ گھنٹے گزرنے کا جس کے بعد اسے ماما سے ملنے کی اجازت تھی۔

☆☆☆

فارقلیط حسن گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، عروبہ خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ گاہے بگاہے نظریں گھما کر اس کی طرف دیکھ لیتا تھا۔
سگنل پر گاڑی رکی تھی، ایک بچہ ہاتھوں میں پھول اور گجرے لے کر اس کے قریب کھڑکی میں جھکا تھا، فارقلیط حسن نے ایک نظر لاتعلق نظر آتی عروبہ پر ڈالی اور اس بچے سے پھول اور گجرے لے کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیا، تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ گھر پہنچ گئے تھے، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔
''Wellcome in my home in my life dear Arooba farqleet hassan۔'' فارقلیط حسن اس سے دو قدم آگے بڑھا اور اسے مسکراتے ہوئے ویلکم کہا، پھر اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا، عروبہ نے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
''Thank you۔'' اسے ساتھ لے کر

وہ اندر کی جانب بڑھا، مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ اسے بیڈروم میں لے آیا تھا، روم کسی طرح بھی نئی نویلی دلہن کے شایان شان نہ تھا، ٹائم بھی کم تھا اور پھر فارقلیط حسن جانتا تھا کہ اس وقت اسے پھولوں، سجے ہوئے کمرے اور کسی دکھاوے کی نہیں بلکہ اس کی ہمدردی اور نرم الفاظ کی ضرورت ہے، اس وقت اسے محبت کی نہیں عزت اور تحفظ کی ضرورت ہے، فارقلیط حسن اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت اس کے دل اور ذہن کی کیفیت کیا ہے، وہ دیکھ چکا تھا کہ وہ کس قیامت سے گزری ہے، وہ کمرے کے وسط میں کسی مورتی کی طرح کھڑی ہوئی تھی، ایسی بے جان مورتی جو صدیوں سے ایک مخصوص جگہ پر نصب ہو، جس نے کئی موسموں کی سختیاں جھیلی ہوں اور سخت جان ہو چکی ہو۔

''کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ ناں۔'' فارقلیط حسن نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، وہ خاموشی سے بیڈ کی پائنتی بیٹھ گئی، فارقلیط حسن باہر نکل گیا، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی، اس نے وہ پھول اور گجرے لا کر اس کی گود میں ڈال دیے، وہ جیسے کسی خیال سے چونکی۔

''عروبہ!'' فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، اس نے فارقلیط حسن کی طرف دیکھا تھا۔

''میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا، سچ بتاؤں گا۔'' وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلا رہا تھا۔

''میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئیں، مگر کبھی بھی میں نے کسی لڑکی کو فرینڈ شپ کے لئے خود سے نہیں آفر کی، ڈیڈی کی بے تحاشا دولت اور میری پرسنالٹی اور شاہ خرچی کے باعث لڑکیاں خود میرے اردگرد منڈلاتی رہیں اور میں بھی انہیں کسی پھول کی طرح توڑ کر چند دن کے لئے اپنے کوٹ لے کالر پر سجاتا اور جیسے ہی وہ مرجھا جاتا تو نیا پھول توڑنے کے لئے نکل پڑتا، مگر تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے میرے دل پر سے دروازے پر دستک دی، نہ صرف دستک دی بلکہ اس پر لگے قفل توڑ کر دبے قدموں اندر داخل ہو گئی اور میں نے تمہیں ایسا کرنے دیا، پتا ہے کیوں؟'' عروبہ اس کی طرف دیکھتی رہی، مگر اس کی قوت گویائی گویا سلب ہو گئی تھی، وہ کچھ بھی نہ سہہ سکی۔

''تمہاری پیشانی پر لکھی سچائی نے، تمہارے لہجے کی معصومیت اور کردار کی پاکیزگی نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا، کسی بھی لڑکی سے ملاقات کے بعد میں نے کبھی اس کے متعلق نہیں سوچا تھا، مگر تم سے ملنے کے بعد مجھے اپنا اندر بہت خالی خالی محسوس ہونے لگا، میرے ہر طرف ویرانی ہو گئی، ایک کمی، ایک خلا تھا جو پر ہی نہ ہوتا تھا، میں نے تمہیں بہت تلاش کیا، مگر تمہارا کوئی سراغ نہ ملا۔'' عروبہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر فارقلیط حسن کے ہاتھ پر گرنے لگے تھے، فارقلیط حسن نے اسے رونے دیا، وہ خود چاہتا تھا کہ اس کے غم کا کسی بھی طرح کتھارس ہو جائے، اس سے بہت گہری ہمدردی اور محبت رکھنے کے باوجود وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ غم ایسا تھا جو تمام عمر رلانے والا تھا۔

''تم سے مل کر مجھے معلوم ہوا عورت کیا ہوتی ہے اور عزت، وقار کسے کہتے ہیں اور غیرت کس بلا کا نام ہے، تمہارا مجھے غلط نام اور فون نمبر بتانا مجھے باور کروا گیا کہ تمہیں مجھ میں یا میری پرسنالٹی اور سٹیٹس میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔'' اس نے بایاں ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

''تم آج جتنا چاہے رولو پر اس غم کے لئے جو زندگی نے تمہیں دیا، تمہارے اپنوں نے دیا، مگر آنے والے وقتوں میں تم کو کبھی نہیں رونے دوں گا، تم پر لگے الزام کو وقت خود غلط ثابت کرے گا، خدا انہیں سزا دے گا جنہوں نے تمہارے خلاف سازش کی ہے۔'' وہ ہاتھ اس سے چھڑا کر چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''تم اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہو۔'' فارقلیط حسن نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر اسے تھپتھپانا شروع کر دیا تھا، اس کے آنسو فارقلیط حسن کی شرٹ کو بھگوتے ہوئے اس کے دل پر گر رہے تھے، پہلی بار کسی لڑکی کے آنسوؤں نے اسے اتنا تڑپایا تھا۔

☆☆☆

اچانک ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند اس کے ذہن میں لپکا تھا، اس نے ریسیور ایک مرتبہ پھر اٹھا لیا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگی، بیل جانے کی آواز سن کر اس کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں، ایک ایک پل صدی کے برابر لگنے لگا۔

''ہیلو۔'' کال اٹینڈ ہوتے ہی اس نے شدتوں سے پکارا تھا، اس کی زندگی تو ہمیشہ سے ہی سراپا زخم تھی، اس کا وجود تمام زندگی زخموں کی بھٹی میں جلتا رہا تھا، اس کا جی چاہا کہ بیٹی کو بتائے کہ عمر کے اس حصے میں بھی زندگی اور قسمت نے اس سے سکون کے چند لمحے گزارنے کی مہلت چھین لی تھی، اس کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر نمکین پانیوں کا اونچے درجے کا سیلاب امنڈ آیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ ماما؟'' اس کے لہجے کی افسردگی کو محسوس کیے بغیر وہ نرمی سے بولی تھی۔

''تمہارے ڈیڈی نے مجھے......'' اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا تھا، الفاظ کہیں کھو گئے تھے، بے سکونی اور بے چینی اس کے اندر بھرنے لگی تھی، اس پل اس پر ادراک ہوا تھا کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں خود کو سچا اور مضبوط ثابت کرنے کے لئے الفاظ اور لب ولہجہ بھی مضبوط ہونا چاہیے، ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور شکستہ لہجوں پر لوگ دھیان نہیں دیتے۔

''مام! یقیناً آپ اور ڈیڈ پھر سے جھگڑے ہوں گے، کیوں آپ دونوں کو سکون پسند نہیں ہے اور ایک اور بات ماما۔'' وہ ایک دم غصے میں آ گئی تھی، تیز تیز بولتی ہوئی اسے اندر تک ہلا گئی تھی۔

''تو گویا تم بھی۔'' الفاظ کہیں اندر ہی دم توڑ گئے تھے، اس کے سردی سے نیلے پڑتے لب بے آواز لئے تھے، اس کی بات پر وہ ایک دم ٹھٹکی تھی۔

''آپ پلیز ڈیڈی سے جھگڑنا چھوڑ دیں، آپ کے ان جھگڑوں کا احمد کو بھی علم ہو گیا ہے، وہ کئی بار مجھ سے پوچھ چکے ہیں۔'' بارش تیز ہو چکی تھی، سڑکوں پر بے فکری سے گشت کرتے لوگ اب گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

اس کی بائیں آنکھ سے ایک انتہائی مجبور اور بے بس آنسو نکل کر اس کے گال پر پھسلتا ہوا اس کے سینے میں کسی راز کی طرح چھپ گیا تھا، وہ خالی ہاتھ اور خالی دامن لے کر وہاں سے نکلی تھی۔

''کس کی کال ہے؟'' ائیر پیس سے آواز ابھری تھی، سڑکیں پوری طرح بارش میں بھیگ رہی تھیں، وہ بارش میں بھیگتی ہوئی بے سمت چلی جا رہی تھی، انگلی پر لگے زخم پر خون جم چکا تھا، وہ اس وقت ہر قسم کے احساس سے عاری ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''ماما! میری پیاری ماما!'' عیسیٰ احمد کے ہاتھ چوم رہا تھا، کبھی ان کے منہ پر پیار کرتا، اسے ماما سے ملنے کی اجازت مل گئی تھی، وہ اب ہوش میں تھیں، مگر زیادہ بول نہ سکتی تھیں، مگر اس کے لئے فی الحال یہی بہت تھا کہ وہ سلامت ہیں اور اس کے سامنے ہیں، اس کی بات سن سکتی ہیں اور اس سے اپنی بات کہہ سکتی ہیں۔

''تم میری وجہ سے پریشان رہے اس کے لئے سوری میری جان۔'' وہ ہمیشہ کی طرح شفقت سے مسکراتے ہوئے بولیں، تو عیسیٰ احمد نے ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر عقیدت سے آنکھوں سے لگالیا۔

''آپ بس مجھ سے وعدہ کریں، آپ میرے پاس رہیں گی، کبھی مجھ سے دور نہیں جائیں گی۔'' وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح یقین دہانی چاہتا تھا، وہ اس بچے کی طرح خوفزدہ تھا جس کا ہاتھ انجانے میں میلے میں اپنی ماں کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور پھر دوبارہ ماں کے ملنے پر وہ خوفزدہ ہو کر اس کا ہاتھ بہت زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے، کہیں دوبارہ نہ چھوٹ جائے۔

آج کا دن بہت روشن اور نکھرا ہوا تھا، ڈیڈی بھی آ گئے تھے، وہ ماما کے پاس بیٹھے تھے، عیسیٰ احمد کو اب عروبہ غضنفر کی یاد آنے لگی تھی، اس کی تکلیف اور بے بسی شدت سے ستانے لگی تھی، ماما کی حالت نے اسے عروبہ غضنفر کی مدد سے روک دیا تھا، چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی مدد نہ کر سکا تھا۔

''میرے بتائے بغیر آ جانے سے سب نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔'' اس خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اپنا موبائل بھی وہ جلدی میں اٹھانا بھول گیا تھا۔

''کیسے معلوم کروں اس کی خیریت؟''

اسے بہت فکر ہو رہی تھی، بالآخر وہ گھر چلا آیا، لاؤنج میں صوفیہ آنٹی بیٹھی سکون سے ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔

''عیسیٰ تم؟'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''مجھے عروبہ سے ملنا ہے۔'' وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

''عروبہ!'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولیں، وہ خاموشی سے انہیں دیکھے گیا۔

''اس کی تو شادی کر دی غضنفر نے۔'' عیسیٰ احمد کو لگا جیسے کسی نے اس پر ساتوں آسمان گرا دیے ہوں، اسے یقین نہ آ رہا تھا وہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ خود کلامی انداز میں زیر لب بڑبڑایا اور اس کی بڑبڑاہٹ وہ سن چکی تھیں۔

''ایسا ہو چکا ہے بیٹا، اتنے اپ سیٹ مت ہو، وہ آوارہ لڑکی تمہیں ڈیزروہی نہیں کرتی تھی۔'' عیسیٰ احمد کو کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، اسے لگا تھا دنیا ایک دم اندھیری ہو گئی ہے، ہر سو سیاہی پھیل گئی ہے، عروبہ غضنفر اس سے بچھڑ گئی تھی، ہمیشہ کے لئے اس سے دور چلی گئی تھی، کبھی بھی اس کی زندگی میں واپس نہ آنے کے لئے۔

''رکو عیسیٰ!'' وہ مڑا تو انہوں نے پکارا، اسی لمحے لاؤنج میں نویلہ داخل ہوئی تھی، عیسیٰ احمد کو سامنے دیکھ کر اس کا اتنے دن کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''بہت برا کیا آپ نے، میں آپ کو کبھی معاف نہ کروں گا۔'' وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھا تھا، نویلہ بھی اس کے پیچھے گئی تھی۔

''عیسیٰ!'' اس نے شدتوں سے اسے پکارا

تھا۔

''پلیز میری بات سنیں۔'' وہ نہ رکا، نویلہ بھاگ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''جو کچھ ماما نے کیا وہ ٹھیک نہیں تھا، پلیز اس کی سزا مت دیں مجھے، میں آپ سے......''

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔'' وہ غصے سے دھاڑا تھا، مگر نویلہ نے ہمت نہ ہاری، وہ جانتی تھی اگر آج موقع گنوا دیا تو شاید ساری زندگی پچھتانا پڑے۔

''میں آپ کے لئے سب کو چھوڑ دوں گی، آپ کہیں گے تو ماما کو بھی۔'' ستون کی اوٹ میں کھڑی صوفیہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا، انہیں یاد آیا اسی طرح برسوں پہلے انہوں نے غضنفر علی سے محبت کی بھیک مانگی تھی اور آج تک وہ ان کے سامنے بھکارن ہی تھی، وہ جانتی تھیں بھیک اور خیرات میں ملی محبت کوئی خوشی اور سکون نہیں دیتی۔

''شدید نفرت کرتا ہوں میں اس گھر کے مکینوں سے، شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا کسی کی۔'' نویلہ کے ہاتھ کو جھٹک کر وہ باہر نکل گیا تھا، وہ خالی کاسہ دل لئے کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

☆☆☆

امی کی طبیعت بہت خراب تھی، فروا نے بہت مشکل سے انہیں میڈیسن کھلا کر سلایا تھا، وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی، اس کا دم اندر گھٹ رہا تھا، وہ لان میں ٹہلنے لگی۔

''ایک دن تم بھی مجھے چھوڑ جاؤ گی۔'' کوئی اس کے آس پاس بولا تھا، اس نے تڑپ کر اردگرد دیکھا۔

''جو گندگی لگ جائے تو وہ صاف ہو جاتی ہے مگر جو کیچڑ انسان دوسرے انسانوں کے کردار پر اچھالتے ہیں وہ صاف نہیں ہوتا کبھی بھی۔'' بھیگا اداس لہجہ اس کے قریب ابھرا تھا، فروا کا دل کٹنے لگا تھا۔

''کیوں کیا میں نے ایسا تمہارے ساتھ، تم تو بہت اچھی تھی، بہت نرم مزاج، احساس کرنے والی، معاف کر دینے والی، کیا اب اگر میں تم سے معافی مانگوں تو تم مجھے معاف کر دو گی؟'' اس کے ذہن میں سوالات کی یلغار تھی، دل تھا کہ کسی طرح نہ سنبھلتا تھا، اسے کبھی عروبہ کے دکھ رلاتے اور کبھی امی کے۔

''آہ۔'' اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی۔

''عیسٰی احمد!'' دل میں ایک عجیب سا درد اٹھا تھا۔

''تو اب تمہاری یادوں کو ہمیشہ کے لئے دل کے قبرستان میں دفن کرنا پڑے گا۔'' آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے تھے۔

کچھ اسیر لوگوں کے
ہاتھ کی لکیروں میں
قسمتیں نہیں ہوتیں
عمر قید ہوتی ہے
جگ ہنسائی ہوتی ہے
کب رہائی ہوتی ہے؟؟؟
بس جدائی ہوتی ہے

وہ واپس کمرے میں آ گئی تھی۔

''امی!'' وہ تیزی سے ان کے قریب آئی تھی، ان کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔

''کیا ہوا آپ کو؟'' اس کی جان پر بن آئی تھی۔

''موسیٰ...... کو...... بلاؤ۔'' وہ بمشکل بول پائیں، فروا تیزی سے باہر کی جانب بڑھی، موسیٰ علی کے بیڈروم کے سامنے کھڑی وہ زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہی تھی۔

☆☆☆

صوفیہ کے بہت سمجھانے کے بعد غفنفر علی آفس آ گئے تھے، انہیں لوگوں کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا، خوف محسوس ہو رہا تھا، مگر صوفیہ نے انہیں یقین دلایا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

وہ سیدھے اپنے آفس میں آئے تھے، لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھ کر وہ چیئر پر بیٹھ گئے تھے، ان کی سیکرٹری سلام کر کے اندر آئی تھی۔

''سر یہ کچھ فائلز پر آپ کے سائن چاہئیں۔'' اس نے فائلز ان کے سامنے میز پر رکھ دی تھیں، وہ خاموشی سے ان پر سائن کرنے لگے، کچھ ضروری باتیں ڈسکس کر کے وہ چلی گئی، وہ بھی بزی ہو گئے، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

''سر یہ آپ کے لئے۔'' اس نے لفافہ ان کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ایک لڑکی آپ سے ملنے آئی تھی، جاتے ہوئے یہ دے کر گئی اور کہا تھا جیسے ہی آپ آفس آئیں یہ آپ کو دے دوں۔'' غفنفر علی نے صرف سر ہلایا وہ باہر چلی گئی، انہوں نے پرتجسس انداز میں لفافہ کھولا تھا۔

''جی تو نہیں چاہ رہا کہ آپ کو سلام کروں مگر یہ میری تربیت نہیں ہے، اس لئے بہت مجبوری کے ساتھ۔''

''السلام علیکم!''

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کہاں سے بات شروع کروں، میں نا تو آپ سے اپنا حق مانگنا چاہتی ہوں، نہ ہی آپ پر کوئی حق جتا کر مجھے خوشی محسوس ہوگی، آپ میری ماں اور بہن کی خوشیوں کے قاتل ہیں، آپ ان دونوں کو تحفظ نہ دے سکے، میری ماں کے ساتھ آپ کی ماں، بہن اور صوفیہ نے مجھے بھی اس وقت گھر سے نکال دیا جب میں اور عروبہ صرف دو دن کی تھیں، آپ کتنے بے حس انسان ہیں، آپ ہم تینوں کو تحفظ نہ دے سکے، صوفیہ جیسی مکار اور ڈرامے باز عورت نے آپ کو جو دکھایا آپ نے اسے سچ سمجھا۔''

''خیر بات یہاں میری بہن اور ماں کے کردار کی نہیں ہو رہی، نا مجھے کوئی صفائی دینی ہے، میری ماں نے ساری زندگی مجھ سے حقیقت چھپائی رکھی، آج بھی پتا نہ چلتا اگر کل رات میں ان کا پیچھا کرتی آپ کے گھر تک نہ آتی اور امی اور صوفیہ کی باتیں نہ سن لیتیں، وہ عورت ہی آپ کو سوٹ کرتی ہے، وہ بھی آپ جیسی بے حس اور ظالم ہے، اس نے انیس سال پہلے جو ظلم میری ماں پر کیا کل میری بہن پر وہی ظلم کیا، میری ماں کو اس نے آپ سے ملنے نہ دیا انہیں ایک مرتبہ پھر دھکے دے کر گھر سے نکالا، عروبہ نے آپ کے پاس رہ کر بہت دکھ اٹھائے، ہاں اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں، میں نے اپنی ماں کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی دکھ نہیں اٹھایا، لیکن محرومیوں میں زندگی گزاری۔''

''میری امی نے مجھے کبھی آپ کے متعلق نہیں بتایا، نہ بتانا چاہتی تھیں، کیونکہ وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ میں اپنے باپ سے نفرت کروں، مگر میں غفنفر علی آپ کو آج یہ بتانے آئی تھی کہ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت، میری بدقسمتی ہے کہ مجھے اس دنیا میں آپ لائے، کاش پیدا ہوتے ہی مر جاتی، کاش میں آپ کی بیٹی نہ ہوتی، کاش میرے اور عروبہ کے باپ آپ نہ ہوتے میری امی کا شوہر کوئی ایسا شخص ہوتا جو ہمیں عزت اور تحفظ دیتا، اگر میری باتوں کا یقین نہ آئے تو اس ایڈریس پر تشریف لے آئیں، سب ثبوت مل جائیں گے۔''

فروا بنت گل افزاء

(باقی آئندہ ماہ)

ثمینہ چوہدری

''چھوڑو میرا ہاتھ وحشی انسان؟''

وہ سختی سے اس کے ہاتھوں کو اپنے کھردرے ہاتھوں میں جکڑے تقریباً گھسیٹتے ہوئے نیچے لے کر آیا تھا، وہ اس کے شکنجے سے خود کو چھڑوانے کی حتی المکان کوشش کر رہی تھی مگر بے سود، اس کی گرفت حد درجہ مضبوط تھی، وہ اسے کھینچ کر لاؤنج میں لے آیا تھا جہاں چھوٹی مما بیٹھی تھیں، ان سے تھوڑے فاصلے پر طارق صاحب مختلف اردو انگریزی کے اخبار پھیلائے بیٹھے تھے، ابھی دفتر جانے میں وقت تھا، جب عجیب سے شوروغل سے وہ دونوں چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگے تھے جہاں سے یہ بے ہنگم شور اٹھ رہا تھا، ہادی عروج کو تقریباً کھینچتے ہوئے لے کر آیا تھا اور اسے چھوٹی مما کے پیروں میں لا پٹخا تھا، کچھ ثانیے تو وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی سامنے سفید پاؤں جو سیاہ جوتوں میں قید کیے

ناولٹ

کیونکس لگائے براجمان تھے، اس ایک لمحے سے اسے نفرت تھی، ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے گالوں کو چھوتا ہوا ان سفید پاؤں پر جا گرا تھا، وہ سفید پاؤں والی تڑپ کر رہ گئی تھی، اس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر سامنے بیٹھی عورت کو نفرت سے دیکھا تھا، وہ پہلے بھی اس سے شدید نفرت کرتی تھی مگر اب یہ نفرت اپنی آخری حد پر تھی۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے برخودار۔'' طارق صاحب کی آواز میں ناگواری شامل تھی، انہیں بالکل اچھا نہیں لگا تھا اس کا یوں اپنی بیوی کو کھینچتے ہوئے لا کر چھوٹی مما کے قدموں میں پھینک دیا۔

''اسے چھوٹی مما سے معافی مانگنی ہو گی ورنہ میں اسے ابھی اس گھر سے باہر پھینک دوں گا'' اس کے انداز اس کے لب و لہجے میں ہزار سانپ پھنکارے تھے، اے سی کی خنکی کے باوجود یوں لگنے لگا تھا جیسے کمرے میں دوزخ کی سی گرمی

سرائیت کر گئی ہے۔
عروج نے سر اٹھا کر چھوٹی مما کو دیکھا تھا کیا کیا نہیں تھا اس کی نگاہوں میں، دکھ بے بسی شکوے، نفرت، انہوں نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لی تھیں، وہ اس کی آنکھوں میں جھانک نہیں سکی تھیں، زیادہ دیر۔
''میں معافی نہیں مانگوں گی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا، اب وہ قدرے سنبھل گئی تھی، چھوٹی مما کے قدموں سے اٹھ کر قدرے دور جا کھڑی ہوئی تھی۔
''میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔'' ہر مرد کا آخری ہتھیار۔
مگر وہ جانتا نہیں تھا کہ وہ ہر دھمکی سے ماوراء ہو چکی تھی، اس کے لئے ہر چیز بے معنی ہو چکی تھی۔
''تو دو ناں۔'' بے تحاشہ رونے کی وجہ سے اس کی آواز روند گئی تھی، چھوٹی مما کا دل چاہا کہ اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیں مگر جہاں کھڑی تھیں وہیں رہ گئیں، طارق صاحب بھی حتی المقدور کوشش کر رہے تھے مگر وہ قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا، اوپر سے عروج کی ہٹ دھرمی، وہ دونوں ہی ہٹ کے پکے تھے۔
''تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں جو لینا ہے لے لو۔'' اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی۔
عروج نے ایک نظر چھوٹی مما پر ڈالی تھی، وہ اس کی نظروں کے مفہوم سے بخوبی آگاہ تھیں، وہ جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ آپ کے لئے آخری موقع ہے مگر وہ اب بھی ساکت و جامد تھیں، انہوں نے وہ موقعہ بھی گنوا دیا تھا۔
''مجھے تمہارے اس دولت کدے سے کچھ نہیں چاہیے، میں خالی ہاتھ آئی تھی اور خالی ہاتھ ہی جانا پسند کروں گی، مجھے بھیک نہیں چاہیے۔''
وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر باہر کی طرف بڑھی تھی، وہ ہر بار اس کی انا کو کاری ضرب لگا کر جاتی تھی، وہ بلبلا کر رہ جاتا تھا۔
''عروج بیٹا! آپ کو ڈرائیور چھوڑ دے گا۔'' یہ طارق صاحب تھے اس کے لئے اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا تھا اگر چھوٹی مما یا ہادی ہوتا تو بے حد کرارا جواب تیار تھا۔
اس نے نکلتے ہوئے ایک نفرت بھری نظر اس ساکت و جامد عورت پر ڈالی تھی، جو اک آخری امید اس نے لگائی تھی، وہ بھی بجھ گئی تھی ختم ہو گئی تھی اپنی موت مر گئی تھی، اب اسے تاعمر اپنی ادھوری خواہشوں کی قبریں کھودنی تھیں، اسے اب ہر رشتے کو اس میں دفن کرنا تھا۔
☆☆☆
جس وقت ڈرائیور نے اسے گھر کے سامنے اتارا تھا اس سے سورج اپنے جوبن پر تھا، یہ جس جگہ وہ رہتی تھی وہاں راتیں بولتیں تھیں اور دن خاموش رہتے تھے، دوکانوں کے پھاٹک نیچے تھے اور گھروں کے کواڑ بند، اس نے قدرے ٹھہرے ہوئے انداز میں دروازہ کھٹکھٹایا تھا، دنیا ستارہ بائی اور رشید ستار والے المعروف شیدے ٹلی کی بیٹی کو وہ عزت نہیں مل سکتی تھی چاہے وہ اپنے آپ کو بیچ کر بھی آ جائیں، ابے نے دروازہ کھولا تھا، وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔
بیرونی دروازہ ڈیوڑھی میں کھلتا تھا جس کے ایک طرف بیٹھک تھی جس پر فرشی انتظام تھا گاؤ تکیے لگے تھے، قالین بچھے تھے، جبکہ دوسری سمت مہمان خانہ تھا، ڈیوڑھی کو پار کر کے دائیں طرف دو کمرے تھے جبکہ بائیں طرف باورچی خانہ اور واش رومز تھے اور ساتھ ہی سیڑھیاں اوپر جاتیں تھیں، سامنے بھی دو کمرے تھے اور ایک گول

برآمدہ، صحن میں منی پلانٹس اور گملوں کی بھرمار تھی۔
"دیکھ ستارہ کون آیا اے، اپنی دھی رانی۔"
شاید اس نے ٹھیک سے اس کی کیفیت دیکھی نہیں تھی جو کواڑ بند کرتے کرتے جھکا تھا، ستارہ بھی سامنے والے کمرے سے باہر نکل آئی تھی، وہ صحن کے عین وسط میں پڑے تخت پر جیسے ڈھے سی گئی تھی، اب کے وہ دونوں چونکے تھے۔
"اماں ابا!" اس نے ٹوٹے ہوئے انداز میں انہیں پکارا تھا۔
"اس نے مجھے گھر سے نکال دیا، میں ایک بار پھر سے دربدر ہوگئی اس عورت کی وجہ سے، وہ کیوں آجاتی ہے ہمیشہ میرے راستے میں، میں جتنا بھی راستہ بدل لوں میں جتنی بھی اس سے بچنے کی سعی کرلوں میں ہر بار برباد ہوجاتی ہوں، اکیلی رہ جاتی ہوں۔" وہ اضطراری حالت میں سر اِدھر اُدھر ہلا رہی تھی، وہ دونوں بوڑھے نفوس جو اسے دیکھ کر جیتے تھے یوں روتے دیکھ کر مرنے والے ہوگئے تھے، ستارہ نے اسے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا تھا، شیدا پاس پڑی کین کی کرسی تخت کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔
کبھی اچھا وقت ہوتا ہوگا جب ستارہ رقص کرتی تھی اور شیدے کی انگلیاں ستار کو کسی جادوگر کی طرح چھیڑتا تھا تو ہر سو رنگ بکھر جاتے تھے، مگر اب ہر سو مفلسی ڈیرے ڈالے بیٹھی تھی، بے چارگی، مفلسی، بدحالی اس گھر کے ٹریڈ مارک بن گئے تھے۔
"ہادی نے تجھے کچھ کہا؟" اپنے ساتھ لگائے لگائے اس نے پوچھا تھا۔
ہادی کا برتاؤ، ہر چیز پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی تھی، کوئی بھی تو نہیں تھا وہاں اپنا، کیسے بے عزت ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے، ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی۔
"گھر سے نکال دیا ہے۔" وہ اب بھی ستارہ کی آغوش میں تھی، اس کی حالت سے دونوں کے دل کٹ سے گئے تھے، ستارہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے تھے۔
"ارے خدا کی مار، ناس پیٹے نے تجھے مارا ہے۔" اس کے چہرے پر تھپڑ پر بازوؤں پر نیل کے نشان تھے، گھسیٹنے کی وجہ سے گھٹنے پر بھی چوٹیں لگیں تھیں۔
"ہا...... ہائے وحشی درندہ کیسے نچوڑ ڈالا میری بچی کو۔" ستارہ خود بھی رونے لگی تھی، پھر جیسے کچھ یاد آیا تو اس نے پھر سے پوچھا۔
"اس نے نہیں روکا تھا؟" قدرے رازدار انداز میں پوچھا گیا۔
اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا، وہ کیا بتاتی کے وہ دیکھتی رہی کیسے ہادی بے دردی سے اسے پیٹ رہا تھا، اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی، اس کا ہاتھ نہیں روکا تھا، اس نے پکڑ کر اپنے سینے سے نہیں لگایا تھا۔
"میری سوچ سے زیادہ ظالم نکلی وہ بدبخت۔" ستارہ نے اسے کوسا تھا۔
"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔" شیدے سے بھی بیٹی کا دکھ دیکھا نہیں گیا تھا، دل اپنی بے بسی پر تڑپ سا گیا تھا، کیسی مفلسی، بدحالی، تنگدستی، بے بسی سی در آئی تھی، ان تین نفوس کی زندگی میں، عزت شاید سب سے بڑا جرم ہوتا ہے اور بیٹی کے ماں باپ کے لئے سنگین جرم مگر ماں باپ اگر غریب ہوں تو پھر......؟
"نہیں ابا! ضرورت نہیں، ان زخموں پر اگر مرہم لگ بھی جائے تو دل پر لگے زخموں کیا کریں گے؟ ان چوٹوں نے میرے جسم سے زیادہ

میرے دل کو گھاؤ دیئے ہیں، بعض اوقات خون کے رشتے محض بودے بدصورت دبے بن جاتے ہیں، ایسا بوجھ جسے ہم اٹھا ہی نہیں سکتے اور گرا بھی نہیں سکتے، اس بوری کو کندھے پر لٹکائے ہی پھرنا پڑتا ہے۔'' ایک حزن ایک کرب پوشیدہ تھا اس کے ہر ہر لہجے میں انداز میں بات میں، وہ دونوں چپکے بیٹھے رہے تھے ایسے چپ جیسے اندر بے پناہ شور ہو مگر باہر جامد چپ یا پھر جیسے ہم اپنے اندر کے شور سے ہی گھبرا گئے ہوں اسے اپنے چہرے سے عیاں ہوتے دیکھ کر ڈر گئے ہوں، اس نے آنکھیں میچ لی تھیں۔

☆☆☆

''عروج!''

وہ ٹرے سجائے صحن میں پڑے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی، ٹرے میں بڑے سلیقے سے سالن کی کٹوری، پلیٹ میں رکھی روٹی اور پانی کا گلاس تھا، ایک چھوٹی سی کٹوری میں کھیرے کے ٹکڑے تھے اور دوسری میں اچار، وہ جب سے آئی تھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا، اس کے لئے گھر میں اس وقت جو بھی موجود تھا ستارہ نے لا حاضر کیا تھا، عروج اپنے کمرے سے نکل آئی تھی، کپڑے اب اس نے بدل لئے تھے، سادہ سا بلیو اور گرین پرنٹ کا لان کا سوٹ اور ہم رنگ دوپٹہ، زخموں کے نشان جا بجا ویسے ہی تھے مگر سلیقے سے بندھے بالوں کی وجہ سے اب حالت قدرے بہتر تھی۔

اس نے کوئی بھی نخرہ کیے بغیر چھوٹے چھوٹے نوالے لے کر کھانا کھانا شروع کر دیا تھا، اماں اٹھ کر چائے بنانے چلی گئیں تھیں، ان کے جاتے ہی نوالہ یونہی ہاتھ میں پکڑے وہ بے دھیانی میں کہیں کھو سی گئی تھی۔

''آپ کو پتا ہے دو سٹاپ مجھے اتر کر وہاں سے پیدل چل کر آئی ہوں مبادا کسی کو میرے محلے یا میری شناخت کا نہ پتا چل جائے۔'' غصے تھکاوٹ اور ناراضگی سے بھری قدرے تیز آواز، اس نے تخت پر اپنا بیگ پھینکا تھا، دھوپ سے چہرہ تمتما رہا تھا، اماں جھٹ سے کپ سے بنا کر فریج میں رکھا ہوا روح افزا لے آئیں تھیں، اس نے پکڑ کر ایک ہی گھونٹ میں گھٹ گھٹ چڑھا لیا تھا۔

''بیٹا! اپنی شناخت سے بھاگتے نہیں ہیں، کیا ضرورت تھی تجھے دو اسٹاپ پیچھے اترنے کی؟'' ستارہ نے خفگی سے پوچھا تھا۔

''اماں! آپ نہیں جانتیں لوگ کتنی کٹ لگاتے ہیں اور کچھ تو مفت کا مال سمجھنے لگ جاتے ہیں زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔'' سچ ہی تو کہہ رہی تھی، وہ بھی، ستارہ ہمیشہ اسے سینت سینت کر متاع جان کی طرح رکھتی تھی، وہ دھندہ نہیں کرتی تھی محض ایک اچھی رقاصہ تھی جو رشید کے ستار کے سروں پر تھرکتی تھی مگر پھر بھی زندگی دوبھر ہی گزاری تھی، ایسے جیسے چکی کے دو پاٹوں میں پستی رہی ہو ساری زندگی، زندگی بہتر بنانے کی جستجو میں نہ زندگی بہتر ہوئی نہ جگہ، ویسی ہی زندگی وہی محلہ۔

''آئندہ میں اپنی دھی کو جہاں سے وہ کہے گی لے آیا کروں گا۔'' رشید کی ستار کی پریکٹس ختم ہو گئی تھی وہ بھی بیٹھک سے نکل آیا تھا۔

''ابا آپ کے پاس سائیکل ہے بیچارو نہیں۔'' رشید کی آفر پر خوش ہونے کے وہ الٹا اور خفا ہو گئی تھی۔

''تو کیا سائیکل پر بیٹھنے سے بھی تیری عزت گھٹتی ہے؟'' ستارہ نے گھرکا تھا، اس نے بادل نخواستہ اثبات میں سر ہلایا تھا کیونکہ پیدل آنے سے ہزار درجہ بہتر تھا سائیکل پر آنا، پھر وہ دو اسٹاپ پیچھے اتر جاتی اور رشید اسے وہاں سے

بٹھا کر گھر لے آتا، زندگی کتنی سادہ تھی، بہت ساری الجھنوں سے مبرا، ایک سیدھا سپاٹ راستہ اور بس، اسے بس اپنی شناخت سے شکایت تھی، اپنے محلے، اپنی پیدائش سے شکوہ تھا صرف، مگر اب تو جیسے مکمل زندگی ہی شکوہ کناں تھی۔

وہ تھی بھی تو سب سے مختلف حتی کہ اپنی ماں ستارہ جہاں سے بھی یکسر مختلف، ستارہ جہاں ایک عام سے نقوش والی قدرے دبلی پتلی عورت تھی جبکہ اس کے اک اک نقوش میں جیسے کوئی خاص بات تھی، رشید بھی کوئی ایسا پرنس چارمنگ نہیں تھا، دو بالکل عام سے لوگوں کی جوڑی تھی جن کی بیٹی بہت خاص تھی۔

''عروج پتر! کہاں کھوگئی ہوتم؟'' چائے کا گرما گرما بھاپ اڑاتا کپ اس کے سامنے تھا، اسے خیالوں سے نکالنے کے لئے ستارہ نے چمچ سے کپ کے پیندے پر ضرب لگائی تھی، یک بارگی وہ اپنے خیالوں سے باہر کودی تھی۔

''کہیں نہیں۔'' اس نے سر جھٹک کر اپنے ہاتھ میں پکڑے نوالے کو دیکھا تھا، کھانا جوں کا توں پڑا تھا، جیسے لائی تھی۔

''ویسے ہی پڑا ہے، چھوڑ دے، دفع کر، مت سوچ اتنا سوچیں انسان کو مزید پریشانیوں کی طرف دھکیل دیتی ہیں، ساری خوشی چھین لیتی ہیں، ہم ہیں ناں تیرے لئے سوچنے کے لئے۔''

وہ بہت عاجز تھے کہ کیسے اس کے چہرے پر خوشی بکھیر دے، اس کے چہرے پر استہزائیہ ہنسی پھیل گئی تھی، کتنی خوش فہم تھی ستارہ حالانکہ اوقات اتنی نہیں تھی کہ جا کر بیٹی کی اتنی بے عزتی ذلت کا حساب ہی مانگ لے، شاید اسے عروج سے بھی زیادہ تسلی کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر چلی آئیں تھیں۔

چند ثانیے تو انہیں جیسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا تھا کہ کیا کریں پھر ایک اندازے سے آگے بڑھ کر انہوں نے سوئچ بورڈ تلاش کیا اور لائٹس آن کیں، کچھ لمحے تو انہیں یقین کرنے میں ہی لگ گئے تھے، کہ یہ ان کے اپنے بیٹے ہادی طارق کا کمرہ تھا۔

بے ترتیبی سی بے ترتیبی، کشنز نیچے پڑے تھے اور بیڈ شیٹ اور سرہانے بھی، جا بجا سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے اور راکھ، کافی کے کپ، کوک کے کین، انرجی ڈرنک کے خالی ڈبے اور وہ خود شارٹس اور ٹی شرٹ میں صوفے پر اوندھا لیٹا تھا، ایسا بے خبر بے نیاز کے لائٹس آن ہونے اور اپنے کمرے میں کسی کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

''ہادی!'' انہوں نے آہستگی سے اسے پکارا تھا، کہ وہ سو نہ رہا ہو، وہ خود بھی کہیں جانے کے لئے تک سک سے تیار کھڑی تھی، پرپل پلین کرنکل شیفون کی بالکل سادہ ساڑھی جس میں ان کی دودھیا سفید رنگت لشکارے مار رہی تھی، ہم رنگ موتیوں کی مالا اور ٹاپس، کالی چادر نے دونوں کندھے ڈھانپے ہوئے تھے جو انہیں مزید نکھار ہی بخش رہی تھی، دونوں ہاتھوں میں ایک ایک انگوٹھی جس کا حجم تین انگلیوں میں پھیلا ہوا تھا بلاشبہ بے حد اچھی بے حد بھلی محسوس ہو رہی تھیں، ڈریسنگ ان پر ختم تھی۔

''جی چھوٹی مما۔'' وہ ان کے ہلکے سے پکارنے پر ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

وہ ان کا سگا بیٹا نہیں تھا بلکہ طارق صاحب کی پہلی بیوی سے تھا، جو ہادی کے بچپن میں ہی انہیں چھوڑ کر چلی گئیں تھیں، سروج نے شادی کے بعد ہادی کو سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور بڑے ناز و نعم سے پالا تھا، بھرپور وقت دیا تھا، اتنا شاید اس کی سگی ماں بھی نہ دے پاتی، اس لئے وہ

ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور بعض اوقات محبت پر عزت بھاری پڑ جاتی ہے۔

''بیٹا! تمہیں عروج کے ساتھ ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

''آپ اب بھی اس کی طرف داری کر رہی ہیں حالانکہ جو اس نے کیا میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ہادی کو عروج کے سخت اور بدتمیزانہ رویئے پر جو اس نے چھوٹی مما سے رکھا تھا شدید دکھ تھا۔

''میں طرف داری نہیں کر رہی ہوں بعض اوقات ہم کسی کے بارے میں اتنے پوزیسو ہوتے ہیں کہ اس کی زرد سی توجہ کسی اور پر برداشت نہیں کر پاتے، بس وہ تھوڑی پوزیسو تھی اور کچھ نہیں۔'' وہ اب بھی کمرے کے وسط میں کھڑی تھیں۔

''آپ کوئی اور نہیں ہیں۔'' وہ غصہ ہوا تھا۔

''کیا اسے اتنا سا بھی یقین نہیں تھا کہ میں صرف اسی کا ہوں۔'' وہ جیسے شکوہ کناں ہو۔

''یقین دلایا جاتا ہے میرے بیٹے! اور تم تو جیسے اس کی ساس ہی بن گئے تھے، ہر وقت کی روک ٹوک، لڑائی، طعنے، کبھی اسے پیار سے بھی سمجھایا کبھی تحمل سے بھی سچویشن کو ہینڈل کیا تم نے؟'' وہ اسے ہی گھرک رہی تھیں۔

وہ چپ چاپ سر جھکائے، آنکھیں اپنے پیروں پر گاڑھے بالوں میں انگلیاں پھنسائے انہیں سنتا رہا، دل میں ان کے لئے عزت کئی گناہ بڑھ گئی تھی جو عروج کی اتنی بدتمیزی کے باوجود بھی اس کی طرف داری کر رہی تھیں۔

''میرے آنے تک مجھے میرا بیٹا واپس چاہیے، ٹھیک ہے ناں؟''

''جی۔'' وہ محض سر ہلا سکا تھا۔

دل جیسے کسی گہرائی میں جا گھرا تھا، عروج سے دور ہونا اس کے لئے بے حد جاں گسل، تکلیف دہ عمل تھا، اس کے بغیر اک اک پل جیسے محال تھا، مگر اس کی مردانہ انا پر وہ کاری ضرب لگا کہ گئی تھی، کیا تھا جو محض اس کے لئے وہ چھوٹی مما کی عزت کر لیتی، ان سے بیر نہ باندھتی تو زندگی کتنی مکمل، کتنی پرفیکٹ ہوتی۔

☆☆☆

صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے تفصیلی صفائی کا عمل شروع کیا تھا۔

جب تک وہ تھی وہ ہر چیز بڑے سلیقے اور قرینے سے رکھتی تھی مگر اس کے جانے کے بعد ستارہ نے جیسے مٹی سے کوئی معاہدہ کیا تھا ماسوائے بٹھک کے ہر چیز پر ایک ایک انچ دھول کی دبیز طے جمی تھی، وہ دونوں میاں بیوی قدرے دیر سے ہی اٹھتے تھے، مگر آج شڑاپ شڑاپ اور اٹھک بٹھک کی آواز سے اپنے معمول سے پہلے ہی جاگ گئے تھے، تب تک وہ ان کا کمرہ چھوڑ کر باقی سارا گھر اپنی اصلیت پر لا چکی تھی، صحن میں بے شمار منی پلانٹس تھے مگر ستارہ یا رشید اپنا خیال رکھ لیتے یہیں بہت بڑی بات تھی کجا کہ گھر کی چیزوں کا دھیان رکھتے، ستارہ اب گھر سے کم ہی نکلتی تھی جبکہ رشید دیوڑھی میں چارپائی رکھے پڑا کھانستا رہتا۔

''کیسا نور بکھرا پڑا ہے گھر میں، گھر کی دھی لوٹ آئی ہے ناں۔'' رشید نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، پھر پلٹ کر ستارہ سے بولا۔

''میں جا کر حلوہ پوری کا ناشتہ لے کر آتا ہوں، تم میرے آنے تک چائے بناؤ۔'' وہ دیوڑھی پار کر کے گھر سے باہر جا چکا تھا، وہ پائپ سمیٹ کر موٹر کے پاس رکھتے ہوئے آ کر تخت پر لیٹ گئی، بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی، ستارہ چائے کا پانی چڑھا کر دوبارہ اس کے پاس آ بیٹھی

تھی۔
''آج نجو کی طرف ہو آنا، تجھے بڑا یاد کر رہی تھی۔'' عروج ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی، چہرے پر دکھ نفرت، ناگواری کے واضح تاثرات تھے، وہ بھلا کیسے بھول سکتی تھی اس عورت کو، وہ ستارہ سے کچھ بھی کہے بغیر اندر جا چکی تھی، ستارہ ان دونوں کی دیرینہ چپقلش سے بخوبی آگاہ تھی، وہ تو محض اسے گھر سے نکالنے کی غرض سے بولی تھی پر پانسے الٹے پڑ گئے تھے۔

وہ دروازے کو لاک لگا کر صوفے پر ہی بیٹھ گئی تھی، آنسو جا بجا چہرے پر چھب دکھلا رہے تھے، نجو ستارہ کی چھوٹی بہن تھی مگر بلا کی تماش بین جیسے وہ تماشہ خود لگاتی یا پھر تیلی لگا کر دیکھتی، اسے بہت سارے گلے تھے اپنی شناخت سے مگر وہ جانتی نہیں تھی کہ یہ شناخت ہی اس کی اپنی نہیں تھی مستعار لی گئی تھی۔

نجو کے ہاں کوئی بڑی محفل تھی جس میں ان دونوں کو بھی اس نے مدعو کیا تھا، بلکہ وہ اکثر ستارہ سے کہتی تھی کہ اپنی جگہ پر عروج کو بٹھا دے مگر وہ ہمیشہ سختی سے انکار کر دیتی تھی، ہونے کو سب کچھ چوپٹ ہو جائے مگر میں عروج کو نہ بٹھاؤں گی، وہ ہمیشہ سے کہتی تھی۔

وہ ستارہ کو نجو کے پاس چھوڑ کر نجو کی بیٹیوں سے ملنے ان کے کمرے میں چلی گئی تھی، اس کی بیٹیوں کا بھی نجو جیسا حال تھا، اس لئے وہ انہیں زیادہ دیر برداشت نہیں کر پاتی تھی اس لئے پلٹ کر وہیں آ گئی جہاں ستارہ موجود تھی، ابھی وہ آدھی سیڑھیاں ہی اتری تھی۔

''کون سا تیری اپنی اولاد ہے اور جس کی تھی وہ تیری گود میں پھینک کر چلی گئی، اگر توں نے اسے اپنی جگہ پر نہ بٹھایا تو بوڑھا پا کیسے گزارے گی۔'' نجو ستارہ سے کہہ رہی تھی اور اس کا تو مانو سارا وجود ہی جیسے جھٹکوں کی زد میں تھا، وہ ستارہ کی اپنی بیٹی نہیں تھی۔

''بھلے سے وہ میری اولاد نہیں مگر اولاد سے بڑھ کر پالا ہے، کبھی نہیں بٹھاؤں گی اسے دھندے پر۔'' ستارہ کا لہجہ نا صرف حتمی تھا بلکہ قدرے مضبوط بھی، اس کا سارا وجود ایک جھٹکے میں پاش پاش ہو گیا تھا، ہر چیز ریزہ ریزہ۔

اس سے وہاں ٹھہرا نہیں گیا تھا اس لئے تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی تھی، جانے کتنی ٹھوکریں لگیں، کتنی دفعہ گرتے گرتے بچی مگر وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی، ستارہ اس کے پیچھے ہی لپکی تھی۔

اسے جیسے کسی انہونی کے احساس نے اندر سے نیم مردہ کر ڈالا تھا، وہ اس کے پیچھے پیچھے گھر پہنچی تو وہ تخت پر ہی بیٹھی تھی، ستارہ نے اسے گلے لگانا چاہا مگر، اس نے ہاتھ آگے کر کے روک دیا۔

''میں صرف سچ سننا چاہتی ہوں۔'' پتھر لہجہ، اس نے سر جھکا کر اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔

''اس دن سے اس کے دل میں اپنی ماں کے لئے بے تحاشہ نفرت پیدا ہوئی تھی، اتنی کہ اگر اس کی ماں سو دفعہ بھی جنم لے کر آئے تو وہ اسے معاف نہ کرے۔'' مگر ستارہ اور رشید سے اس کا رویہ قدرے بہتر ہو گیا تھا جیسے اپنی شناخت سے اس کے سارے شکوے ختم ہو گئے تھے۔

☆☆☆

جانے کتنی دیر ہو گئی تھی، اسے کمرے میں بند ہوئے، کب ناشتہ آیا، کب ختم ہوا، دن چڑھا دوپہر ہوئی اور اب دن ڈھلنے لگا تھا مگر وہ اپنے کمرے سے نہ نکلی، مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں، جب ستارہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

''عروج وہ بیگم صاحبہ آئی ہے، باہر بیٹھی ہے

تجھ سے ملنا چاہتی ہے۔'' اسے پتا تھا وہ باہر نہیں آئے گی مگر اس نے پہلی ہی دستک پر دروازہ کھولا تھا، وہ سامنے تخت کے پاس پڑی کین کی کرسی پر براجمان تھی۔

''کیوں آئی ہیں؟'' اس نے سپاٹ سے انداز میں کہا تھا۔

''جب جب تمہارا چہرہ دیکھتی ہوں نا تو خسارے کا احساس بڑھ جاتا ہے، اب کچھ نہیں بچا ہے یہاں، وہ معصوم بچی کب کی مر گئی جسے آپ کی ضرورت تھی، جو اپنی شناخت سے شکوہ کناں تھی، اب اس نے ہر حقیقت کو مان لیا ہے، اب ستارہ ناچنے والی اور رشید ستارو والا اس کے ماں باپ ہیں خدارا یہاں آ کر مجھے تکلیف مت دیا کریں۔'' وہ پھر سے اندر جا چکی تھی، وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئیں تھیں، قصور وار تو وہی تھیں، اب نفرت ہی ملنی تھی، انہیں لگا سب کچھ پا کر بھی وہ تہی داماں رہ گئی ہیں۔

☆☆☆

وہ ایک ارینج میرج تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے گلے کا طوق بن گئی تھی، کمپرومائز کرنا اس کی سرشت میں نہیں تھا مگر اس نے پھر بھی کوشش کی تھی کہ شاید حالات بدل جائیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے، اپنے شوہر کے کہنے پر اس نے نوکری بھی چھوڑ دی تھی مگر ڈیڑھ سال کے صبر آزما انتظار کے بعد بھی حالات بد سے بدتر ہی ہوئے تھے، اس کی حالت مزید دگرگوں ہی ہوتی چلی گئی تھی، نشے کی لت میں اس کا شوہر ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مر گیا تھا اور پھر جدوجہد کا نیا باب شروع ہوا۔

وہ سوچتی تھی کہ اسے اونچے گھر میں رہنا ہے مگر یہاں حالات یہ تھے کہ کرائے کا گھر بھی جیسے چھوڑنے کی نوبت آ گئی، وہ گھر سے نکلی اور اس نے نوکری کرنا شروع کی، وہیں اسے لگا کہ قسمت اس پر مہربان ہونے لگی تھی، وہ اپنی بیٹی کو پورا وقت نہیں دے پاتی تھی، ماں تھی نہیں سو میکہ بھی کہاں بچا تھا، لے دے کر ایک سہیلی بچتی تھی جو کبھی اسکول میں ساتھی تھی سو اپنی بیٹی کو لے کر اس کے در پر پہنچ گئی، ستارہ خدا ترس عورت تھی اور اولاد سے محروم، اس نے بڑی خوش دلی سے اس ننھی پری کو گلے سے لگایا تھا، وہ ہر ماہ معقول رقم بھجواتی تھی جس سے ستارہ کے بھی بہت سارے مسئلے حل ہو جاتے تھے، اس بچی کو وہاں چھوڑ کر اسے لگا جیسے ہر رکاوٹ ختم ہو گئی اور وہ آگے سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

اپنی بیٹی کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ کر اور جب ہوش آیا تو راستے بدل چکے تھے۔

☆☆☆

''اماں...... اماں؟'' عروج نے بے تابی سے ستارہ کو پکارا تھا، وہ شاید چھت پر تھی اس لئے وہ لگاتار آوازیں لگانے لگی۔

''ارے چھری تلے دم تو لو۔'' ستارہ ہانپتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر آئی تھی۔

''اماں! مجھے جاب کرنی ہے۔'' اس نے محض اطلاع دی تھی ویسے بھی جس جگہ وہ قیام پذیر تھیں، بیٹھ کر کھانے والی بیٹیوں کو نکھٹو کہا جاتا تھا اور پھر شادی خانہ بربادی سے پہلے بھی وہ بہت اچھی پوسٹ پر کام کر رہی تھی، وہ تو ہادی کے اصرار پر اسے چھوڑنی پڑی تھی، ستارہ کو کیا اعتراض ہونا تھا وہ تو الٹا خوش ہی ہوئی تھی، گھر میں بیٹھے رہنے سے اس کی سوچیں جامد سی ہو گئیں تھیں، ایک ہی نقطے، ایک ہی حظ پر ٹھہر گئیں تھیں، گھر سے نکلی تو حالات بھی بدلتے اور خیالات بھی، اس نے خوشی خوشی ہامی بھری تھی، اس نے انٹرنیٹ سے کافی ساری جابز نکال کر فائنل کی

تھیں، ایک جگہ پر واک ان انٹرویوز بھی تھے سو وہ کل کے لئے اپنی تیاری میں جت گئی تھی، اپنی تعلیمی اسناد، کل کیا پہنے گی، بہت سارے سوال اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''کیا پہنوں؟'' اس نے دانستگی میں اپنی سوچوں کو ایک طرف موڑا تھا تاکہ ہادی کے عفریت سے چھٹکارا پا سکے، وہ الماری الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی، ایک بھی ڈھنگ کا جوڑا نہ تھا اور جو تھے وہ غصے میں وہیں چھوڑ آئی تھی، بازار کا چکر ضروری تھا اس لئے وہ پرس اور چادر سنبھالتی ستارہ کو بتا کر باہر نکل آئی، لوگوں کے پیارے مر بھی تو جاتے ہیں مگر ضروریات زندگی پھر بھی باقی رہتی ہیں، کسی کے چلے جانے سے لوگ جینا تو نہیں چھوڑ دیتے بس زندگی گزارنے کے قرینے بدل جاتے ہیں، اس نے کافی ساری خریداری کی تھی، اپنے ستارہ اور رشید کے لئے، جو بھی تھا اب وہ عمر کے اس حصے میں تھا، جہاں انہیں توجہ اور خدمت کی سخت ضرورت تھی، اگلا دن بہت سارے خواب لے کر طلوع ہوا تھا، ستارہ سے دعائیں لے کر وہ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچی تھی۔

ذرا سا وہ پہن اوڑھ لیتی تو نکھر جاتی تھی اور آج تو وہ پھر اچھا تیار ہوئی تھی، ہر نظر جیسے اس پر ٹھہر گئی تھی، ہر نظر میں جیسے ستائش تھی اس کے لئے مگر اس کی بے نیازی حد سے سوا تھی، زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا تھا جب اسے اندر بلا لیا گیا تھا، کمرے کا ماحول قدرے خوابناک سا تھا، پروجیکٹر آن تھا اور مدھم مدھم روشنی اور اندھیرے کا حسین امتزاج تھا، کوئی لمبا چوڑا انٹرویو پینل بھی نہیں تھا بس کمپنی کا CEO ہی بیٹھا تھا۔

''بیٹھیں۔'' اس نے بیٹھ کر اپنی سی وی اس کی طرف کھسا دی تھی، وہ بڑے دھیان سے اس کی سی وی دیکھ رہا تھا، چند پل کمرے میں خاموشی چھائی رہی تھی پھر اس کی گمبھیر آواز نے اس خاموشی کو پاٹ لیا تھا۔

''کیا کیا سروسز دیں گی آپ؟'' جانے کیا پوچھ رہا تھا، کیا مطلب تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

''جو بھی میری ڈیوٹی میں شامل ہوں گی۔'' وہ یہی اندازہ لگا پائی تھی سو اپنے اندازے کے مطابق بول اٹھی۔

''اوا!'' اس نے ہونٹ سکیڑے تھے۔

''آپ کی سروسز میں مجھے انٹرٹین کرنا بھی شامل ہو تو؟'' اس نے ابرو اچکائے تھے۔

''جی۔'' اسے لگا تھا اس کی آنکھیں ابل کر باہر ٹپک پڑیں گی، کیا وہ وہی کہہ رہا تھا جو وہ سمجھ رہی تھی۔

''جس جگہ سے آپ کا تعلق ہے جو آپ کی سی وی مینشن ہے وہاں کے لوگوں کا تو وہ عام پیشہ ہے اور پھر میں تو آپ کو ڈبل سیلری دوں گا۔'' عروج نے اپنی فائل کو کھینچا اور اسی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، ایسے بے ایمان بے غیرت لوگوں کو کوئی بھی وضاحت دینا عبث ہی تھا۔

''میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر، تمہاری نوکری پر اور تمہاری ڈبل سیلری پر۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے نکل آئی تھی، کیسی دنیا تھی جہاں شرافت سے جینا موت سے بھی مشکل تھا، وہ پیدل ہی نکل آئی تھی، بد دلی مردنی حد سے سوا تھی، وہ جیسے کسی بیتے ہوئے پل میں کھو گئی تھی۔

☆☆☆

''اماں، ابا مجھے نوکری مل گئی۔'' اپائنٹمنٹ لیٹر وصول کر کے وہ جیسے چھلانگیں لگا رہی تھی، خوشی بہت زیادہ تھی، برداشت ہی نہیں ہو پا رہی تھی، اس مرتبہ اپنی سی وی پہ پتہ، اس نے اپنے محلے سے نکل کر مین روڈ پر واقع بک ڈپو کا دیا تھا،

جب سے وہ لیٹر دے کر گئے تھے تب سے مانو اس کے پیر زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے، وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی، تنخواہ بھی تو بہت اچھی تھی۔

''آپ دونوں بھی میرے ساتھ چلیں گے۔'' اس نے حتمی اعلان کیا تھا مگر ستارہ نہیں مانی تھی، پھر رشید اسے لاہور سے وہاں چھوڑ آیا تھا، چار گھنٹے کا سفر تھا مگر اسکول اور جگہ کو دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا، تنخواہ اچھی تھی تو ڈیوٹی بھی سخت تھی بس ہفتہ اتوار کو اپنے اپنے گھروں کو جا سکتے تھے، زندگی نے ایک نئے ڈھب سے چلنا شروع کیا تھا۔

☆☆☆

وہیں سے پتا نہیں اس کی خوش بختی کا آغاز ہوا تھا کہ بدبختی کا، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی، اسے دانش سکول میں نوکری کرتے ہوئے چھ سے زیادہ مہینے ہو گئے تھے جب اس کی امتحانات پر ڈیوٹی لگی تھی، ہاسٹل واپس پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی اور کچھ دیر گاڑی کے ٹائر پنکچر ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوئی تھی، وین کا ڈرائیور گاڑی کا ٹائر لگا رہا تھا جبکہ جب وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تو نیچے اتر آئی تھی، وہ شاید کوئی بازار تھا، جہاں عورتیں جا بجا کھڑی تھیں، اس نے حیرانگی سے انہیں تکا تھا، چہل قدمی کے سے انداز میں چلتے ہوئے اس کے لب یونہی اپنی ہی ترنگ میں گنگنا رہے تھے۔

چرخہ میرا رانگیلا
وچ سونے دیاں میکھاں
وے میں تینوں یاد کراں
جدں چرخے ول ویکھاں

(چرخہ میرا رنگین ہے جس میں سونے کی کیلیں لگی ہیں، جب بھی میں اسے دیکھتی ہوں تو تمہیں یاد کرتی ہوں)

اچانک ہی کسی پجارو کے ٹائر اس کے عین پاس چرچرائے تھے، اس نے پلٹ کر حیرانی سے سڑک سے بیچوں بیچ کھڑی گاڑی کو دیکھا، وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا تھا، براؤن کلر کے کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس، شال کو کندھے پر رکھے اس کے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا تھا جو غصے سے، اسے گھور رہی تھی۔

''ہیلو! اگر مجھے دیکھ لیا ہو تو کچھ کہوں؟'' وہ اس کے مسلسل گھورنے پر عاجز آ کر بولی تھی۔

''سڑک آپ کے باپ کی جاگیر ہے، نہ کوئی ہارن نہ کچھ اور اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو؟'' اس نے تیکھے تیوروں سے اسے پوچھا تھا۔

''میں کچھ ہونے نہ دیتا۔'' وہ جیسے ٹرانس میں بڑبڑایا تھا، کون تھی وہ لڑکی جو اتنے بدنام زمانہ بازار میں اکیلی دندنا رہی تھی، چہرے مہرے اور کپڑوں سے تو ان عورتوں جیسی معلوم نہ پڑتی تھی، گاڑی ٹھیک ہو گئی تھی، ڈرائیور بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا تھا۔

''سلام صاحب!'' اس نے جھک کر سلام کرتے ہوئے اس کا ہاتھ چوما تھا، وہ اس ایرے کے وڈیرے کا بیٹا تھا اور یہ سڑک اس کے باپ نے ہی بنوائی تھی۔

''صاحب! یہ ہماری میڈم صاحب ہیں، یہ اپنے دانش سکول میں پڑھاتی ہیں، لاہور سے آئی ہیں۔'' ڈرائیور کو اس کی سوچ کے گھوڑوں کا احساس تھا کیونکہ یہ جگہ ہی اچھی خاصی مشکوک تھی سو وہ جلدی جلدی بولا تھا، وہ محض سر ہلا سکا تھا کہ وہ چلتی ہوئی جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، کچھ بھی کہے سنے بغیر، ڈرائیور بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا تھا مگر وہ وہیں بہت دیر تک کھڑا اس کی موجودگی کے احساس سے معطر ہوتا رہا تھا، جیسے وہ

اب بھی کہیں اس کے آس پاس ہی موجود ہو، اس سے ملنے تک ہادی طارق کھر پورا تھا مگر اب جیسے ادھورا سا رہ گیا تھا نامکمل سا، کسی مصور کی ادھوری پینٹنگ کی طرح، وہ اس ادھوری ملاقات کو نہیں بھول پایا تھا حالانکہ وہ کب سے اس سرسری سی سر راہ ملاقات کو بھول چکی تھی۔

☆☆☆

پھر جیسے اس نے وطیرہ بنا لیا اس کے راستے میں آنے کا مگر وہ اسے دیکھ کر تنفر سے سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتی تھی پھر جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو وہ لاہور آ گئی، ایک طرح سے شکر ادا کیا تھا، سکھ کا سانس لیا تھا کہ جان چھوٹی اس نوابزادے سے۔

''یہ دعوت نامہ ہے اور تمہیں ضرور آنا ہے۔'' اس دن نجو خالہ کسی نجی محفل کا دعوت نامہ لے کر آئیں تھیں اور بڑے اصرار سے اسے آنے کا کہہ رہی تھیں، ان کی بڑی بیٹی کو پرفارم کرنا تھا جبکہ وہیں اس کی فیملی والی نے فلم کا کنٹریکٹ سائن کرنا تھا، یہاں ایسی ہی خوشیاں ہوتیں تھیں، اب یہ کوئی عام محلہ تو تھا نہیں۔

جیسے کسی نے ناچ سیکھ لیا ہو تو مبارکباد۔

کسی کے ہاں بیٹی ہوئی ہو تو مبارکباد کہ بیٹیاں ہی تو یہاں خوش بختی کی علامت سمجھی جاتی تھیں، کسی کو فلم ملی ہو تو مبارکباد، اچھا گانا گایا ہو یا پھر چلو برا بھی گایا ہو تو مبارکباد، اب اگر کوئی سیدھا سارا بیشتر پاکستانی محلوں جیسا محلہ ہوتا تو منظر ذرا مختلف ہوتا۔

بیٹا پیدا ہوا تو مٹھائی تقسیم ہوتی، بیٹی کی شادی پر شکرانے کے نفل پڑھے جاتے، بیٹے بیٹی کے اچھی تعلیم پانے پر مبارکبادیں وصول کی جاتیں۔

قرآن حفظ کرنے پر یا پھر ایسے ہی کسی اور موقع پر مگر یہ دو مختلف دنیائیں تھیں سو خوشی کے پیمانے بھی مختلف تھے، ستارہ نے خود تو معذرت کر لی تھی مگر عروج کو بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا، اب کیونکہ وہ وعدہ کر چکی تھی سو مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اسے جانا ہی تھا۔

اس دن اس نے سرخ بھاری کام والی قمیض اور سرخ ہی ٹراؤزر پہنا تھا، ساتھ بلیک دوپٹہ تھا جو لاپرواہی سے کندھے پر پڑا تھا، وہ نجو لوگوں کے ساتھ ہی گئی تھی۔

منہ حلق تک کڑوا تھا، چہرہ ناگواری کے احساسات سے بھرا جسے وہ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی، جس چیز سے وہ ہمیشہ سے بھاگتی تھی اسے وہی فیس کرنی تھی، نجی محفل تھی جو فلم کے پروڈیوسر نے بطور خاص منجھلی کے اعزاز میں رکھی تھی تو وہاں کسی قماش کے لوگ ہوں گے اسے بخوبی انداز تھا، تقریب کا اہتمام ایک پوش ایریا کے گھر کے لان میں کیا گیا تھا، جہاں زیادہ تر فلم اور اسٹیج سے تعلق رکھنے والی خواتین تھیں مگر مردوں کی بھی بہتات تھی، سوٹڈ بوٹڈ، اکڑے اکڑائے، مصنوعی چہروں والے لوگ جنہیں دیکھ کر ہی اسے گھن آتی تھی، وہ ایک طرف خالی کونے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی تھی، گھر سے آتے وقت کی بیزاری اب حد سے سوا تھی۔

''چلو تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔'' نجو خالہ اسے ڈھونڈتی ڈھانڈتی اس کے سر پر پہنچ گئی تھی، اس کا غصہ یک لخت ہی حد سے سوا ہوا تھا۔

''میں یہاں آپ کے اصرار پر آئی ہوں، کسی سے ملنے نہیں اور اگر آپ کا ارادہ کوئی تین پانچ کرنے کا بھی ہے تو اسے خود تک محدود رکھیں، مجھے بخشیں۔'' اس نے ہاتھ باندھ کر ماتھے تک رکھے تھے، نجو پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئیں تھیں۔

ہادی نیم تاریکی میں کھڑا یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا، اسے عروج کو یہاں دیکھ کر بے پناہ حیرت ہوئی تھی اور اس سے کہیں زیادہ جھٹکا اس ان کی گفتگو سن کر لگا تھا، اس کا دل چاہا وہ بے ساختہ ہی عروج کو اس جگہ سے ان لوگوں کو دور لے جائے، کہیں لے جا کر چھپا دے، وہ خود اپنے احساسات جاننے سے قاصر تھا۔

چرخہ میرا رنگیلا

وچ سونے دیا میکھاں

جسے اس کے اردگرد وہ مدھری آواز گونجنے لگی تھی۔

وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں ٹھہر گیا تھا، یہ جگہ ایسی نہ تھی یہ ماحول ایسا نہ تھا کہ کوئی بات کرتا، فلم میکر اس کا بہترین دوست تھا اور وہ محض اس کے اصرار پر ہی یہاں آیا تھا، وگرنہ یہ نہ تو اس کا اسٹینڈرڈ تھا نہ ٹیسٹ مگر مجبوری تھی۔

☆☆☆

گھر آکر بھی اس کا موڈ خراب ہی رہا تھا۔ ستارہ کو اس نے بے نقط سنائیں تھیں، جب کچھ بھی نہیں بن پایا تھا تو کوسنے دینے لگ جاتی تھی، بددعائیں، اس جگہ کو، اپنی ماں باپ کو، ہزار شکوے کرنے بیٹھ جاتی اللہ تعالیٰ سے، اتنی لمبی لمبی نمازیں پڑھتی کہ ستارہ کئی دفعہ گھبرا کر اسے دیکھنے آئی تھی۔

''سمجھتی ہیں میں مفت کا مال ہوں جسے چاہے نواز دیں گی، آپ نے بہت سر چڑھا رہا ہے نجو خالہ کو۔'' وہ اپنے کمرے کی چوکھٹ پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔

''اس کی فطرت کا پتا تو ہے پھر کڑھنے کا فائدہ؟'' ستارہ کے انداز میں بے پروائی تھی۔

''ہم یہ محلہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔'' جھنجھلا کر کب سے پوچھا جانے والا سوال پھر سے دہرایا تھا۔

''کہاں جائیں گے؟''

''اتنا بڑا شہر ہے نہیں تو میری نوکری جہاں ہے وہاں چلتے ہیں سب۔'' اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کوئی جادو کی چھڑی چلائے اور ستارہ سے اپنی ساری باتیں منوالے، مگر ستارہ ایسے بن جاتی جیسے پتھر کی مورتی، اس عمر میں دربدری کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، اب یہ جگہ جیسی تھی عمر عزیز کٹ ہی گئی تھی۔

''بھلی لوک، ارے او بھلی لوک۔'' رشید باہر سے ہی ہانک لگائے آیا تھا، وہ دونوں سامنے صحن میں ہی براجمان مل گئیں، ابھی دن چڑھے اتنا وقت نہیں ہوا تھا اور ویسے بھی گرمیوں کے دن تھے، یوں لگتا جیسے سورج سوا نیزے پر چمک رہا ہو یا پھر رات کے بعد ڈائریکٹ دوپہر ہی آ گئی ہو، فراغت کے دن تھے مشاغل بھی محض تھوڑی بہت کتاب ریزی یا پھر ٹی وی، گھر سے وہ بہت کم نکلتی تھی اور یہ محلہ اس قابل نہ تھا کہ کہیں آیا جایا جاتا۔

''آہستہ بولو بہری نہیں ہوں۔'' وہ تنکی، ڈھلتی عمر میں شاید تقرار اور لڑائی ہی پیار دکھانے کا ذریعہ بن جاتی ہوگی، اب دن بھر اکثر وہ لڑتے ہی پائے جاتے تھے۔

''باہر کوئی سوٹڈ بوٹڈ ایڈا سوہنا بابو آیا وے۔'' وہ خود بھی اچھا خاصا متجسس تھا۔

''کہتا ہے تجھ سے اور مجھ سے ملنا ہے۔'' اب کے ستارہ بھی چونکی تھی۔

ان دونوں بڈھا بڈھی سے ملنے بھلا کون آ سکتا تھا، وہ حیرت زدہ تھی، رشید اسے اطلاع دے کر مہمان کو بیٹھک میں بٹھانے چلا گیا اور پیچھے پیچھے ستارہ بھی، اس نے تھوڑی دیر سے اچانک آنے والے مہمان کے بارے میں غور کیا

تھا مگر پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

ہادی کے لئے یہ فیصلہ اتنا آسان قطعاً نہیں تھا گو کہ اسے عروج پر خود سے زیادہ یقین تھا مگر گھر جگہ، برادری، خاندان اور پیشہ بڑی اہم چیزیں ہوتیں ہیں جو سب سے پہلی دیکھی جاتی ہیں، گو کہ وہ کوئی اتنا بڑا روایتی یا روایت پر چلنے والا انسان نہیں تھا مگر پھر بھی مما، پاپا کے رو سے یہ چیزیں سب سے پہلے آتیں تھیں جب آپ ہوں بھی خاندان کے اکلوتے چشم و چراغ۔

مگر جب وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا تو دل دماغ جیسے ٹھہر سے گئے تھے، وہ کسی کو اپنے ساتھ نہیں لایا تھا، وہ لانا ہی نہیں چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کوئی بھی عروج کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں الٹا سیدھا بولے یا پھر اسے احساس کمتری کا شکار بنائے، وہ دونوں میاں بیوی اس سے قدرے مرعوب نظر آرہے تھے اور جس طرح سے اس نے دو تین گھنٹے صرف کر کے انہیں مطمئن کیا تھا، ان کے تمام شکوک و شبہات جیسے پانی میں راکھ کی طرح بہہ گئے تھے۔

بعض اوقات محبت انسان پر یوں اچانک حملہ آور ہوتی ہے کہ چاروں شانے چت کر دیتی ہے موصوف ہادی طارق کھر کے ساتھ ہوا تھا، اس کی بے نیازی کہیں دھری کی دھری رہ گئی تھی، قسمت نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ کاسئہ دل صرف عروج کی محبت سے ہی بھر سکتا تھا۔

وہ انہیں قائل کر کے ہی اٹھا تھا، قائل تو وہ شاید اسے دیکھتے ہی ہو گئے تھے مگر حرف تذبذب کا شکار تھے عروج کی وجہ سے سو اس کی رائے لینا بے حد ضروری تھا، وہ پھر آنے کا کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

ستارہ کے لئے ایک معرکہ ہی تھا عروج سے اس بابت بات کرنے کا کیونکہ جس حالات سے یہاں کی لڑکیاں گزرتی ہیں وہاں کوئی مناسب مخلص رشتہ ملنا تقریباً محال ہی تھا، ہادی کا وہاں آنا گویا ہفت اقلیم کی دولت کا ہاتھ لگ جانا ہو۔

ستارہ نے جب عروج سے بات کی تو اس نے کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا، وہ جیسے منجمد ہو گئی تھی، اسے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا، پھر اس نے گہرا سانس بھرا جیسے وہ زندگی کو اک اور موقع دینا چاہ رہی ہو۔

''میری سو کالڈ ماں سے پوچھ لینا تھا۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا جیسے اپنا مذاق خود ہی اڑا رہی ہو، اردگرد چند چڑیاں چہچہا رہی تھیں، اس نے ابھی ابھی پانی کا پیالہ اور باجرہ رکھا تھا، اب وہ ان کے اردگرد ہی منڈلانے لگیں تھیں۔

''ویسے شاید اسے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی جبھی کبھی وہ پلٹ کر نہیں آئی اور نہ پوچھا کہ بیٹی زندہ بھی ہے یا مر گئی ہے۔'' وہ بے پناہ خود ترسی کا شکار تھی، ستارہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''تم صرف میری بیٹی ہو، میری شہزادی؟'' اس کے انداز میں وارننگ سی تھی، جانے کب کے رکے ہوئے آنسو اس کے گالوں پر پھیل گئے تھے۔

''ہم ہی تمہارے ماں باپ ہیں سو یہ فیصلہ صرف ہم ہی کریں گے سو جو تم کہو گی ویسے ہی ہو گا۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا، دنیا بھی کیا ہیر پھیر ہے، اس لئے ابھی تک چل رہی ہے کہ کبھی کبھی خون کے رشتے احساس کے رشتوں سے مات کھا جاتے ہیں، کہنے کے وہ اس کے کچھ بھی نہیں تھے

مگر بن سب کچھ گئے تھے۔
''مجھے تو کوئی پسند بھی نہیں ہے۔'' اس نے معصومیت سے کہا تھا مدعا یہ تھا کہ اس کی کوئی مرضی نہیں تھی۔
''تو خدا کرے پھر ہادی ہی تمہاری مرضی بن جائے۔'' ستارہ پیار سے اس کے گال چھوتے ہوئے بولی تھی، پھر اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے کٹوروں میں بھرا اور ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔
رشید جو ہر وقت ڈیوڑھی میں پڑا رہتا تھا جھٹ سے ہادی کو فون کر کے مثبت جواب دے رہا تھا، خوشیوں نے ستارہ کے کوٹھے پر ایک زمانے بعد دستک دی تھی، وہ تینوں ہی آنے والے وقت کے بارے میں خوش کن خیالوں میں مگن تھے، یہ جانے بغیر کے وقت نے نجانے کتنے ترکش اپنی کمان میں چھپا رکھے تھے۔
☆☆☆
وہ پیدل چلتے چلتے تھک گئی تھی۔
بادلوں نے نیلے آسمان کو ڈھک کر گہرا سیاہ بنا دیا تھا، چھن چھن سے ہوتی بارش اسے خیالوں سے ایکدم کھینچ لائی تھی، اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے جسم سے جان کا رشتہ اب ٹوٹنے ہی والا تھا، ہر چیز کپڑے فولڈ، بیگ بھیگ چکا تھا، اس نے بمشکل چکراتے سر کو سنبھالا تھا، پھر تھک کر گرنے کے سے انداز میں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی تھی، جانے کتنے لمحے اسے وہی بیٹھے بیٹھے گزر گئے تھے۔
ہر آتا جاتا نفس اسے حیرانی سے ٹکر ٹکر گھورے جا رہا تھا، بارش سے زیادہ پانی اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔
ہادی کو اچانک اپنی گاڑی کو بریک لگانے پڑے تھے، وہ بلاشبہ عروج ہی تھی، وہ جیسے اسے دیکھتے ہی صم بکم ہو گیا تھا، اسے لگا تھا کہ جیسے وہ گرنے والی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے ڈھلکتی اس نے اسے تھام لیا تھا، وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔
آزردہ چہرہ، دھنسی دھنسی آنکھیں اور گہرے سیاہ ڈارک سرکللو، یہ تو اس کی عروج نہیں تھی۔
''تو گویا خوش تم بھی نہیں ہو۔'' اس نے سوچا تھا۔
''تو پھر یہ ضد، ہٹ دھرمی کیوں؟'' وہ من ہی من میں بڑبڑایا تھا، چند لوگ اور بھی آ گئے۔
''بیوی ہے میری۔'' اس نے مدد طلب نظروں سے ارد گرد دیکھا تھا، پھر اس نے اٹھا کر عروج کو پچھلی سیٹ پر لٹایا، تب تک اس کی چیزیں کسی نے پکڑا دی تھیں، وہ اسے لے کر سیدھا ہاسپٹل آیا تھا، شدید ٹینشن اور ڈپریشن سے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، وہ بے تحاشا پریشان ہو گیا تھا، اسے عروج پر بیک وقت غصہ بھی آ رہا تھا اور پیار بھی، وہ بے ہوش تھی اور اسے بخار بھی تھا، وہ اس کے بستر سے لگ کر یک ٹک اسے دیکھتا رہا تھا، جانے کتنے لمحے بیت گئے۔
اک اک نقش کو اپنی آنکھوں میں اتارا، وہ اسے کتنی پیاری تھی، اسے خود بھی پتا نہیں چلا تھا، وہ اکھڑ حسینہ کیوں سیدھا اس کے دل میں اتر گئی وہ کبھی جان نہ سکا تھا۔

تم ملے بھی تو ملاقات نہ ہونے پائی
شام آئی تھی مگر رات نہ ہونے پائی
ان کہی بات نے اک حشر اٹھا رکھا تھا
شور اتنا تھا کہ کوئی بات نہ ہونے پائی

اس نے وہ رات آنکھوں میں کاٹی تھی، ایک ہی جگہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے ہاں مگر اس نے ستارہ کو فون ضرور کر دیا تھا اور گرتے پڑتے جیسے تیسے وہ لوگ آئے تھے، اس نے ستارہ

کو دلاسہ دیا تھا مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے خود کو تسلی دے رہا ہو۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' بے حد مدہم لہجہ، ٹوٹا بکھرا سا، ستارہ نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے، سختی سے جکڑے ہوئے تھی۔

''ہادی! وہ تھوڑی سی نادان ہے، اسے حالات نے اتنا تلخ کر دیا ہے، اسے تمہارے پیار کی ضرورت ہے، اسے تمہارے مان عزت محبت اور اپنائیت کی اشد ضرورت ہے، وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' موتی ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے، ہادی سے کچھ بھی بولا نہیں گیا تھا۔

وہ چپکے سے باہر نکل آیا تھا، رات کے اندھیرے نے ابھی اپنے پر ہیں سمیٹے تھے، وہ وہیں سنگی بینچ پر بیٹھ گیا تھا، دونوں انگلیاں اپنے بالوں میں پھنسائے، دل و دماغ ایک عجیب سی کشمکش میں الجھے تھے، جنگ جاری تھی مگر فتح کا پتا بھی نا معلوم تھا، جانے کتنے پل یونہی بیٹھے بیٹھے بیت گئے، وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، اب اسے گھر جانا تھا، بہت دیر ہو چکی تھی اور چھوٹی مما کی بہت زیادہ کالز آ چکیں تھیں۔

☆☆☆

اسے اگلی صبح ہوش آیا تھا اور خود کو ہاسپٹل کے بستر پر پا کر جیسے حیران ہی رہ گئی تھی، کیسے آئی؟ کون لایا؟ کب لایا؟ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

''اماں!'' اس نے ہولے سے ستارہ کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا، اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا مگر سوال آنکھوں سے واضح تھا، ستارہ نے اسے آہستگی سے ہر بات بتا ڈالی تھی۔

''ہادی یہاں ساری رات رکا تھا؟'' اسے اچنبھا ہوا تھا کیونکہ وہ تو اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں تھا تو پھر یہ معجزہ کیسے؟

''ہاں میرے بچے، تجھے کوئی شک ہے۔'' ستارہ پیار سے بولی تھی، وہ چپ ہی رہی؟ اس نے تھک کر کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں، ذہن پیچھے کو سفر کر رہا تھا۔

ہادی کو پانا، اسے لگنے لگا تھا جیسے اس کی آبلا پائی کا سفر اب تمام ہونے والا تھا، وہ دونوں کتنے خوش تھے، شادی کے دونوں میں اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز اس کے قدموں میں لا ڈھیر کرے، وہ چند دن اس کی زندگی کا حاصل تھے، نکاح کے لئے وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ آیا تھا تب اس نے ستارہ سے استفسار کیا مگر وہ ٹال گئی۔

''اس کے ماں باپ جرمنی گئے ہیں۔'' محض یہی کہا اور وہ مطمئن بھی ہو گئی، شادی کے بعد وہ ہادی کے آبائی گھر میں رہی تھی پھر جب اس کے پیرنٹس واپس آئے تو وہ لاہور واپس آ گئے اور وہی آ کر عروج کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا لگا تھا۔

ہادی کی لاڈلی چھوٹی مما، جس کے وہ گن گاتے نہیں تھکتا تھا وہ عورت کوئی اور نہیں اس کی اپنی سگی ماں تھی، یہیں سے ان دونوں کی ضد اور انا کی جنگ شروع ہوئی، وہ چاہتی تھی کہ وہ اقرار کریں، وہ سب کو بتائیں کہ وہ ان کی بیٹی تھی، محض چھوٹی سی خواہش کے اپنی ماں کے منہ سے اقرار سننا مگر، شاید وہ ایسا چاہتی نہیں تھیں۔

جسے وہ تنہائی میں بیٹی کہتے کہتے تھکتی نہیں تھیں، وہ چاہتی تھی وہ دنیا کے سامنے اسے ایسے پکاریں تو وہ ان کے سارے گناہ معاف کر دے گی، وہ چڑ جاتی تھی اور چڑ کر ایسی حرکتیں کر جاتی جن سے ہادی کو سخت نفرت تھی۔

اس دن کی بات تھی جب ان دونوں کی

شادی کا ریسپشن تھا، تب عروج اس کے لئے بے حد خوبصورت ملٹی کلر لہنگا اور چولی لائی تھیں، بڑے پیار سے اسے دے بھی دی، ہادی اس وقت گھر پر نہیں تھا۔

''آپ کو لگتا ہے میں یہ پہنوں گی؟'' اس نے تنفر سے پوچھا تھا، عروج کا رنگ بدل گیا تھا، وہ اسے اپنانا چاہتی تھیں مگر طارق صاحب اور ہادی کی وجہ سے ڈر کر چپ ہو جاتیں تھیں، اب ان میں کچھ بھی کھونے کی سکت باقی نہیں بچی تھی، اس نے سوٹ نفرت سے نیچے فرش پر پھینک دیا تھا۔

''آپ کی لائی ہوئی چیز سے بھی گھن آتی ہے مجھے آپ سے گھن آتی ہے۔'' اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو بہنے لگے تھے، عروج اپنی جگہ پر جامد کھڑی تھیں، جانے کب ہادی پیچھے آ کھڑا ہوا، اسے وہ نظر نہیں آیا تھا، اس نے ٹیبل پر پڑا لائیٹر اٹھایا اور کپڑوں کو آگ لگا دی۔

''یہ اوقات ہے ان کی۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا، ہادی ششدر سے کھڑا تھا، جب عروج پلٹیں تو ہادی نظر آیا انہیں بھی اور عروج کو بھی۔

وہ ساکن سی کھڑی رہ گئی تھی، اس سے پہلے کے ہادی عروج کو پار کر کے اس تک پہنچتا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

اس کے بعد تو روزانہ کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا تھا جو ہادی کو عروج سے بدگمان کر دیتا تھا، اسے اپنی چھوٹی مما سے جتنی انسیت تھی جتنی عزت وہ ان کی کرتا تھا شاید ہی دنیا میں کسی کی کرتا ہوگا۔

☆☆☆

وہ جب گھر پہنچا تو صبح کی سپیدی ہر سو پھیل رہی تھی، اس کا چہرہ دکھ، پریشانی اور الجھنوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اسے امید نہیں تھی کہ چھوٹی مما اسے جاگتی ملیں گی مگر وہ لاؤنج میں ہی بیٹھیں تھیں۔

''کدھر تھے بیٹا! ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔'' اسے دیکھ کر وہ بے قراری سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، وہ وہیں صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

''کچھ نہیں بس یونہی۔'' وہ عروج کے ذکر سے گریزاں تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں تھیں، اگرچہ اس کا چہرہ بتانے کے لئے کافی تھا اور وہ سمجھ بھی گئیں جیسی اس سے اصرار سے پوچھنے لگیں۔

''عروج کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا بس وہی گیا تھا۔'' وہ دہل گئیں تھیں، ان کے تعلقات جیسے بھی رہے ہوں ایک دوجے سے مگر آخر وہ ان کی بیٹی تھی، جگر کا ٹکڑا تھی، بلاشبہ وہ بہت ساری زیادتیاں کر چکی تھیں مگر۔

''کیسے؟'' ایک عجیب سی تڑپ در آئی تھی ان کے انداز میں، لب و لہجے میں جسے ہادی نے بھی محسوس کیا تھا۔

''مما جب وہ آپ سے اتنی بدتمیزی کرتی ہے، بات بات پر آپ کی انسلٹ کرتی ہے تو پھر آپ ہر دفعہ کیوں اس کی سائیڈ لیتی ہیں، پریشان ہوتیں ہیں۔'' اس نے چھوٹی مما کے خوبصورت چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا، وہ سگی ماں نہیں تھیں پر سگی سے بڑھ کر تھیں۔

''وہ ابھی بچی ہے نادان ہے مگر میں تو سمجھدار ہوں، بڑے ہوتے کس لئے ہیں بچوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کے لئے۔'' وہ دقت سے بولی تھیں، وہ اسے کچھ بھی بتا نہیں سکتی تھیں، نہ منظر نہ پس منظر، وقت کی گرد سے ہر چیز دھول زدہ تھی، اب دھول ہٹانے کا مطلب اپنے ہی

ہاتھ گندے کرتا تھا۔

''تم اسے لے آؤ بیٹا! میری خاطر۔'' کیسی ماں تھیں جو اپنی ہی بیٹی کا گھر اجڑنے سے بچا نہیں سکتی تھیں، مگر اپنے تئیں کوشش تو کر ہی سکتی تھیں۔

''میں سوچوں گا۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

ان میں اور عروج میں چھوٹی موٹی بہت ساری چیزوں پر کھٹ پھٹ ہوتی رہتی تھی، عروج ہر اس چیز کو چیلنج کرتی تھی جو سروج کرنے کی کوشش کرتی تھیں، گھر میں جیسے دو محاذ بن گئے تھے، عروج گولہ باری کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی، ان سب چیزوں کے پیچھے وہ احساس محرومی تھی وہ بے بسی تھی جو وہ بچپن سے سہتی آئی تھی، اس محلے میں رہ کر، ان لوگوں کے بیچ اٹھ بیٹھ کر خود کو بچانا جیسے کانٹوں پر بھرے راستوں کے مترادف تھا، ہادی گو کہ عروج سے بے پناہ محبت کرتا تھا مگر جیسے سروج نے اس کی ماں کی کمی کے خلا کو پر کیا تھا، اس سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا اور جہاں ٹکراؤ محبت اور عقیدت کا ہو وہاں نصرت صرف عقیدت کو ہی ملتی ہے، اب ایک جنگ تھی جو وہ ایک دوجے سے مسلسل لڑ رہے تھے، انا کے دائرے میں قید اپنی اپنی سوچ کے دائرے بڑھاتے بند فیصلوں کے اندر بند ہوتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

''اماں مجھے یہاں نہیں رہنا ہے۔'' اسے گھر آئے دو تین دن بیت گئے تھے مگر وہ کسی سے بھی ٹھیک سے بات چیت نہیں کر رہی تھی، ابھی بھی ستارہ اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی جب اس نے آہستگی سے کیا تھا، اس جگہ اس گھر میں اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا، وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔

''کہاں جائیں گے پتر؟'' یہ رشید تھا۔

وہ دونوں ہی تہی داماں تہی داست تھے، اس گھر کے علاوہ خالی دامن خالی ہاتھ تھے، جیب میں ایک کوڑی نہیں تھی۔

''پتا نہیں پر یہاں سے جانا ہے۔'' عجیب سی دھن عجیب سی ضد سوار تھی اس پر، وہ دونوں بے بسی کی کیفیت میں تھے۔

''اماں میرا دم نکل جائے گا میں تھوڑی دیر کے لئے باہر تازہ ہوا میں جا رہی ہوں۔'' وہ ایکدم بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، ایک ہجھانی سی کیفیت طاری تھی اس پر، ستارہ کو اسے روکنا مناسب نہیں لگا تھا اس لئے وہ دوپٹہ اوڑھ کر تیز تیز قدموں سے باہر نکلی تھی، وہ بے حد کمزور لگ رہی تھی، کاٹن کے سفید سوٹ میں جو نجانے اس نے کب سے پہن رکھا تھا، اس کا حسن عجیب سا حزن برپا کر رہا تھا، وہ اپنی ہی دھن میں چلتی جا رہی تھی، جانے کتنے گھنٹے اس نے پارک میں بیٹھے بیٹھے گزارے تھے۔

وہ چاہتی تھی وہ ہادی کے پاس چلی جائے مگر جیسے انا روک لیتی تھی، کیسے بے عزت کر کے اس نے گھر سے نکالا تھا ایسے جیسے خدا ہو، کبھی سوچا نہیں آخر کوئی تو وجہ ہو گی ناں اور اکثر وہ ساکت ہو جاتی تھی، گھنٹوں لگا کر سوچا کرتی تھی کہ مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں مگر وہ کسی نتیجے پہ پہنچ نہیں پائی تھی۔

کوئی ماں اپنی بیٹی کو کوٹھے پر بھی چھوڑ کر جا سکتی ہے بھلا، جب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے تو وہ واپسی کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی حالانکہ وہ اس وقت نکلنے سے گریز کرتی کیونکہ اس وقت محلے کی رونقیں جوبن پر ہوتی تھیں، روشنیاں، پھول، خوبصورتی، ساز ادا اور

رنگینی سب ہی سمت کر وہاں آ جاتا تھا، محض ایک ان کا گھر تھا جو اندھیرا میں ڈوب جاتا تھا اور مغرب کی اذان ہوتے ہی کواڑ بند کر دیئے جاتے تھے۔

اس گلی سے اس سے گزرنا سوہان روح تھا، مگر وہ دھیرے دھیرے نامونوس چہروں کے بیچ سے گزرتی گھر کی طرف جارہی تھی جب اچانک ہی کوئی اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''رکو تو سہی سوہنیو!'' وہ یوں ایستادہ تھا کہ وہ آس پاس سے گزر کر بھی نہیں جا سکتی تھی، قد اچھا خاصا اونچا تھا کم از کم عروج سے تو بہت اونچا تھا اسے سر اٹھا کر اسے دیکھنا پڑا تھا، چہرے مہرے سے تو کسی شریف گھر کا سپوت لگتا تھا مگر آنکھوں میں چھپی ہوس، ایک ایکدم ہی اسے ابکائی سی آئی تھی۔

''پیچھے ہٹو۔'' اس نے درشتگی سے اسے کہا تھا مگر وہ ڈھٹائی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''نام تو بتاؤ۔'' وہ اسے محلے کے انداز میں ہی ٹریٹ کر رہا تھا۔

''نوٹوں میں تول دوں گا۔'' اس نے جیب سے نوٹوں کی گڈی بھی نکال لی تھی، عروج کے جیسے سر پر لگی تلوؤں پر بجھی، اس کے نتھنوں سے دھواں نکلنے لگا تھا، بے ساختہ ہی اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا اور اس کے منہ پر نشان چھوڑ گیا تھا، اس گلی کی ہر چیز جیسے سمٹ گئی تھی رک کر ایک نقطے پر منجمد ہو گئی تھی اور پھر وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب سے نکل کر گھر بھاگ گئی تھی۔

کاشف شاہ جب اس جھٹکے سے نکلا تب تک وہ جا چکا تھی مگر بے عزتی کا شدید احساس لے کر وہ وہاں کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ نجو کے کوٹھے پر جا پہنچا، اسے صرف اس لڑکی کے بارے میں جاننا تھا، مگر نجو کے بتائے گئے کوائف کے مطابق وہ اس کی دسترس سے باہر تھی مگر اسے کیسے اپنی دسترس میں لایا جا سکتا تھا وہ بخوبی جانتا تھا۔

☆☆☆

عروج کو لگا تھا اس رات کے بعد جیسے بات ختم ہو گئی تھی مگر بات تو شروع ہوئی تھی احساس توہین میں لپٹا ہوا ایک شخص جیسے بدلہ لینا تھا، اس کی دھمکیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، وہ ہر طرح سے رشید اور ستارہ کو خوف زدہ کرنے کی کوشش میں تھا، وہ محض عروج کو جھکانا چاہتا تھا۔

''اماں کچھ نہیں ہوتا آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں ایسے لوگ صرف گیدڑ بھبکیاں ہی دیتے ہیں بے غیرت۔'' ستارہ بار بار کواڑ چیک کرتی، اتنی بار چیک کرتی کہ عروج چڑ جاتی، اسے تسلی دیتی مگر ستارہ کا دل نہیں ٹھہرتا تھا۔

''نہیں بیٹا! انتقام کی آگ میں جلتا مرد کچھ بھی کر سکتا ہے، تم نے اسے سرعام تھپڑ مارا تھا وہ اسے بھولے گا نہیں۔'' ستارہ کا دل جیسے کسی بچے کی مانند سہم جاتا تھا، رشید ڈیوڑھی والے دروازے کی کنڈی لگا کر وہیں پڑا رہتا۔

انہونی کا ڈر تو تھا، اندیشوں کے ناگ جیسے ہر وقت ڈسنے کو بیقرار رہتے، وہ انہونی کے احساس سے دبکے رہتے تھے، اس دن دروازہ اچانک ہی زور زور سے کھٹکھٹایا جانے لگا تھا، ستارہ نے ڈر کر عروج کو چھت پر بھیج دیا تھا، وہاں سے فرار آسان تھا، کاشف شاہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ عروج کو اغواء کی نیت سے آیا تھا مگر رشید اور ستارہ سینہ سپر دیوار کی مانند ثابت ہوئے تھے، اسی دھینگا مشتی میں رشید کی ٹانگوں پر گولیاں لگ گئی تھیں، گولیاں لگتے ہی وہ لوگ بھی بھاگ گئے، وہ بے تحاشہ تیزی سے دوڑتی ہوئی نیچے اتری تھی، چیخ و پکار سے اردگرد لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔

رشید کو لے کر عروج ہاسپٹل چلی گئی ستارہ بھی ساتھ تھی، گولیاں ٹانگوں میں لگنے کی وجہ سے بچت ہی ہوگئی تھی، وہ وقت ان دونوں نے سولی پر لٹک کر گزارا تھا، جب رشید کی حالت سنبھالی تو عروج نے ستارہ سے کہا تھا۔

''اماں پلیز آپ گھر جا کر آرام کریں، آپ کو شوگر کا مسئلہ ہے بی پی ہائی ہو جاتا ہے؟''

اس کا لہجہ اتنا لجاہت بھرا تھا کہ ستارہ سے انکار نہ ہو سکا ویسے بھی اسے کسی سے اشد ملنا تھا، اس نے سروج کو فون کر کے اپنے گھر آنے کو کہا تھا، وہ آ ہی گئی، ستارہ بے چینی سے صحن میں ٹہل رہی تھی۔

''تم نے ایک امانت مجھے سونپی تھی، میں نے جی جان سے اس کی حفاظت کی، بیٹی سے بڑھ کر چاہا مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔'' اس نے آہستگی سے ہولے ہولے ہر چیز اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

''اب وقت آ گیا ہے کہ تمہیں خود میں سے اور اپنی بیٹی میں سے کسی ایک کو چننا ہے اور فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے سروج۔'' وہ کچھ بولے بغیر اٹھ آئیں تھیں، وقت نے کس موڑ پہ لا کھڑا کیا تھا۔

شاید وہ سب کچھ کھو دیتیں، سب کچھ، انہیں چوز کرنا تھا اور انہوں نے چوز کر لیا تھا۔

☆☆☆

مضمحل سے اعصاب جیسے چیخ سے گئے تھے۔

سوئے اتفاق انہیں دونوں باپ بیٹا لاؤنج میں ہی مل گئے تھے، ہمت وہ ڈھیر ساری مجتمع کر کے لائیں تھیں، اب فیصلے کی گھڑی تھی۔

''ہادی۔'' انہوں نے طارق صاحب کو اگنور کر کے ہادی کو پکارا تھا۔

''جی۔'' حیرت کے مارے اس کے منہ سے محض یہی نکلا تھا۔

''تم اپنی مما سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہو؟'' وہ بالکل اس کے سامنے دو زانو بیٹھ گئیں تھیں، طارق صاحب تک اس بے وقت سوال اور ان کے انداز پر چونک سے گئے تھے۔

''کیا ہوا تھا؟''

''میرے سوال کا جواب دو؟'' وہ چند ثانیے انہیں اذیت سے دیکھتا رہا۔

''کیونکہ وہ مجھے تب چھوڑ کر چلی گئیں جب مجھے ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔'' اس کے انداز میں دکھ کے سائے تھے، وہ گہرے سانس بھرنے لگا تھا۔

''تو پھر عروج کو بھی مجھ سے نفرت کا پورا پورا حق ہے ناں۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بولی تھیں، وہ دونوں باپ بیٹا چونک گئے تھے۔

''کیا کہہ رہی ہو سروج۔'' طارق صاحب حیران تھے۔

''میں نے آپ سے ایک چیز چھپائی تھی کہ میری بیٹی بھی ہے، آپ سے شادی ہونے پر میں اسے اپنی دوست کو سونپ آئی تھی، جب بھی اس کو اپنانے کا خیال آیا تو یہ سوچ کر ڈر گئی کہ آپ پسند نہیں کریں گے؟'' آہستہ آہستہ اس نے ساری کہانی سنا ڈالی وہ رو رہی تھیں۔

''کیا میں اتنا سنگدل تھا؟'' وہ غصے سے بولے تھے، وہ کچھ بول نہیں سکیں تھیں۔

''آپ قصوروار ہیں اپنی بیٹی اور بیٹے دونوں کی۔'' وہ اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے تھے، وہ اب بھی دوزانو بیٹھی تھیں۔

''آپ نے اتنا بڑا سچ چھپایا اور میں کتنی زیادتی کرتا چلا گیا عروج سے۔'' وہ بھی صوفے سے اٹھ کر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا تھا۔

''کاش آپ بول دیتیں، سب بتا دیتی تو

اسے اتنی اذیت برداشت نہ کرنی پڑتی۔'' وہ بھی اٹھ کر چلا گیا تھا۔

اس بڑے سے لاؤنج میں جہاں شدید گرمی میں بھی اچھی خاصی خنکی تھی، انہیں لگا وہ اکیلی رہ گئیں تھیں۔

☆☆☆

رشید اب پہلے سے بہتر تھا مگر چل نہیں پاتا تھا، وہ دونوں اس کی خاطر مدارات میں لگی رہتی تھیں۔

وہ ایک حبس بھرا دن تھا جب ہادی، سروج اور طارق صاحب ان کے گھر آئے تھے، خوشی، حیرانگی، دھوپ کے بعد چھاؤں جیسے احساسات تھے رشید اور ستارہ کے مگر عروج چپ ہی تھی۔

''بھئی ہم اپنی بیٹی کو لینے آئے ہیں۔''

طارق صاحب ہی بولے تھے، باقی دونوں تو اپنے اپنے احساس جرم میں یوں کھوئے تھے کہ بولنے تک کی ہمت نہ رکھتے تھے۔

بعض اوقات ہم عزت دار ہونے کے زعم میں اتنی زیادتیاں کر جاتے ہیں کہ جب آئینہ سامنے آتا ہے تو اپنا بدصورت چہرہ دیکھ کر ہم خود بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔

''ستارہ آپ کا قرض تو ہم تاعمر نہیں اتار سکتے، آپ نے انتہائی مشکل حالات میں بھی عروج کی ایسی پرورش کی جو شاید سروج بھی نہ کر پاتی۔'' وہ واقعی اعلیٰ ظرف تھے، سروج کی نگاہیں اپنی خودغرضی سے جھک گئی تھیں، عروج کچن میں مصروف تھی، ہادی اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔

وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، عروج نے ویسے ہی چیزوں کی اٹھک بیٹھک شروع کر دی تھی، ہادی نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ مقام لئے تھے۔

''عروج!'' اس نے دونوں انگلیوں کو اکٹھا کر کے اس کے آنسو صاف کئے تھے۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے معاف کر دو کیونکہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر، تحقیق کئے بغیر میں تمہیں سزا دیتا رہا، کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ تم کن حالات سے گزر رہی ہو، تم کیا سوچتی ہو، جو تمہارے ساتھ ہوا، تمہارا ردعمل تو بہت کم تھا تمہیں اس سے زیادہ ری ایکٹ کرنا چاہیے تھا، میری ماں مجھے چھوڑ کر چلی گئی مگر مما نے مجھے سنبھال لیا، میرے پاس پاپا تھے، عزت تھی اسٹیٹس تھا ہر چیز تھی مگر میں پھر بھی اپنی ماں سے متنفر تھا کہ وہ کیوں مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔'' عروج کا دل چاہا اسے سنتی رہے، بس سنتی رہی۔

''تم ہمیں معاف مت کرو مگر صرف ایک موقعہ دے دو۔'' وہ ملتجی ہوا، عروج کے لئے وہ ساری تکلیفیں بھولنا بے حد کٹھن تھا۔

''میں انہیں معاف نہیں کر سکتی نہ میں بھول سکتی ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے ابھی کچھ وقت لگے گا سب بھلانے میں۔'' اس نے رخ پھیر لیا تھا مگر ہادی نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر واپس اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

''تمہیں جتنا وقت چاہیے تم لو، میں انتظار کروں گا، تمہیں اپنی ماں سے جیسے پیش آنا ہے آؤ، وہ تم ماں بیٹی کا معاملہ ہے لیکن میرے سامنے تم ان کی عزت کرنا، اب تم گھر چلو۔'' اس نے عروج کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے عروج نے زندگی کو ایک اور موقع دینے کا فیصلہ کیا تھا مگر اسے پتا تھا اب خار کو گلاب کرنے والا بھی اس کے ساتھ ہی تھا، کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں وہ اپنی ماں کو معاف بھی کر دیتی مگر اس سب کو کرنے میں ابھی کچھ وقت تو لگنا ہی تھا۔

☆☆☆

ایسا بھی ہوتا ہے
کنول ریاض

لڈی ہے جمالو پاؤ
لڈی ہے جمالو
او
لڈی ہے جمالو پاؤ
لڈی ہے جمالو

جیسے ہی نرس نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی حمدان اور حیدر نے ویٹنگ ایئریا میں ہی باقاعدہ لڈیاں ڈالنی شروع کر دیں۔

''حد ہوگئی، کیا کر رہے ہیں یہ آپ لوگ کچھ تو خیال کریں، ہسپتال ہے یہ، ہر طرح کے مریض ہیں یہاں پر۔'' پاس سے گزرتی سٹاف نرس نے ان دونوں کی لڈیوں پہ باقاعدہ بین لگایا تو حیدر کی لہراتی ٹانگ اور ہمایوں کے بل کھاتے تالیاں پیٹتے ہاتھ گویا اپنی جگہ ساکت ہوگئے، لیکن یہ سب صرف ایک پل کے لئے تھا اگلے ہی لمحے زوردار چیخ مارتے دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے زور زور سے ہوہو کرتے باقاعدہ کھلاڑیوں کی طرح اچھل اچھل کر گھومنے لگے تھے۔

''بس کر دو تم دونوں اب، ابا میں بنا ہوں اور پاگل تم لوگ ہو رہے ہو۔'' ان کی چیخ و پکار پر حیدر نے خفگی سے ٹوکا تو دونوں کو پھر سے بریک لگ گئے۔

''یار چاچو، ابا بننے کی وہ خوشی تھوڑی ہوتی ہے جو بڑا بھائی بننے کی ہوتی ہے وہ بھی ستائیس سال بعد، ہائے کتنا خوش کن ہے یہ احساس کہ میں بھی کسی کا بڑا بزرگ ہوں اب۔'' حمدان نے لہک لہک کر اپنے خوش ہونے کی وجہ بیان کی۔

''تو اور کیا، ایک تو ہم اکلوتے اوپر سے چھوٹے، رعب ڈال، ڈال کر گھسا دیا ہم کو ہائے، اب میں بھی ماموں کے عہدے پہ فائز ہوگیا ہوں حیدر ذرا چٹکی کاٹنا میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا، واہ مولا تیری شان میرے چھوٹے چھوٹے کام کرنے کے لئے تو نے ایک چھوٹا بھیج ہی دیا، اب میں اس سے جوتے اٹھواں گا چمپی کرواؤں گا آہا۔'' ہمایوں نے بیٹھے بیٹھے ہی ہاتھ لہرا لہرا کر بھنگڑا ڈالا۔

''اوئے میرا بچہ ہے وہ تم لوگوں کا اردلی نہیں جو اس سے کام کروانے اور رعب ڈالنے کا سوچ رہے ہو۔'' حیدر کی پدرانہ محبت نے جوش مارا تو وہ بھی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔

''اور ہم کون ہیں؟'' حمدان نے صدمے سے چور لہجے میں کہا۔

''ہماری بیگموں کو آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں ابھی اور اس سے پہلے رضیہ کی غیر موجودگی میں آپ رضیہ والے سارے کام مجھ سے کرواتے تھے جوتے تک پالش کرواتے تھے مجھ سے۔'' حمدان نے خوں خوار نظروں سے حیدر کو گھورتے گل فشانی کی۔

''اور مجھ غریب کو تو پیدا ہوتے ہی آپ کی بیگم نے آرڈر دینا شروع کر دیئے تھے، ہنسنے اور رونے کے جب روتا تھا تو کہتی ہنسو اور جب میں کھلکھلا کر ہنستا تو نہیں مجھے رولانا یاد آ جاتا ہی تھا، کیوں امی صحیح کہہ رہا ہوں ناں۔'' ہمایوں نے اپنا دکھڑا روتے خدیجہ بیگم کو بھی شامل حال کیا۔

''اب بس کر دو تم دونوں اور جا کر مٹھائی لے آؤ۔'' خدیجہ بیگم نے بمشکل ہنسی روک کر کہا جبکہ ارم ایسا کوئی تکلف بھلائے پیٹ پکڑے دوہری ہوئی جا رہی تھی ہنس ہنس کر۔

''آئے ہائے بڑا ہی کوئی مخولیا ٹبر ہے آپ کا آپا جی، جب سے ہسپتال میں وڑے ہیں پاگلوں جیسی باتیں کیے جا رہے ہیں یہ منڈے میں تو کہتا ہوں کہ لگے ہتھ ان کو بھی وڈے ڈاکٹر سے چیک کروالیں کہیں دماغ کا کوئی پیچ ہی نہ ڈھیلا ہوگیا ہووے۔''

(بڑا ہی مزاحیہ خاندان ہے آپ کا آیا جی جب سے ہسپتال میں داخل ہوئے ہیں پاگلوں جیسی باتیں کررہے ہیں آپ کے بچے میں تو کہتا ہوں بڑے ڈاکٹر سے چیک اپ کروالیں ان کا بھی کہیں دماغ کا کوئی پیچ نہ ڈھیلا ہوگیا ہو۔)

صفائی کرتے سویپر نے بھی گزرتے گزرتے خدیجہ بیگم کو مشورہ دیا تو ارم کے تو آنسو ہی نکل آئے ہنس ہنس کر جبکہ وہ تینوں منہ بنا کر بیٹھ گئے تھے۔

''زچہ بچہ کو روم میں شفٹ کر دیا ہے، آپ لوگ مل سکتے ہیں اب ان سے۔'' سٹاف نرس نے آ کر اطلاع دی تو خدیجہ بیگم اور ارم سے پہلے تینوں مخولیوں نے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

اتنے سوئیٹ بے بی کو چھوڑ کر کوئی بھی مٹھائی لانے کو تیار نہیں تھا، ایسے میں ارم نے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے جیا بھابھی اور چوہدری، چوہدرائن کے ساتھ ساتھ زویا کے والد صاحب کو بھی فون کر کے نواسا آنے کی خوشخبری سنائی تھی، بھیا بھابھی تو باہر تھے ایسے میں اب مٹھائی لانے کی ذمہ داری چوہدری صاحب اور نانا جی کی ہی بنتی تھی۔

☆☆☆

''یار چاچو یہ تو بہت چھوٹا ہے۔'' زویا کے بیڈ کے ساتھ لگے بے بی کاٹ پہ جھکے ان کی گل فشانیاں جاری تھیں، ارم اور خدیجہ بیگم زویا سے حال احوال پوچھ رہی تھیں اور وہ تینوں حیدر سمیت زویا کو بھلائے کاٹ میں لئے نومولود کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

''زویا یہ تو بہت چھوٹا ہے اتنا کھانے کے بعد بھی میرا بچہ اتنا کمزور؟'' حیدر بھی بچے کے حدود اربعہ سے خوش نہیں ہوا تھا اور اس کی اس بات پہ وہاں موجود تینوں خواتین کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''حد ہوگئی حیدر چاچو ایک تو اپنی جان پہ کھیل کے آپ کی زوجہ محترمہ نے یہ تحفہ دیا آپ کو اور ایک آپ ہیں کہ اس کا حال دریافت کرنے کی بجائے فرد جرم باندھ رہے ہیں۔'' خدیجہ بیگم تو داماد صاحب کا لحاظ کر گئیں لیکن ارم نے اچھا خاصا مزاج درست کر دیا تھا حیدر کا جبھی بوکھلا کر وہ زویا کی طرف متوجہ ہوا۔

''ارے نہیں میں تو ایسے ہی تم کیسی ہو زویا۔'' بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے اس نے زویا کی خیریت دریافت کی ہی لی بالآخر۔

''امی اس کو اٹھانا کیسے ہے؟'' ہمایوں نے خدیجہ بیگم کو پکار کر نیا نکتہ اٹھایا حمدان اور وہ ابھی تک کاٹ پہ جھکے چھٹکو کو اٹھانے کی کوششوں میں تھے۔

''ٹھہرو میں پکڑاتی ہوں اور اب تم میں سے کوئی ایک اس کے کان میں اذان دے اور گھٹی بھی چٹا دو اسے۔'' خدیجہ بیگم بچہ اٹھانے کو آگے بڑھیں، تو حمدان نے جھٹ رومال نکال کر سر پہ باندھا اور وضو کرنے دوڑا۔

''اور شہد میں چٹاؤں گا تا کہ یہ میری طرح لائق بنے۔'' ہمایوں نے فوراً آگے بڑھ کر ارم کے ہاتھ سے شہد کی بوتل پکڑی تو حیدر ان کی پھرتیوں پہ حیران رہ گیا۔

''او ظالموں میرا بچہ ہے یہ کچھ تو میرا بھی حق ہے اس پہ۔'' ان کی حرکات پہ بالآخر حیدر غصے سے پھٹ ہی پڑا۔

''ہاں تو ہم کب کہہ رہے ہیں کہ ہمارا بچہ ہے اور ویسے بھی اس بار ہم کو یہ فریضہ سرانجام دینے دیں ہمارے بچوں کی دفعہ آپ اپنے شوق پورے کر لینا۔'' حمدان نے اذان دینے کے لئے خدیجہ بیگم کے برابر جگہ پکڑی اور حیدر کو جواب

دیتا اذان دینے میں مصروف ہو گیا۔
''تب بھی تم لوگوں نے یوں ہی اتاؤلے ہونا ہے میری باری تھوڑی آئے گی کچھ کرنے کی۔'' حیدر خفگی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تو ارم اور زویا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔
''چلو ہمایوں شہد کھلاؤ اب بچے کو۔'' حمدان نے اذان مکمل کی تو خدیجہ بیگم نے ہمایوں کو متوجہ کیا، چنی منی آنکھوں والے سوتے جاگتے بچے کو بمشکل ہمایوں نے شہد چٹایا، تو بچے کا منہ صاف کرتی خدیجہ بیگم اسے لئے حیدر کے پاس چلی آئیں۔
''لو بیٹا تمہارا سب سے زیادہ حق ہے اس پہ لہٰذا اس کو پہلے اٹھاؤ بھی تم اور نام بھی تم ہی رکھنا اس کا۔'' خدیجہ بیگم کے کہنے پہ حیدر نے ڈرتے جھجکتے ہاتھ بڑھائے۔
''لو ایویں...... نام بھی میں رکھوں گا حیدر چاچو۔'' حمدان نے تڑپ کر گل افشانی کی۔
''حد ہے حمدان ابھی آپ کا یہ حال ہے تو اپنی دفعہ میں تو سیدھا پاگل خانے پہنچ جائیں گے آپ۔'' حمدان کے اتاؤلے پن پہ ارم نے بھی کھری کھری سنا ہی دیں آخر حمدان کے منہ کے زاویے بگڑ گئے اور ابھی وہ کوئی کرارا سا جواب دینے لگا تھا کہ دروازہ کھول کر چوہدری صاحب اور چوہدرائن نمودار ہوئے ان کے پیچھے ڈرائیور مٹھائی کی ٹوکری اٹھائے ہوئے تھا۔
''اوئے لکھ لکھ مبارکاں ہون چھوٹے چوہدری دیاں (اوئے لاکھ لاکھ مبارک باد چھوٹے چوہدری کی)۔'' چوہدری صاحب نے اندر آتے ہی حیدر کو گلے سے لگایا، چوہدرائن بھی آگے آگئیں۔
''مبارک ہوئے خدیجہ بڑی بڑی، لے دسو زویا ولو میں نانی بن گی تے حیدر ولوں پھپھی، ہا ہا۔''
(مبارک ہو خدیجہ بہت بہت لو بتاؤ زویا کی طرف سے میں نانی بن گئی اور حیدر کی طرف سے پھپھو)۔
اپنی بات پہ چوہدرائن نے خود ہی بڑا جناتی قسم کا قہقہہ لگایا تھا اور ان کی اس بات پہ سب ہنس پڑے تھے۔
''اوئے یار چوہدری، مجھے بھی کوئی مبارک باد دے دو میں بھی نیا نیا نانا بنا ہوں یار۔'' زویا کے والد طارق صاحب نے بھی انٹری ماری تھی۔
''اوئے آہو...... یار...... تجھے تو وڈی مبارک باد دینی چاہیے، شوخیا میرے توں پہلے ای نانا بن گیا اے۔''
(ہاں بھئی تمہیں تو زیادہ مبارک باد دینی چاہیے مجھ سے پہلے ہی نانا بن گئے ہو۔) طارق صاحب کو گلے لگاتے چوہدری صاحب نے ٹھٹھہ لگایا تھا۔
''اوئے سڑ نہ یار، تیرا بھی اتنا ہی رشتہ ہے تجھے بھی نانا ہی کہے گا یہ اب خوش۔'' طارق صاحب نے بچہ اٹھا کر چوہدری صاحب کی گود میں ڈالا۔
''کہے گا تے ایہہ ضرور جان جے میرے جنی اے تیرے تو زیادہ میرا دوہترا لگے گا۔''
(کہے گا تو ضرور میرے جیسی جان ہے اس کی تجھ سے زیادہ میرا نواسہ دکھے گا۔) چوہدری صاحب نے بچے کی کمزور صحت کے ساتھ ساتھ اپنی صحت کو بھی نشانہ بنایا تو کمرہ ایک بار پھر سے قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

☆☆☆

''بہت بہت مبارک ہو سر۔'' ریپشن پہ کھڑے حیدر کو بکے پکڑاتے اس کے اسٹاف نے مبارک باد دی۔

آج چھوٹے ولی عہد کا عقیقہ تھا، سنت کے مطابق ساتویں دن بال اتروا کر ختنے کروا دیئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ عقیقہ کر کے سب کی دعوت کر دی تھی، سب لوگ نقدی کے ساتھ ساتھ گفٹس بھی لائے تھے جنہیں لوگوں کے جانے کے بعد حمدان اور ہمایوں کھولنے میں مصروف تھے اور ان کے تبصرے بھی جاری وساری تھے۔

''ویسے حیدر چاچو کتنی زیادتی ہے آپ نے خود ہی نام رکھ لیا زریان۔''

''کتنا عجب سا نام ہے ناں ہمایوں؟'' حمدان نے نام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہمایوں سے مشورہ لیا۔

''ہاں بالکل ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے ابھی کوئی بادشاہ پکارے گا دربان!'' ہمایوں نے بھی اظہار خیال میں دیر نہیں لگائی تھی اور ان کی باتیں حیدر کا فشار خون بلند کرنے کے لئے کافی تھیں۔

''بس بس زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میرا بیٹا ہے میں جو مرضی نام رکھوں، تم لوگوں سے مطلب۔'' حیدر نے ایک لمحے میں ان کی طبیعت صاف کی۔

''بڑے افسوس کی بات ہے حیدر بھائی یہ صرف آپ کا بیٹا نہیں ہے ہمارا بھی کچھ رشتہ بنتا ہے اس سے اور آپ نے لمحوں میں ہمیں پرایا کر دیا چہ چہ چہ۔'' ہمایوں نے تڑپ کر حیدر کو سنایا تھا۔

''افوہ...... بچوں اب لڑنا بند کرو تم لوگ، زریان نام ٹھیک ہے باقی پیار سے تم لوگ جو بلانا چاہو، وہ تم لوگوں کی مرضی۔'' بالآخر طارق صاحب نے ان کا معاملہ نبٹایا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے، میں تو بنٹی بلاؤں گا اس کو، سائز میں بھی چھوٹی بنٹی جتنا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بڑے ہو کر اس کو اپنی ببلی مل جائے۔'' حمدان نے چٹکی بجا کر اپنا خیال پیش کیا تھا۔

''اور میں شیرو بلاؤں گا شیر بھانجا ہے میرا۔'' ہمایوں نے اپنا نام بھی منظر عام پر پیش کیا۔

''ناں یہ بھی کوئی نام ہیں، اوئے یہ چوہدریوں کا پتر ہے اس کو چوہدری کہہ کر ہی بلانا، یہ بنٹیاں شنٹیاں اور شیر بکری کوئی نہیں بلائے گا اس کو۔'' وڈے چوہدری صاحب کی غیرت جاگ گئی تھی ان کے الٹے سیدھے نام اور باتیں سن سن کر جبھی اچھی خاصی بڑھک مار کر حیدر اور ہمایوں دونوں کو چپ کروا دیا تھا اور چوہدری صاحب کا جلال دیکھ کر ان دونوں نے بھی چپ رہنے میں ہی عافیت جانی تھی اور خاموشی سے گفٹ کھول کر ان پہ تبصرے کرنے لگے تھے کہ نچلا بیٹھنا تو ان کی فطرت میں بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

''ایں...... ایں۔'' زریان مسلسل رو رہا تھا اور حیدر اسے چپ کروانے کے چکر میں ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

''بس بس میرے شہزادے بس کر دے، چپ چپ، ماما ابھی آ رہی ہے۔'' کندھے سے لگائے اسے تھپکیاں دیتے ساتھ ساتھ تسلیاں بھی دیئے جا رہا تھا لیکن زریان صاحب کا چپ ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''افوہ...... زویا...... جلدی بھی کرو یار...... یہ تو چپ ہی نہیں ہو رہا۔'' زریان کو ہر طرح سے بہلانے میں ناکام حیدر نے غصے سے باتھ روم کا دروازہ بجایا تھا۔

''او بس کر دے میرے باپ، اب چپ بھی ہو جا۔'' زویا کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر حیدر بچے کو جھلاتا باہر لے گیا جہاں ارم اور حمدان خود بھی دیکھ رہے تھے۔

''حمدان یار، اس کو چپ کرواؤ یہ تو بالکل بھی چپ نہیں ہو رہا ہے۔'' حیدر نے چہرے پہ مسکینیت طاری کرتے حمدان سے مدد طلب کی۔
''بالکل بھی نہیں ڈیئر چاچو، فلم اس وقت کلائمکس پر ہے آپ اپنا یہ باجا کہیں اور جا کر بجائیں۔'' صوفے پہ پہلو بدلتے حمدان نے ہری جھنڈی دکھائی تھی۔
''حد ادب لڑکے میرے بچے کو باجا کہنے کی جرأت کیسے کی تم نے۔'' حیدر کا پارہ حمدان کی بات پر چڑھ گیا تھا اور وہ دو دو ہاتھ کرنے کو کھڑا ہو گیا۔
''افوہ حیدر چاچو، آپ بھی کس کی باتوں پہ میں آ رہے ہیں، لائیں مجھے دے اس کو۔'' ارم نے آگے بڑھ کر زریان کو لے لیا۔
''کوئی ضرورت نہیں ان کا بچہ ہے خود چپ کروائیں، رات کو روئے تو ہم چپ کروائیں دن میں روئے تو بھی ہماری ذمہ داری ہم نے ٹھیکہ تھوڑی لے رکھا ہے۔'' حمدان نے ارم کو بھی رگیدا۔
''افوہ حمدان کیا ہو گیا، بس بھی کریں اب۔'' ارم نے حمدان کو گھر کا۔
''ٹھیکا ہی لے رکھا ہے، جیسے میری بیوی نے تمہاری من پسند چیزیں پکانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔'' حیدر نے حمدان کے ہاتھ سے ریموٹ چھینتے ہوئے اس کی فرمائشوں پہ چوٹ کی جو دہ آئے دن زویا سے کر کر کے پکواتا رہا تھا۔
''بس یہی بات مروانی ہے مجھے، افسوس آپ کی یہ نکمی بہو کسی کام جوگی نہیں ہے ورنہ آپ کی بیگم کی کوکنگ کے طعنے تو نہ سننے کو ملتے مجھ غریب کو۔'' ریموٹ دوبارہ سے حیدر سے چھینتے حمدان نے کہا۔
''خبردار جو مجھے آپس کی باتوں میں رگیدنے کی کوشش کی، میں جیسی تھی ویسی ہی رہوں گی مجھے بدلنے کا سوچنا بھی مت۔'' ارم نے خفگی سے حمدان کو گھورتے وارننگ دی تھی۔
''ہاں ہاں، تم تو کسی ملک کی شہزادی ہو ناں جو تمہیں ان ہی اعلیٰ قسم کی بدعادات کے ساتھ برداشت کیا جانا چاہیے، ارے بھئی شادی کے بعد ہر لڑکی اپنے آپ کو بدلتی ہے، اپنے میاں کی پسند سے اور ایک یہ ہماری زوجہ محترمہ ہیں بجائے اپنی بدمزا کوکنگ پہ شرمندہ ہونے سے الٹا دھمکیاں دے رہی ہیں حد ہے بھئی۔'' ارم کی بات پہ حمدان مووی بھول بھال تڑپ کر بولا تھا۔
''میں شہزادی تھی یا کنیز جو بھی تھی تمہارے سامنے تھا سب کچھ اس وقت تو تمہیں صرف شادی کی پڑی ہوئی تھی اور تمہیں کچھ نہیں چاہیے تھا اور اب......؟'' ارم بھی اچھا خاصا تپ کر بولی تھی۔
''ہاں تو قبول بھی کر لیا تھا ناں ان ساری باتوں کے ساتھ لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم میری محبت میں کچھ بھی نہ کرو، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ جب میں آفس جاؤں تو تم مجھے سی آف کرنے دروازے تک آؤ جب واپس آؤں تو اچھے سے سنیکس تیار کر کے خود بھی تیار ہو کر میرا انتظار کرو، لیکن نہیں تم تو صبح سوئی مری ہوتی ہو اور رات کو سر جھاڑ منہ پہاڑ، مجھے ہی کھانے کو دوڑتی ہو بات بات پہ۔'' حمدان صاحب نے پورے سال کی ناراضگی ایک بار ہی دکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا گویا اور اس کی باتوں پہ ارم اور حیدر کا جہاں منہ کھلا تھا وہیں زریان صاحب منہ بند کر کے مزے سے سو گئے تھے۔
ارم اور حمدان کی توپوں کے دھانے کھل چکے تھے جن پہ بند باندھنا حیدر کے لئے مشکل ہو گیا تھا، جبھی تو ارم کی گود میں سوئے زریان کو اٹھاتا کمرے میں لٹانے لے گیا تھا کہ بمشکل

سوئے بچے کو دوبارہ سے رونے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''ارم...... ارم...... میرے موزے کدھر ہیں۔'' حمدان نے کوئی دسویں بار ارم کو آواز دی تھی لیکن وہ مزے سے کانوں میں روئی ٹھونسے زریان کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھی۔

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ارم صاحبہ، براہ مہربانی مجھے میرے موزوں کا پتا عنایت فرمائیے شکر گزار رہوں گا۔'' حمدان نے خالص اردو میں طنز مارا۔

''سوری مسٹر حمدان، مجھ جاہل، پھوہڑ اور بدسلیقہ عورت کو کیا پتا کہ آپ کے شاہی خاندان کا تحفہ موزے کہاں ہیں، رضیہ سلطانہ سے پوچھ لیں شاید اس کو معلوم ہو، وہ بھی اگر اس نے دھوئے تو ورنہ...... مشین کے اندر استراحت فرما رہے ہوں گے۔'' ارم بھی صدف ہی کی کزن تھی اس کی اردو دانی کا کچھ نہ کچھ اثر تو ارم پہ بھی ہونا ہی تھا۔

''کیا یعنی کہ اب یہ رضیہ طے کرے گی کہ کون سی چیز اس نے دھو دی ہے اسے استعمال کر لیں اور کون سی گندی پڑی ہے اسے بھول جائے؟'' ارم کی بات پہ حیدر تڑپ اٹھا تھا۔

''جی بالکل جب سب اس کی مرضی پہ ہی چھوڑا جائے گا تو وہ تو ایسے ہی کرے گی۔'' ارم نے آرام سے وجہ بتائی۔

''اور اسے اس کی مرضی پہ کس نے چھوڑا ہے؟'' حمدان بھی موزے بھول بھال رضیہ نامہ کھول کر بیٹھ رہا۔

''آپ نے کیونکہ بقول آپ کے میں تو پھوہڑ اور بدسلیقہ ہوں ناں تو پھر اب روز صبح آفس جانے سے پہلے یہ چیخ و پکار کس لئے، آپ کی ذمہ داری ہے کہ رضیہ کو اپنے گندے کپڑے دھونے کے لئے عنایت فرمائیں اور اپنے بنا استری شدہ کپڑے رضیہ محترمہ سے استری کروا کر اس کو شکریہ کا موقع فراہم کریں۔'' ارم نے آرام سے اپنا بدلہ چکایا تھا گویا۔

''اور آپ کیا کر رہی ہیں آج کل، جوان چھوٹے موٹے کاموں کے لئے بھی وقت نہیں ہے آپ کے پاس۔'' حمدان تپ ہی تو گیا۔

''میں نے چاچو کا آفس جوائن کر لیا ہے، جب گھر کے کام میرے بغیر بھی ہو سکتے ہیں تو پھر بہتر ہے کہ میں اپنی ڈگری کام میں لاؤں۔'' کمال بے نیازی سے جواب دیتے، ارم نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے، تو حمدان اپنے بال نوچ کر رہ گیا۔

اور کچھ دیر بعد تک سک سے تیار ارم شان بے نیازی سے حمدان کے پہلو میں آ براجمان ہوئی۔

''سوری آج چاچو کو جلدی تھی اس لئے آپ کے ساتھ جانا پڑ رہا ہے آئندہ آپ کو زحمت نہیں دوں گی۔'' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی ارم محترمہ نے بڑے آرام سے اپنے موجود ہونے کی وجہ بتائی اور پھر اپنے موبائل فون پہ مصروف ہو گئی، جبکہ حمدان غصے بھری نگاہ اس پر ڈال کر ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆

''یہ حمدان اور ارم کے بیچ کیا چل رہا ہے۔'' حیدر نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر زریان کا ڈائپر تبدیل کرتی زویا کو مخاطب کیا۔

''کیا چل رہا ہے؟'' زویا نے الٹا حیدر سے ہی سوال کر ڈالا۔

''حد ہو گئی زویا، اتنے دنوں سے گھر کا ماحول چھوڑ آفس تک کا ماحول خراب کر رکھا ہے دونوں نے اور تم شان بے نیازی سے پوچھ رہی

ہو کہ کیا چل رہا ہے۔'' حیدر، زویا کے انداز پہ تپ گیا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا کہ کیا مجھے نہیں پتا کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔'' زویا بھی تپ اٹھی۔

''جی بالکل یہی مطلب ہے میرا سارا دن گھر میں ہوتی ہو تم بجائے اس کے کہ ان دونوں میں صلح کروا دو الٹا تم بے نیاز بنی تماشا دیکھ رہی ہو اتنے دنوں سے۔'' حیدر نے حمدان اور ارم کی خفگی زویا پہ ہی الٹ دی۔

''جی جی بالکل میں تو سارا سارا دن گھر میں فارغ ہی بیٹھی رہتی ہوں ناں صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے خیال میں مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہوں میں، حد ہو گئی یعنی کہ ایک تو سارا دن گھر کے کام کاج اوپر سے بچے کی ذمہ داری اور یہ سب ایک طرف اور آپ چچا بھتیجے کی چٹورپنے کی عادت ایک طرف، سارا سارا دن کچن کی نذر ہو جاتا ہے اور آپ الٹا مجھے ہی باتیں سنا رہے ہیں، بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے ارم نے آپ مردوں کی چاکری کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ جاب کر لے، مفت کا کھانے کے طعنے تو نہیں ملیں گے ناں، ہائے ہمایوں نے تو بہت سمجھایا تھا مگر مجھے عقل نہ آئی پڑھنے کی عمر میں بیاہ رچا کر بچہ پالنے بیٹھ گئی۔'' زویا اور حیدر اصل موضوع بھول کر اپنی چونچیں لڑانے میں لگ گئے۔

''یہ عقل شادی سے پہلے آ جاتی تو بہتر تھا مجھے بھی گریجویٹ بیوی مل جاتی پر ناجی محترمہ نے فوراً پڑھائی چھوڑ چھاڑ شادی رچا لی اور پھر بعد میں کتنا کہا تھا کہ پڑھ کے پیپر زدے لو لیکن نہیں، بس شادی مقصود تھی ڈگری جائے بھاڑ میں۔'' حیدر نے غصے سے لیپ ٹاپ بند کیا تو زویا کان لپیٹے سائیڈ پہ ہونے لگی، لیکن آج حیدر کسی اور موڈ میں ہی تھا۔

''یہ اب کدھر بھاگنے لگی ہو، نوکری کرنے کے لئے پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے پہلے، جو اس صدی میں تو کم از کم تم جیسی پڑھائی کی چور سے ممکن نہیں۔'' حیدر نے زویا کی کمزوری عیاں کی۔

''خبردار جو مجھے پڑھائی کا طعنہ دیا، ارے زریان نہ ہوتا تو پڑھ کے دیکھاتی میں آپ کو۔'' زویا نے بھی جوش جذبات میں آ کر دوبارہ میدان جنگ کا رخ کیا۔

''زریان کا طعنہ دینے کی ضرورت نہیں ہے زریان کو میں خود سنبھال لوں گا رات میں تم بس پڑھائی کرو، تاکہ مجھے بھی تو پتا چلے کہ میری بیوی کس قابل ہے، بلکہ کل ہی کسی اچھی اکیڈمی کا پتا کرتا ہوں میں۔'' حیدر نے زویا کو چاروں شانے چت کیا اور اب زویا کے پاس کوئی راہ فرار نہ تھی، لیکن پھر بھی اس نے ایک کوشش کرنا چاہی۔

''اور وہ جو کچن میں کئی کئی طرح کے کھانے پکانے میں وقت ضائع ہوتا ہے وہ؟''

''اس کی بھی تم فکر نہ کرو، ارم پر آج سے رات کا کھانا پکانے کی ذمہ داری عائد کر رہا ہوں میں اور سمجھا دینا ارم کو خبردار جو میری مرضی کے خلاف کچھ کرنے کی کوشش کی آخر کو چچا سسر ہوں میں اس کا کچھ تو ادب لحاظ کرے، اور اگر زیادہ مشکل ہے تو آفس کے بعد کوکنگ کلاسز جوائن کر لے، آیا سمجھ میں۔'' حیدر نے ٹھیک ٹھاک رعب دکھایا، تو اس کے سامنے کھڑی زویا تو زویا، کمرے کے باہر کھڑی ارم بھی تائب ہو گئی، اور الٹے قدموں اپنے کمرے کی طرف بھاگی، زویا کو قمیض کا ڈیزائن پھر بھی دکھایا جا سکتا تھا، اس وقت اندر جانا الٹا اپنی شامت کو آواز دینے کے

مترادف تھا اور ارم کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''صاحب جی ناشتہ۔'' رضیہ نے ادھ جلے ٹوسٹ اور تقریباً سارا جلا ہوا آملیٹ حمدان کے سامنے رکھا تو ایک بار تو حمدان گویا اچھل ہی پڑا۔

''سلطانہ! لگتا ہے کہ میری زوجہ محترمہ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی کوکنگ کلاسز لینی چاہیں۔'' حمدان نے بدک کر طنزیہ کہا جبکہ رضیہ محترمہ اپنے لئے لفظ سلطانہ کو اعزاز سمجھتے پھولے نہیں سماتی تھیں۔

''ہائے میں صدقے صاحب جی، آپ کے دل میں میرے لئے کتنی محبت ہے جو ارم بھابھی کے ساتھ ساتھ آپ مجھے بھی کلاسیں لینے کو کہہ رہے ہو۔'' شرمانے کی ناکام اداکاری کرتی رضیہ سلطانہ اس وقت زہر لگی تھی حمدان کو۔

''دماغ خراب ہے میرا جو تم جیسی نکمیوں کے نرغے میں پھنس کر رہ گیا ہوں، اٹھاؤ یہ سب سڑی ہوئی چیزیں اور جا کر اپنے اس نالائق شوہر کو کھلاؤ جو یقیناً ان جلی ہوئی چیزوں کو کھا کھا کر ہی زور بروز کالے سے کالا ہوتا جا رہا ہے کہ۔'' حمدان کے اتنے کڑوے جواب پہ رضیہ بھی تپ اٹھی۔

''او بس کر دیں حمدان باؤ، میرے ہاتھوں کے کھانے کھا کھا کر ہی آپ اتنے بڑے ہوئے ہیں اور ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں آپ کو بیاہے اور لگے ہیں میرے پکے میں کیڑے نکالنے۔'' رضیہ نے بھی ٹھیک ٹھاک سنا دی تھیں۔

''او...... بس...... بس...... رضیہ خاتون یہ زیادہ فلمی قسم کے طعنے مارنے کی ضرورت نہیں، بیاہ کر کون سا سکھ پا لیا میں نے میری بیوی تو تم سے بھی گئی گزری ہے پکانے کے معاملے میں وہ تو اللہ بھلا کرے زویا کا جس کے دم سے اس گھر کا کچن آباد ہے، جاؤ زویا باجی سے کہو میرا ناشتہ بنا دیں۔'' حمدان نے ارم کو بھی رگیدتے نیا حکم نامہ جاری کیا۔

''سوری صاحب جی، زویا بی بی تو رات بھر پڑھتی رہی ہیں اور اب سو رہی ہیں دس بجے اٹھ کر پھر اکیڈمی چلی جائیں گی کھانا ہے تو کھائیں ورنہ آپ کی مرضی۔'' رضیہ نے شان بے نیازی سے کہتے کچن کی راہ لی اور ابھی حمدان کچھ کہہ بھی نہیں پایا تھا کہ حیدر گلے میں ٹائی لٹکائے ایک بازو میں کوٹ لٹکائے اور دوسرے میں زریان کو سنبھالے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا پاؤں میں باتھ روم سلیپرز تھے۔

''رضیہ...... رضیہ...... یہ سنبھالو اسے اور ناشتہ دو جلدی سے مجھے۔''

''صاحب جی، دو دو کام نہیں ہوتے مجھ سے آپ چھوٹے کو پکڑو میں ناشتہ بنا لوں پھر سنبھالوں گی۔'' رضیہ صاحبہ نے صفا چٹ جواب دیتے کچن کی راہ لی۔

''بڑی مہربانی تمہاری، یہ زحمت تم نہ ہی کرو تو بہتر ہے اور چاچو آپ کی زیادہ ہی شوق ہے رضیہ خاتون کے ہاتھ کا ناشتہ کرنے کا تو یہ لیں اسے نوش فرما لیں میں آفس سے ہی کچھ زہر مار کر لوں گا۔'' حمدان نے رضیہ اور حیدر کو ایک ساتھ نمٹاتے آفس کی راہ لی، حیدر نے ایک نظر ناشتے کے نام پر پلیٹ میں موجود جلی ہوئی اشیاء پر دوڑائی اور پھر زریان کو رضیہ کو تھماتے باہر لپکا۔

''میں بھی آفس میں ہی کر لوں گا۔'' ٹائی کی ناٹ لگاتے وہ باہر کی طرف بڑھا۔

''او صاحب جی، بات تو سنیں۔'' رضیہ نے پیچھے سے آواز لگائی، لیکن حیدر بغیر مڑے باہر نکل گیا۔

''حد ہو گئی آپ سلیپروں میں چلے گئے دفتر،

مت ہی ماری گئی ہے ان منڈوں کی۔'' رضیہ پیچھے سے بڑبڑاتی رہ گئی اور حیدر صاحب یہ جا وہ جا۔

☆☆☆

''حیدر چاچو، اب آ بھی جائیں ناں سب کانفرنس حال میں انتظار کر رہے ہیں آپ کا۔''
حمدان حیدر کے روم کا دروازہ بجا کر اندر آیا اور اب جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔

''تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ یار۔'' حیدر کی بات پہ حمدان نے نہایت حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''خیریت تو ہے ناں ڈیئر چاچو، پہلے میٹنگ سے بھی پانچ سات منٹ پہلے آ موجود ہوتے تھے آپ کانفرنس روم میں اور اب پندرہ منٹ اوپر ہو گئے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔'' حمدان نے حیرانگی اور تشویش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''اوہ حمدان تم تو بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو کہہ جو دیا ہے کہ تھوڑا صبر کر لو اور اگر زیادہ ہی جلدی ہے تمہیں تو یہیں میرے آفس میں میٹنگ رکھ لو سب کو بلا لو ادھر ہی۔'' حیدر نے خفگی بھرے لہجے میں حمدان کو رگیدتے ہوئے نیا مشورہ دیا۔

''چاچو، سچ سچ بتائیں کیا ماجرا ہے، ورنہ نا آپ کبھی میٹنگ روم سے غائب ہوئے ہیں اور ناہ ہی کبھی آپ نے کہیں اور میٹنگ رکھوائی ہے پھر آج ایسا کیا انوکھا ہو گیا کہ آپ اپنے بنائے اصول خود ہی توڑنے چلے ہیں۔'' حمدان نے کرسی پہ پھیل کر بیٹھتے گویا حیدر کو الٹی میٹم دیا تھا کہ بات جانے بغیر وہ ہلنے والا نہیں ہے حیدر نے ایک کڑی نظر حمدان پہ ڈالی اور جھٹکے سے اٹھ کر ٹیبل کی دوسری طرف آیا۔

''لو مرو، دیکھو میرے انتظار کی وجہ۔'' حیدر نے غصے سے کہتے اپنا ایک پاؤں اٹھا کر تقریباً حمدان کی گود میں ہی رکھ چھوڑا، جو باتھ روم سلیپر میں استراحت فرما رہا تھا، حمدان پہلے تو بدک کر پیچھے ہوا اور پھر اس کے بعد قہقہوں کا نا تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا، جس پہ تپ کر حیدر نے دو تھپڑ جڑ ہی دیئے سچ مچ کے۔

''زیادہ کھی کھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ارم کو شوز لانے کا کہا ہے میں نے ابھی کچھ دیر میں وہ آ جائے گی تو پھر میٹنگ کر لیں گے۔'' ابھی یا تو کینسل کر دو یا سب کو یہیں بلاؤ، حیدر نے دوبارہ سے اپنی سیٹ پہ جاتے ہوئے کہا۔

''ارم لے ہی نا آئے سچ میں آپ کے سلیپرز دونوں گاڑیاں تو یہاں ہیں وہ محترمہ کیسے آئیں گی اور اگر بہت جلدی بھی پہنچی تو تقریباً آدھا گھنٹہ لگے گا، ٹیکسی میں اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ کے آفس میں ہی رکھ لیتے ہیں میٹنگ۔''
حمدان کہتے ہی باہر نکلا تا کہ سب کو انفارم کر سکے جبکہ حیدر نے اپنی چیئر تقریباً ٹیبل میں ہی گھسا دی، سلیپرز چھپانے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

''صاحب جی کھانا لگا دوں؟'' رضیہ نے ٹی وی کے سامنے بیٹھے حیدر اور حمدان سے بیک وقت استفسار کیا، تو حیدر نے سامنے کلاک پر نظر دوڑائی۔

''ہاں لگا دو اور دونوں باجیوں کو بھی بلاؤ اب پکا کے نہیں دیتیں تو کم از کم ساتھ بیٹھ کے کھا ہی لیں۔'' حیدر نے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا، تو حمدان نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

''صاحب جی کھانا تو آپ کو اکیلے ہی کھانا پڑے گا، ارم باجی تھوڑی دیر پہلے کوکنگ کلاس لے کر آئیں ہیں اور اب آرام کر رہی ہیں اور

زویا باجی کا ٹیسٹ ہے وہ اس کی تیاری میں لگی تین چار کپ چائے چڑھا چکی ہیں اس لئے اب وہ ذرا دیر سے کھانا کھائیں گی۔'' رضیہ محترمہ نے کہیں بھی جانے کی زحمت کیے بغیر بلیٹن پڑھ کر سنا دیا اور چلی دیں کھانا لگانے۔

''یار چاچو اچھا نہیں کیا آپ نے؟'' رضیہ خاتون کے ہاتھ سے بنے آلو گوشت کے شوربے کو چمچ سے فضا میں لہراتے حمدان نے دہائی دی۔

''کیا اچھا نہیں کیا؟''

''اتنے اچھے کھانے بناتی تھی زویا لے کے اس کو پڑھائی میں جوت دیا۔'' حمدان نے برا سا منہ بنا کر گلہ کیا۔

''ہاں تو پڑھائی بھی تو ضروری ہے ناں، بی اے کر لو تو پھر کچن ہی سنبھالے گی۔'' حیدر نے روٹی توڑتے حمدان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی۔

''اتنا لمبا عرصہ پڑا ہے اس کے بی اے میں، تب تک رضیہ خاتون کے کھانے ہمیں اوپر پہنچا دیں گے۔'' حمدان نے خفگی دکھائی۔

''ویسے برا نہ منانا، تمہاری بیوی تو بالکل ہی نکمی ہے، کھانا پکانے میں، میں نے تو سوچا تھا کہ کچھ نہ کچھ کر لے گی وہ اور میں بیوی کو ڈگری لانے میں لگا دوں گا لیکن نا جی یہ ہماری بہو صاحبہ ڈگری +A لائی میں اور کوکنگ میں F گریڈ۔'' حیدر نے بھی اپنی جلن ارم پہ نکالی۔

''نا آپ نے ڈگری کا اچار ڈالنا ہے چھوڑیں دفعہ کریں ارم کے پاس جو ڈگری ہے مجھے بڑا سکھ دے دیا اس ڈگری نے اور ایک آپ ہیں گھر آئی نعمت کو لات مار دی اور ہمیں پھر سے رضیہ کے وہی بدمزا کھانا کھانا پڑتا ہے۔'' حمدان نے پھر سے حیدر کی سوچ بدلنا چاہی۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے، ارم نے کتنے ماہ لگا دیئے اور اب تک ڈھنگ کا پکانا نہیں آیا اس کو اور اگر کل تو زویا محترمہ بھی لڑھک گئیں تو فائدہ ہمارے اتنے ماہ صبر کرنے کا، صبح شام پڑھائی کے بہانے غائب میں دونوں اور ہم چھڑے کے چھڑے۔'' رضیہ کے ہاتھ کے کھانوں نے حیدر کی سوچ کو بالآخر بدل ہی ڈالا۔

''ارے واہ...... یہی تو...... میں سمجھا رہا تھا آپ کو، بس اب جلدی سے بلائیں دونوں کو اور نیا فرمان جاری کریں، بلکہ ٹھہریں نہیں ہی بلا لاتا ہوں۔'' حیدر نے ہاتھ جھاڑ کر پانی کا گلاس منہ سے لگایا اور حمدان دونوں کو بلانے اندر دوڑا تھا۔

☆☆☆

''جی...... چاچو...... خیریت کوئی خاص کام ہے۔'' ارم کے حمدان نے وہ ہاتھ پاؤں پھلائے تھے کہ وہ بھاگم بھاگ لاؤنج میں پہنچی تھی اور اس کے دو سیکنڈ بعد زویا بھی۔

''خیریت کیا ہوا؟'' ایک ہاتھ میں بال پوائنٹ پکڑے دوسرے ہاتھ سے الجھے بالوں کی لٹ کانوں کے پیچھے کرتی زویا یقیناً ٹیسٹ کی ہی تیاری کر رہی تھی۔

''ہاں خیریت ہی ہے بیٹھو تم دونوں۔'' حیدر نے مصنوعی سنجیدگی طاری کرتے دونوں کو بیٹھنے کو کہا، حمدان بھی فوراً حیدر کے پہلو میں براجمان ہو گیا، جبکہ ارم اور زویا سوالیہ نظروں سے حمدان کا منہ دیکھنے لگیں۔

''او...... ہوں۔'' حیدر نے گلہ کھنکارا۔

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اور حمدان نے فیصلہ کیا ہے کہ، سدھرنا تو تم دونوں نے ہے نہیں سو جیسے چل رہا تھا ویسے چلنے دو اور گھر سارا الٹا پڑا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے تم لوگ گھر میں

رہ کر ہی گھر بھی سنبھالو اور ایک روم پڑھائی میں زویا کی مدد کرے جبکہ زویا ارم کو کوکنگ سکھائے آئی سمجھ۔'' حیدر نے آواز کو بھرپور بارعب بنانے کی کوشش کی لیکن زویا الٹا اپ اٹھیں۔

''سیدھی طرح کہیں ناں کہ آپ دونوں سدھر گئے ہیں ان بیس دنوں میں۔'' دونوں کو گھورتی زویا خونخوار لہجے میں بولی تو حیدر اور حمدان ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''ارے نہیں چاچی، چاچو کا مطلب یہ نہیں ہے۔'' حمدان نے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ہمیں بہت اچھی طرح سے سمجھ آ رہا ہے کہ بات کیا ہے اور مطلب کیا، آپ کو اپنے ننھے سے دماغ پہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ارم حمدان پہ چڑھ دوڑی۔

''حد ہوگئی اب یہ عزت رہ گئی ہے گھر کے مردوں کی کہ تم لوگ ہمیں ہی لتاڑنے بیٹھ گئی ہو بس کہہ جو دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے کچھ بھی کرنے کی گھر بیٹھو اور چولہا چوکی کرو۔'' حیدر نے غصے میں بے نقط سنائیں۔

''آپ یہ تڑیاں کس کو لگا رہے ہیں۔'' زویا نے رعب میں آئے بغیر الٹا حیدر کو ہی رگیدا، تو حیدر کے ساتھ ساتھ حمدان بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

''خیر تو ہے ناں، چاچی جی، کہاں تو چاچو کی ایک آواز آپ کو تھر تھر کانپنے پر مجبور کر دیتی تھی اور کہاں آج آپ ان کی سلطان راہی والی بڑھکو کو بھی خاطر میں نہیں لا رہیں۔'' حمدان کی زبان بالآخر پھسل ہی گئی۔

''جی بھتیجے جی، اب مجھے تمہارے چاچو کا سوا سیر مل گیا ہے سو میں نے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔'' زویا نے بھی ٹھوک کر جواب دیا۔

''ہیں...... وہ کون؟'' حمدان نے پوچھا۔

''بھابھی...... یعنی تمہاری ماما۔'' زویا نے مزے سے جواب دیا۔

''کیا مطلب، بھابھی کو کیا بتایا ہے تم نے۔'' حیدر بدک اٹھا۔

''یہ پوچھیں چاچو کہ کیا نہیں بتایا ہے نے ماما کو۔'' ارم نے بھی گل فشانی کی اور حیدر کے ساتھ ساتھ حمدان کے بھی طوطے اڑائے۔

''ک...... کیا...... کیا...... بتایا ہے۔'' حمدان صحیح معنوں میں ہکلا گیا۔

''سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا آپ چچا بھتیجے کا اور بھابھی نے کہہ دیا ہے کہ کوئی ضرورت نہیں، ان چولوں (پاگلوں) سے ڈرنے کی۔'' زویا نے ان کے منہ پر ہی تعریف کر دی تو حمدان اور حیدر نے بمشکل تھوک نگلا۔

''بھابھی کو بتانا ضروری تھا کیا گھر کی باتیں سات سمندر پار پہنچانا کوئی اچھی بات ہے۔'' حیدر نے زویا کو گھرکا۔

''آپ بھابھی کو غیر کہہ رہے ہیں۔'' زویا نے تنک کر پوچھا۔

''ن...... ن...... نہیں...... وہ میرا مطلب ہے کہ۔'' حیدر بھی حمدان کی طرح ہکلا ہی گیا۔

''آپ کا جو بھی مطلب ہے ناں چاچو، وہ آپ رہنے دیں، ہم تین ماہ بعد آ کر سمجھ لیں گی۔'' ارم نے حیدر کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں چچا بھتیجا سچ مچ مشکل میں پڑ گئے۔

''تین ماہ...... سے کیا مراد ہے، کہاں جا رہی ہو تم لوگ؟'' حمدان نے فوراً پوچھا۔

''کینیڈا۔'' زویا نے لہرا لہرا کر جواب دیا۔

''کیوں؟'' حیدر کا منہ کھلا رہ گیا۔

''کیونکہ بھابھی اور میں دونوں مل کر بزنس اسٹارٹ کرنے لگی ہیں تو اس کے لئے میں اور ارم کچھ شارٹ کورسز کرنے کینیڈا جا رہی ہیں۔'' زویا نے بالآخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔

''کیسا بزنس؟ اور اجازت کس سے لی تم لوگوں نے۔'' حیدر کی مردانگی ایک بار پھر سے جاگ اٹھی۔

''ہوٹل بنانے کا سوچ رہے ہیں ہم لوگ اور اجازت بھیا نے دی ہے۔'' زویا نے پوری بات بتادی اور حمدان اور حیدر ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئے، بھیا کے متھے اب کون لگتا۔

''ڈھنگ کا کھانا پکانا تو آیا نہیں ہے تمہیں، اب تک ہوٹل کیا خاک کھولو گی۔'' حمدان ارم پر چڑھ دوڑا۔

''ہاں نہیں آتا پکانا، پھر...... ضروری نہیں ہے کہ اچھا ہوٹل چلانے کے لئے اچھا پکانا آئے، میں ہوٹل مینجمنٹ کا کورس کر رہی ہوں پچھلے تین ماہ سے اور بہت اچھا مینج کر لیتی ہوں میں چیزوں کو سمجھے۔'' ارم نے تفصیلی جواب دیا۔

''کیا...... تم کوکنگ سیکھنے کی بجائے، ہوٹل مینجمنٹ کا کورس کر رہی تھیں؟'' حیدر اچھل ہی تو پڑا۔

''جی اور آپ کی زوجہ محترمہ کوئی بی اے وی اے نہیں کر رہیں بلکہ وہ Ielts کر رہی ہے۔'' ارم نے نیا بم پھوڑا۔

''نہیں۔'' حمدان نے غش کھا کر گرنے کی شاندار اداکاری کی لیکن حیدر نے زور دار ٹکے نے تڑپ کر اٹھنے پہ مجبور کر دیا۔

''وہ کس خوشی میں؟'' اب کے حیدر نے زویا کی طرف رخ کیا۔

''تا کہ کینیڈا جا کر کچھ نئے کوکنگ کورسز کر سکوں اور اس کے لئے انگلش اچھی ہونا ضروری ہے۔'' زویا نے من و عن سب بیان کر دیا۔

''چاچو۔'' حمدان نے دکھیا انداز میں پکارا۔

''دیکھو، تم لوگ کینیڈا جانے کا خواب دیکھنا چھوڑ دو ہمیں گھر میں ضرورت ہے تم لوگوں کی بزنس کے لئے بھیا، بھابھی حمدان اور میں ہی کافی ہیں تم دو بس گھر داری پہ توجہ دو۔'' حیدر نے ایک بار پھر سے انہیں گھیرنے کی کوشش کی۔

''ہم گھر داری پہ ہی توجہ دے رہی تھیں جو آپ چچا بھتیجے سے ہضم نہیں ہوا اور اب ہم لوگ آپ کو یہ دکھا کر چھوڑیں گی کہ ہم کتنی ٹیلنٹڈ ہیں اس کے لئے ہم دونوں کینیڈا ضرور جائیں گی، ویزا کا پروسس جاری ہے جیسے ہی مکمل ہوگا ہم لوگ زوں...... کینیڈا۔'' زویا نے ہاتھ سے جہاز کا سائن بناتے ہوئے منہ سے جہاز چلنے کی آواز تک نکال دی۔

''جی بالکل اب میں تمہیں دکھاؤں گی مسٹر حمدان کہ کیسے بغیر اچھا پکائے بھی میں ایک بہتر ہوٹل چلا سکتی ہوں اور رہی زویا تو چاچو ڈگری خالی خولی ایجوکیشن کا نام نہیں ہے، زویا کو کوکنگ میں انٹرسٹ ہے تو اب یہ آپ کو اس فیلڈ میں ڈگریز کے انبار لگا کر دکھائے گی سمجھے آپ۔'' ارم نے انگلی اٹھائی۔

''اور خبردار اگر اب کسی نے کچھ کہا تو، میں ارم اور زریان جا رہے ہیں تو جا رہے ہیں آپ لوگ پیچھے سے شکر منائیے گا کہ جان چھوٹی چلو ارم۔'' زویا نے بھی انگلی اٹھا کر وارننگ دی اور ارم کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

پیچھے حیدر اور حمدان سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گئے یہ تو سیر کو سوا سیر ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ریت کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

تیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹھکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آ کر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندار اسے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

تنتیسویں قسط

اسے اندازہ ہی نہیں ہوا اور وقت اتنا گزر گیا۔
جب کال ڈراپ ہوئی تو دورانیہ ڈیڑھ گھنٹے سے اوپر تھا، وہ فون ہاتھ میں لئے ایک خواب آگیں کیفیت میں تھی۔
اسے ولید سے بات کرنے کے بعد عجیب سی ریلیکشن فیل ہو رہی تھی، اس کے دماغ سے بوجھ اتر گیا تھا اور ہر وقت اکٹوپس کی طرح جکڑے ڈپریشن سے نجات محسوس ہو رہی تھی۔
اس نے ولید کا نمبر ایک کاغذ پہ نوٹ کیا اور عجیب سی ترنگ میں موبائل رکھ کر اپنے کمرے کی طرف آگئی تھی۔
نشرہ سے دشمنی اور عداوت ایک طرف تھی، وہ تو خوش کن خیالوں اور خوابوں میں کھو رہی تھی، اس کی زندگی کی کشتی کو جیسے اچانک ہی کنارہ مل گیا تھا۔
اس لمحے وہ بھول چکی تھی کہ اس کے بھائی نے اس کا رشتہ روزگل سے طے کر رکھا تھا، اس لمحے وہ سب کچھ بھول چکی تھی اور پھر ولید سے چھپ چھپ کر بات کرنا ایک معمول بن گیا تھا۔
اب وہ عشیہ کے نمبر پہ کال نہیں کرتا تھا، بلکہ گھر کے نمبر پہ کال کرتا تھا، لیکن چند دن بعد لینڈ لائن نمبر کی خرابی کے بعد اصل مسئلے کی شروعات ہوئی تھی، ایک مرتبہ پھر عروفہ کو عشیہ کے موبائل کی ضرورت پڑ گئی تھی۔
ایک دو دن تو عشیہ نے یہ روٹین برداشت کی تھی اور پھر اگلے چند دنوں میں وہ ٹھنک گئی۔
عروفہ دو دو تین تین گھنٹے موبائل کے ساتھ غائب ہو جاتی تھی، اگر ہیام کی یا کبھی کبھار شاہوار کی کال آتی تو نمبر بزی ملتا۔
ہیام کو تشویش لاحق ہوئی تو شاہوار نے بھی ایک دن گلہ کر دیا۔
''موبائل بہت ہی زیادہ مصروف رہنے لگا ہے تمہارا۔''
''ہاں وہ نشرہ کی کالز وغیرہ آتی ہیں۔'' اس نے جان بوجھ کر بات بنائی۔
''ہیام اتنا فری ہوتا ہے؟ اتنے گھنٹے فری ہی رہتا ہے؟'' شاہوار نے حیرت سے پوچھا تھا، تاہم عشیہ کے جواب پہ اس نے مزید کرید نہیں کی تھی، شاید وہ مطمئن ہو گیا تھا۔
اور اگر مطمئن نہیں بھی ہوا تھا تب بھی اس نے مزید کوئی بحث نہیں کی تھی، بس اتنا ہوا کہ ایک نیا موبائل اس نے بھیج دیا تھا، جس پہ عشیہ نے بہت ہی ناک بھوں چڑھائی تھی۔
''منگیتر سمجھ کر تحفہ قبول کر لو۔'' عشیہ کے غصے پہ شاہوار نے رسان سے سمجھایا تھا۔
''ہمارے ہاں منگیتروں سے تحائف لئے جاتے ہیں؟''
''یہ میں ہوں، تو میں کچھ انوکھا ہی کروں گا۔'' شاہوار نے مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔
''مگر میں عشیہ ہوں اور کچھ انوکھا نہیں کرنے دوں گی، موبائل واپس بھیج رہی ہوں۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں اپنا فیصلہ صادر کیا تھا۔
''اگر تم نے میرا تحفہ واپس کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' یکایک وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''ہاں تو تم کیا کر لو گے۔'' عشیہ نے تنک کر پوچھا۔
''وہ تو تمہیں پھر پتا چل ہی جائے گا۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''تم مجھے ابھی پتا چلا دو۔'' عشیہ نے منہ بنا کر کہا۔
''مجھے میرا خاندانی غصہ مت دلاؤ، تحفہ بھیجا ہے چپ چاپ قبول کرلو۔'' اب کی دفعہ شاہوار نے رسان سے کہا تھا۔
''تم بھی مجھے میری خاندانی ضدمت دلاؤ، ضد پہ آ گئی تو پھر کبھی بھی کوئی تحفہ قبول نہیں کروں گی۔'' اس نے بے لچک لہجے میں جتلایا تھا۔
''اتنی بے لچک کیوں ہو؟ مجھ سے کچھ لینے یا میرے کچھ دینے پر تمہاری ایگو ہرٹ ہوتی ہے؟'' شاہوار نے آنکھیں میچ لی تھیں۔
''ایگو بیچ میں کہاں سے آ گئی ہے؟'' وہ خفا ہوئی۔
''تو پھر؟'' وہ ناراض ہوا۔
''یہ غیر مناسب ہے شاہوار! مورے کو بھی اچھا نہیں لگے گا اور عروفہ؟ اسے باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔''
''ایک تو تمہاری یہ بہن......'' شاہوار نے گہرا سانس بھرا۔
''میرا بلڈ پریشر ہائی کر دیتی ہے۔'' وہ بھنایا۔
''اور میرا پارہ ہائی کر دیتی ہے؟''
''کوئی تو ہے، جو تمہارا بھی پارہ ہائی کرتا ہے۔'' عشیہ نے طنزیہ کہا تھا۔
''یہ میرے ساتھ رہے چار دن، اس کو سیدھا کر دوں گا۔'' شاہوار نے ناگواری سے سر جھٹکا تھا، عروفہ واقعی ہی ایک سر درد بنتی جا رہی تھی۔
''تمہیں سیدھا کر دے گی وہ، کانوں کو ہاتھ لگاؤ گے۔'' عشیہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔
''یہ تو تم دیکھتی کہ کون کسے سیدھا کرتا ہے۔'' اس نے اعتماد سے کہا اور اچانک موضوع پہ آ گیا، شاید اسے خیال آیا تھا، اس نے فون کسی اور مقصد کے لئے بھی کیا تھا۔
''مجھے مورے سے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔''
''اب کون سی ضروری بات رہ گئی ہے؟'' عشیہ نے ناک چڑھائی۔
''یہ کہو ہمارے گھر آنے کے بہانے چاہیے ہیں تم کو۔''
''اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔'' شاہوار نے سر تسلیم خم کیا تھا۔
''ہر روز چائے پینے نہ آیا کرو، مہنگائی بہت ہے۔'' عشیہ نے ہونٹ کا کونا دبا کر شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔
''چائے کی طلب کون کافر کرتا ہے، ہم تو دیدار یار کے لئے کشاں کشاں کھنچے چلے آتے ہیں۔'' جواباً وہ بھی پٹڑی سے اتر گیا تھا۔
''منہ دھو رکھو۔''
''روزانہ ہی دھوتے ہیں۔'' وہ بھی برجستہ بولا۔
''پھر بھی کوئی افاقہ نہیں۔'' عشیہ نے دانت کچکچائے تھے۔
''آپ کے ساتھ رہیں گے تو خوبصورت ہو جائیں گے، ابھی آپ اسی صورت کے ساتھ

گزارا کرو۔'' وہ دلفریبی سے چہکا تھا، آج یقینی طور پہ اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا، تبھی عشیہ کو اچانک خیال آیا۔

''مورے سے کیا بات کرنی ہے؟''

''بات ضروری ہے، تمہیں بتائی نہیں جاسکتی۔''

''کس کے متعلق ہے؟''

''تمہارے۔'' اور ساتھ ہی شاہوار نے از خود رابطہ منقطع کر دیا تھا، کیونکہ عشیہ کے لیے سوالات کی بھرمار ہونے والی تھی اور فی الحال وہ عشیہ کو کسی بھی بات کی بھنک دینا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ عشیہ کا متوقع ردعمل اسے پہلے سے معلوم تھا۔

''سیدھا اور صاف انکار۔''

☆☆☆

عینی کچھ دنوں سے کٹ کھنی بلی بنی ہوئی تھی۔

بات بہ بات نومی سے الجھ پڑتی، غصہ کرتی اور کچھ زیادہ ہی ڈسٹرب ہوتی تو کمرہ بند کر کے گم ہو جاتی۔

پلوشہ اس کے ہنسنے مسکرانے کی عادی ہو چکی تھیں اور اب جو گم صم ہوئی تو امام نے بھی پوچھ لیا تھا۔

''یہ عینی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے خالہ؟''

''لگتا تو کوئی مسئلہ ہی ہے، شاید اپنی ماں اور گھر کو مس نہ کر رہی ہو۔'' پلوشہ نے پریشانی کے عالم میں اپنی رائے دی تھی، عینی کی خاموشی ان کے لئے واقعی ہی پریشان کن تھی۔

''اگر ایسی بات ہے تو آپ نومی سے کہیں، وہ عینی کو خالہ سے ملوا لائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' انہوں نے پرسوچ لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن پہلے وجہ معلوم کرنی چاہیے، یہ کچھ اور طرز کا ہی پریشان لگ رہی ہے۔'' پلوشہ نے گہرا سانس بھرا اور باہر نکل آئیں، عینی لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی، بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی، مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا، نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

پلوشہ کو دیکھ کر بھی وہ چونکی نہیں تھی، پلوشہ نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ ہڑبڑا گئی تھی اور پلوشہ کو دیکھ کر چونک گئی، جیسے وہ اس کی تنہائی میں مخل ہو کر اس کی چوری پکڑ چکی تھیں، پلوشہ سہولت سے اس کے قریب بیٹھ گئیں اور عینی کو اپنی خیریت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔

''اللہ جانے اب خالہ کیا کہیں۔'' وہ انگلیاں مروڑتی خاصی کنفیوز ہو چکی تھی، پلوشہ اس کی پریشانی دیکھ رہی تھیں، انہیں معاملہ خاصا گمبھیر ہی لگا تھا، کچھ دیر بعد انہوں نے قدرے رسان سے پوچھا تھا۔

''عینی بیٹا! کوئی مسئلہ ہے کیا؟ تم پریشان لگتی ہو؟''

''نہیں خالہ!'' وہ فوراً گڑبڑا سی گئی تھی، ایسی امید نہیں تھی کہ خالہ براہ راست ہی پوچھ گچھ کر لیں گی، فوری طور پر اس سے کوئی جواب ہی نہیں بن سکا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں خالہ۔'' وہ انگلیاں مروڑتی ہوئی اور بھی کنفیوز ہوئی تھی۔

''کوئی بات تو ہے بیٹا! تم بہت گم صم ہو کافی دنوں سے، اگر امی سے اداس ہو تو مل آؤ، امام بھی کہہ رہا تھا، عینی کی اب چہکنے بولنے کی آواز نہیں آتی۔'' انہوں نے اس کے گال تھپکتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا، عینی نے بے ساختہ نظر چرائی تھی۔

''نہیں خالہ! گھر سے دل اداس نہیں ہے۔''

''تو پھر بیٹا؟'' وہ متفکر ہوئیں۔

''کچھ نہیں خالہ!'' عینی نے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا، اب انہیں ولید کی دوسری مرتبہ بے وفائی کا کیا بتاتی؟ ہمیشہ اسے مطلب کے لئے ہی استعمال کرتا تھا۔

اب بھی نشرہ کا فون نمبر لینے کے بعد اچانک غائب ہو گیا تھا، عینی نے کچھ دن تو انتظار کیا تھا اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے کال کی اور آگے سے ٹیپ شدہ پیغام سن کر اسے دھچکا مل چکا تھا، یعنی مطلوبہ صارف اپنے نمبرز تبدیل کر چکا تھا، ایک مرتبہ پھر اسے الو بنایا گیا۔

ولید کی خود غرضی پہ اب اسے تاؤ آ رہا تھا، دکھ، کرب، اذیت اور تاؤ کے بعد اب آہستہ آہستہ بے حسی طاری ہو رہی تھی اور شاید اپنی اوقات کا بھی پتا چل گیا تھا۔

جس نشرہ سے ساری عمر وہ خود کو برتر سمجھتی رہی تھی، وہ تو زندگی کے اہم ترین معاملوں میں بغیر مقابلہ کیے پچھاڑ چکی تھی، اس سے بڑا دکھ اور کیا تھا؟ ہمیشہ ولید نے اسے استعمال کیا، پہلے بھی اور اب بھی۔

کچی عمر کا رو پہلا خواب تھا، جو بہت ہی بے دردی سے کچلا گیا تھا، ولید کے نمبر تبدیل کرنے سے ہی اسے اپنی اہمیت کا اندازہ ہو چکا تھا اور اب تو کوئی امید بھی باقی نظر نہیں آتی تھی۔

دل بے خبر، ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ
کوئی ایسا گھر بھی ہے شہر میں
جہاں ہر مکیں ہو مطمئن
کوئی ایسا دن بھی کہیں پہ ہے
جسے خوف آمد شب نہیں
یہ جو گرد بار زمان ہے
یہ ازل سے ہے کوئی اب نہیں
یہ جو خار ہیں تیرے پاؤں میں
یہ جو زخم ہیں تیرے ہاتھ میں
یہ جو خواب پھرتے ہیں در بدر
یہ جو بات ابھی ہے بات میں
یہ جو لوگ بیٹھے ہیں جا بجا
کسی ان بنے سے دیار میں

سبھی ایک جیسے ہیں سرگراں
غم زندگی کے فشار میں
دل بے خبر ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ

اس کی آنکھ سے ایک تارہ خاموشی سے ٹوٹ کر گر پڑا تھا، یوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی، عینی کا دل یک دم بجھ گیا تھا۔

دوسروں کے دل بجھانے والے اپنے چراغوں کو روشن دیکھنے کے کیوں خواہش مند ہوتے ہیں؟

کسی دوسرے کے لئے برا سوچ کر اپنے لیے کسی اچھائی کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ اگر ہر کوئی یہ سوچ لیتا تو عینی کی طرح آج نادم نہ بیٹھا ہوتا۔

☆☆☆

''مسز قریشی کو پھر کیا جواب دوں؟'' شانزے کی ممی آج پھر بڑے خطرناک تیور لئے شانزے کو گھیرنے آ گئی تھیں، ممی کا موڈ سخت آف تھا، یوں لگ رہا تھا، آج وہ شانزے سے ہاں کیے بغیر ہرگز بھی ٹلنے والی نہیں تھیں، شانزے دل ہی دل میں اپنے بچ جانے کا ورد کرنے لگی، آج ممی کے تیور بہت خطرناک تھے۔

''دے دیں جواب۔'' اس نے گڑبڑا کر فائل سے سر اٹھایا تھا، اس کی شان بے نیازی پہ ممی کو اور بھی تاؤ چڑھ گیا تھا۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں، میں نے اگر ہاں کر دی تو تم نے تماشا لگا لینا ہے۔''

''ابھی تو آپ جواب کہہ رہی ہیں اور اب ہاں بات کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' شانزے نے پین ہولڈر میں رکھ کر بھولپن کا مظاہرہ کیا تھا، ممی نے اسے شدید گھوری سے نوازا۔

''یہ مجھ تو سیدھی سی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''شانزے میں تمہاری ماں ہوں۔'' ممی نے انتہائی غصیلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا تھا، شانزے نے گہری سانس بھری۔

''اس میں کوئی نئی بات ہے، بچپن سے ہی آپ میری ماں ہیں۔'' اس کا انداز شرارتی تھا، وہ کوشش کر رہی تھی، ہمیشہ کی طرح ممی کا دھیان بٹا کر چپکے سے نکل جائے۔

مگر آج وہ بری طریقے سے پھنسی تھی، ممی اسے آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھیں۔

''شانزے! کب تک تم ہمیں بہلاتی رہو گی، اب حد ہو چکی، تمہارے ڈیڈی بھی سخت پریشان ہیں، تمہیں کچھ احساس ہے، اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہی ہو۔'' ممی کی آخر میں آواز بھرا رہی تھی۔

''اور تم کس آس پہ بیٹھی ہو؟ اور کس امید پہ ہر پرپوزل کو انکار کرتی ہو؟ امام کا رویہ تمہارے سامنے ہے، کیا تمہیں اپنی پھپھو سے اچھی امید ہے؟'' ممی ایک دم اپنے سسرال والوں سے بیزار دکھائی دینے لگیں۔

''ساری بلوشہ کی ڈھیل ہے، ایک ہمان باہر جا کر بیٹھ گیا اور دوسرا بستر پہ پڑا ہے، اتنا ہی سمجھ

لو، اللہ کے ہر کام میں بھلائی ہوتی ہے شادی کے بعد اگر امام کے ساتھ یہ حادثہ پیش آ جاتا تو۔'' وہ کسی بھی طریقے سے اسے قائل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں اور انہیں احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے شانزے کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''امام کی معذوری ہمیشہ کے لئے نہیں ہے ممی اور کیا وہ شادی کے بعد اس حادثے سے گزرتا اور میں اسے چھوڑ دیتی؟ میرے لئے تو اب بھی اسے چھوڑنا محال ہے، جبکہ اس کا رویہ بھی آپ کے سامنے ہے۔'' وہ انتہائی برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''یہی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں بیٹا، کس امید پہ بیٹھی ہو، سب کے رویے تمہارے سامنے ہیں۔'' ممی نے ایک دم ہی لہجہ بدل لیا تھا، جانتی تھیں کہ اپنے ددھیال کے بارے میں ایک لفظ نہیں سنے گی۔

''تو اب آپ کیا چاہتی ہیں؟'' وہ زچ ہو اٹھی تھی۔

''مسز قریشی کا بھانجا۔'' ممی نے ابھی کہنا شروع کیا ہی تھا جب وہ اچانک ہی ہاتھ اٹھا کر بول پڑی تھی۔

''پلیز ممی میری طرف سے انکار ہے۔''

''شانزے۔'' ممی کچھ پل صدمے سے گنگ ہو کر رہ گئی تھیں، ایسے صاف انکار کی انہیں امید نہیں تھی، وہ بھی اس صورت میں کہ جب امام اور پلوشہ کی سرد مہری بھی واضح ہو چکی تھی اور نہ ہی کسی پرانی تعلق داری نئی رشتے داری میں بدلتی نظر آنے کی امید باقی تھی۔

ان کی بیٹی بلاوجہ کی ضد میں اپنی عمر کے قیمتی سال ضائع کر رہی تھی، اس کی بے عقلی نے انہیں بری طرح سے ہراساں کر دیا تھا، ہر اچھے رشتے کو ٹھوکر مارنا کہاں کی عقل مندی تھی، مگر اسے کون سمجھاتا؟ جانے کس امید پہ بیٹھی تھی اور اپنی زندگی کو روگ لگا رہی تھی، انہیں امام اس معاملے میں قصور وار نہیں لگتا تھا، اگر وہ پیش قدمی نہیں کر رہا تھا تو بہت حد تک بہتر تھا۔

اپنی اتنی خوبصورت بیٹی کو ایک معذور کے ساتھ وہ کبھی نہ بیاہتیں گو کہ ڈاکٹرز بتاتے تھے کہ امام کی معذوری عارضی تھی، مگر ان پیشہ ور ڈاکٹرز کی جھوٹی تسلیوں کا کیا بھروسہ تھا؟

ابھی تک تو کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی اور مستقبل بھی کوئی روشن معلوم نہیں ہوتا تھا، اسی لئے وہ اپنے شوہر کے کہنے پہ ہر صورت شانزے کو منانے کی کوشش میں تھیں۔

''تمہیں پتا نہیں کون سی امید ہے، جو اب تک ٹوٹ نہیں رہی جبکہ امام اور پلوشہ کا رویہ بھی تمہارے سامنے ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اسے قائل کرنے لگیں، امام کی بے حسی پہ تاؤ دلاتے ہوئے۔

اور واقعی امام کا رویہ تو چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا، شانزے اس کی اگلی کسی منزل کے کسی موڑ پہ نہیں تھی، اس کے باوجود شانزے کی محبت اسے مایوس نہیں کرتی تھی، اسے لگتا تھا کہ امام اپنی بیماری کی وجہ سے مایوس اور چڑچڑا ہو رہا ہے حالانکہ یہ صرف شانزے کی خوش گمانی تھی۔

اسے بہت پہلے ہی یہ وسوسہ بے چین کرنے لگا تھا کہ امام بہت دور پربتوں کے بیچ اپنی زندگی کا کوئی قیمتی پل چھوڑ آیا ہے، وہ آج تک اسی پل اسی لمحے کے حصار میں تھا۔

اور شانزے کی امید ہر لمحے بے جان ہوتی کمزور ہوتی فضا میں معلق تھی، اس کو علم نہیں تھا کہ آج ممی آر یا پار کا فیصلہ کیے بیٹھی ہیں اور اسے یہ بھی امید نہیں تھی کہ ممی سیدھا یہاں سے اٹھ کر پھپھو کے پاس چلی جائیں گی۔

اسے امید ہوتی تو ممی کو کبھی پھپھو کے پورشن کی طرف جانے ہی نہ دیتی، مگر انہونی کو بھلا کون روک سکتا ہے؟ ممی بھری ہوئی اٹھی تھیں اور سیدھا پھپھو کے سر پہ جا بیٹھیں، اس وقت مراقبے میں محسوس عینی بھی ہڑبڑا کر اٹھی تھی اور اندر کسی کتاب کے مطالعے میں گم امام بھی۔

''اچھا...... تو یہ مامی، آج کیسے راستہ بھول آئیں؟'' امام نے حیرت سے سوچا تھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا، مگر باہر سے آتی آوازوں نے اس کوشش کو کامیاب ہونے نہیں دیا تھا، وہ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی آوازوں کو سنتا بھونچکا رہ گیا، تو گویا مامی اس مقصد کے لئے آئی تھیں؟

''تم لوگوں کو پہلے ہی چاہیے تھا، اس نام نہاد رشتے کو توڑنے کا اعلان کر دیتے، کم از کم میری بیٹی کی نیا تو پار لگتی اسے کس امید پر لٹکایا ہوا ہے؟''

''کیسی بات کر رہی ہیں بھابھی، رشتہ کیوں ٹوٹے گا؟'' پلوشہ ہکا بکا رہ گئیں۔

''اور جڑے گا کیوں؟ کس برتے پہ؟ امام کی تندرستی تو مشروط ہے جانے کب اٹھتا ہے، کب چلتا پھرتا ہے، میری بیٹی اسی انتظار میں بوڑھی ہو جائے گی۔'' مامی نے انتہائی سنگ دلی سے اونچی آواز میں پلوشہ کی بات کاٹ ڈالی تھی، ان کے لفظوں کے نشتر کس کو کہاں کہاں لگے تھے، اس بات سے وہ بے نیاز تھیں۔

''خدا نہ کرے، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ یہ کوئی عمر بھر کی معذوری ہے، انشاء اللہ بہت جلد وہ اپنے پیروں پہ ہو گا، آپ رشتہ توڑنے کی بات نہ کریں، یہ کوئی بچوں کا کھیل ہے۔'' پلوشہ صدمے سے بمشکل سنبھلتے ہوئے بول رہی تھیں، ورنہ تو ان کے دماغ کے پرخچے اڑ گئے تھے، ان پہ قدرت کی طرف سے امتحان کیا آیا تھا، سارے رشتے داروں نے آنکھیں ماتھے پہ رکھ لی تھیں، انہیں اپنی بھاوج کے الفاظ پہ شدید صدمہ ہوا تھا۔

''مفروضوں پہ امیدیں مت دلاؤ پلوشہ، ویسے بھی امام کا رویہ ہمارے سامنے ہے، اس رشتے کے حوالے سے اس نے کبھی کوئی جوش و خروش نہیں دکھایا، ہم نے اپنی اکلوتی بیٹی جہنم میں نہیں جھونکنی، بہتر ہے، میری طرف سے۔'' وہ اونچی آواز میں بولتے ہوئے اگلی پچھلی ساری اچھائیوں کے ریکارڈ توڑ رہی تھیں۔

اور شاید وہ اپنے الفاظ کے نشتر سے اور بھی ان کے پرخچے اڑاتیں کہ اپنے پیچھے انہیں امام کی بہت ہی ہموار اور سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔

''مامی! کوئی تمہید نہیں باندھوں گا، بہت سیدھی اور صاف بات ہے، آپ میری طرف سے بھی انکار سمجھئے، اور شانزے کا بہت اچھی جگہ دیکھ بھال کے رشتہ کر دیں، مگر میری خالہ سے اس لہجے میں گفتگو کرنے سے پرہیز کریں۔''

جس طرح وہ خاموشی سے آیا تھا، اسی طرح خاموشی سے پلٹ گیا تھا، مگر اپنے پیچھے ایک لمبا سناٹا چھوڑ کر، کیونکہ لاؤنج میں ایک دم موت کی سی خاموشی پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں اندازہ ہے میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔'' رات کے اڑھائی بجے پچھلی کھڑکی سے لٹک کر سلاخوں میں ہاتھ ڈالے وہ نشرہ سے بڑے موڈ میں مخاطب تھا۔

کچھ دیر پہلے دو تین کنکر اٹھا کر اسے مارنے کے بعد وہ اس کی نیند توڑنے میں تو کامیاب ہو ہی چکا تھا اور اب پچھلے کئی منٹ سے محبت محبت کا راگ الاپ کر نشرہ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے اندازہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' سوئی جاگی نشرہ نے کھٹاک سے جواب دیا تھا، انداز بھرپور روٹھا ہوا تھا۔

''اتنی بے رخی؟'' ہیام مصنوعی حیرت سے گرنے لگا تھا۔

''ابھی تو کچھ بھی نہیں، جتنی تم دکھاتے ہو۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔

''تو کیا کروں؟ محبتوں کے گیت گاتا پروانوں کی طرح تمہارے آگے پیچھے پھروں؟ میری بہنوں کا پتہ ہے؟''

''بہنوں کا نہیں، تمہاری بزدلی کا خوب پتہ ہے۔'' نشرہ نے کھڑے کھڑے اس کی غیرت کو للکار دیا تھا۔

''میں بزدل ہوں؟'' ہیام کا مارے صدمے سے منہ ہی کھل گیا۔

''صرف بزدل ہی نہیں، ڈرپوک بھی ہو اور اور......'' نشرہ ذرا دیر کو سوچنے لگی تو ہیام جوش و جذبات سے پھٹ پڑا۔

''بس بس، مزید میری غیرت پہ تازیانہ مت مارو، ورنہ ابھی کے ابھی تمہارا ہاتھ پکڑ کر پربتوں کے پار نکل جاؤں گا۔''

''مورے کے سامنے میرا ہاتھ پکڑ کر جا نہیں سکتے، عروفہ کے سامنے میری حمایت کر نہیں سکتے، پربتوں کے پار لے کر جائیں گے، اس رات کا بڑا جوک۔'' وہ استہزائیہ مسکرائی تھی تبھی ہیام بھی قدرے کھسیانا ہوا تھا۔

''وہ ایک الگ بات ہے۔''

''دیکھا جھاگ کی طرح بیٹھ گئے نا۔'' نشرہ کو طنز کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

''تو کیا کروں؟ فساد ڈلوا دوں؟'' وہ مدہم ہوا تھا، اسے نشرہ کی ناراضگی کا احساس ہوا، وہ حق بجانب تھی مگر ہیام بھی مجبور تھا اور نشرہ نے آج کچھ زیادہ ہی محسوس کیا تھا، دراصل بات ہی کچھ ایسی تھی ہوا کچھ یوں، شام کو کھانے کے وقت جب نشرہ دسترخوان لگا رہی تھی تب ہی ہیام اور عروفہ دونوں ایک ساتھ اندر آئے تھے۔

نشرہ تب برتن لگا رہی تھی، عشیہ نہیں تھی اور مورے تسبیح پڑھ رہی تھیں، عروفہ کو موقع مناسب لگا تو شروع ہو گئی۔

''ہیام تم نے بتایا نہیں اس کا بھائی کب لینے کو آئے گا، مہمان چار دن کا ہوتا ہے، پھر بلائے جان بن جاتا ہے۔'' عروفہ کے چبھتے الفاظ پہ نشرہ ہکا بکا رہ گئی تھی، گو کہ عروفہ کو نشتر چبھونے کی

عادت تھی اور نشرہ بھی عادی ہو چکی تھی مگر اس بات پہ اسے بہت خفت محسوس ہوئی۔
''مہمان کا بوجھ کتنی دیر تک اٹھایا جائے؟ ہم لوگ جاگیردار تھوڑی ہیں، ایک کمانے والا ہے، مہمانوں کو خود سوچنا چاہیے۔'' عروفہ کی اگلی بات پہ نشرہ سے سر اٹھانا محال ہو گیا تھا اور ہیام بالکل چپ اس نے عروفہ کو نہ روکا نہ منع کیا، نشرہ مارے شرمندگی کے مرنے والی ہو چکی تھی۔
''یہ عروفہ کو روکتا کیوں نہیں۔'' نشرہ کا دل بھر بھر آیا۔
''آج کل کے مہمان ہی ڈھیٹ ہیں۔'' عروفہ نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا تھا، اس کے بعد نشرہ سے کچھ بھی سننا محال ہو گیا تھا، اس کا دل ہی نہیں آنکھیں بھی بھر آئی تھیں، اس بل تائی کے گھر سے بھی زیادہ ذلت محسوس ہو رہی تھی۔
دل چاہ رہا تھا، اس ذلت نگری سے دور کہیں دور بھاگ کر روپوش ہو جائے، کہیں دور جہاں پہ آوازیں پیچھے نہ آئیں۔
اسے لگا، وہ آگے سفر نہیں، آج بھی پیچھے کی طرف سفر کر رہی ہے، وہ آج بھی پیچھے ہی کھڑی تھی، اتنے سال پیچھے، جب عینی چیخ چیخ کر کہتی تھی۔
''ہمارے ٹکڑوں پہ پل کر ہمیں آنکھیں دکھاتی ہے۔''
اور آج بھی نشرہ اسی مقام پہ تھی، آج بھی اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، آج بھی دوسروں سے عزت لینے والے معاملے میں وہ بالکل قلاش تھی، اس کا دل تب ہر رشتے سے بیزار ہو گیا تھا، ہیام کی خاموشی نے اسے گہرے گھاؤ مارے تھے، اس کی خاموشی نے نشرہ کو اس کی اوقات یاد دلا دی تھی، اس نے اپنی بہن کو انسانیت کے ناطے بھی نہیں روکا تھا، کسی اور رشتے کا کیا ہی احساس کرتا۔
نشرہ تب اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ کھانے پہ لاکھ مورے کے بلانے پہ بھی نہیں آئی تھی، اس وقت ہیام اور عروفہ کے بیچ کیا ہوا تھا؟ نشرہ کو کچھ علم نہیں تھا، حالانکہ اس وقت، نشرہ کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد ہیام اور عروفہ کے درمیان بہت سخت قسم کا جھگڑا ہوا تھا، جس کا پس منظر کچھ یوں تھا، نشرہ کی حمایت پہ عروفہ آگ بگولہ ہو گئی تھی۔
''کیا لگتی ہے تمہاری؟ کون سی رشتے دار ہے، جسے ہمارے سر پہ بٹھا رکھا ہے، مہمان کیا اتنے دن کے ہوتے ہیں؟ اپنے گھر کے حالات کا بھی پتہ ہے، آج کے دور میں کون مہمانوں کو اتنے دن بٹھا کر کھلاتا ہے۔'' عروفہ نے ناک چڑھا کر جتایا تھا، ہیام اسے سرد نظروں سے دیکھتا بڑے مدہم لہجے میں بولا تھا۔
''آج کے دور میں کسی اور کا تو نہیں پتا، البتہ میں مہمانوں کو ساری زندگی بھی اپنے سر آنکھوں پہ بٹھا کر کھلا سکتا ہوں، یہ کمینہ پن نہ ہماری روایت کا حصہ ہے اور نہ ہی تربیت کا، اپنی سوچ کا مثبت رکھو ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔''
''پہلے کون سا فائدے اٹھا رہی ہوں۔'' وہ زہر خندسی بولی تھی۔
''میرے ساتھ تیسرے درجے کے شہری جیسا سلوک ہوتا ہے اس گھر میں اور اب یہی اوقات ہے میری کہ اجنبی لوگوں کی خاطر تو میری بے عزتی کرو گے۔'' اس نے اچانک رونا شروع کر دیا تھا، ہیام جو شدید غصے میں تھا، اچانک اس کے رونے پہ اس کا موڈ بدل گیا۔

پھر بھی جو بھی تھا جتنی بھی زبان دراز تھی، بہن تو تھی نا اور اوپر سے رو بھی رہی تھی، ہیام کا غصہ قدرے ہلکا پڑا تھا۔

''تم سب لوگ میرے ساتھ ایسے سلوک کرتے ہو جیسے میں کوئی اچھوت ہوں۔'' بات نشرہ سے شروع ہوئی عروفہ کی مظلومیت پر آ کر ختم ہو گئی تھی، ہیام کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے، پھر بھی بہن کو روتا دیکھنا آسان نہیں تھا، چاہے وہ جتنی بھی غلطی پہ تھی، ہیام کچھ پل کے لئے چپ سا کر گیا تھا۔

''میرے ساتھ ہمیشہ اس گھر میں زیادتی ہوئی ہے، ہمیشہ مجھے بے عقل، کم تر اور حقیر سمجھا گیا، میری تم لوگوں کے دل میں کوئی جگہ نہیں۔'' جانے کون کون سی بھڑاس تھی جو نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

''ایسا تو نہیں ہوا اب تک۔'' ہیام نے بے ساختہ اسے ٹوکا تھا۔

''تم اس گھر میں مورے کی سب سے منظور نظر ہو۔''

''اسی لئے تو مورے کو بھی میرے خلاف کر دیا ہے۔'' وہ آنسو گراتی اور بھی دکھی نظر آنے لگی تھی۔

''تم اتنی بدگمان کیوں ہو؟ ایسا کچھ بھی نہیں، تم مورے کو ہم سب سے زیادہ عزیز ہو۔'' ہیام قدرے گھبرا گیا تھا، آنسو اسے یوں ہی گھبرانے پہ مجبور کر دیتے تھے۔

''پہلے کبھی تھی، اب وہ بھی نہیں، ہر کوئی مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے، کیا ہوں میں آپ سب کے لئے؟ کیڑے مکوڑے سے بھی بدتر ہوں، میری اتنی اوقات نہیں، میرے لئے تو مر جانا ہی بہتر تھا۔'' وہ آنسو بہاتی مظلومیت کی انتہا پہ تھی، ہیام کو سارا غصہ وصہ بھول گیا تھا۔

فی الوقت اسے چپ کروانا مقصود تھا اور اس نے یہی غلطی کر لی تھی، بدقسمتی یہ تھی کہ اسی وقت جب وہ عروفہ کے آنسو پونچھ رہا تھا تب ہی روئی روئی نشرہ کی انٹری ہوئی تھی۔

وہ ایک پل کے لئے آئی تھی اور اندر کا سین دیکھ کر ٹھٹک گئی اور یہی پل تھا جب ہیام پہ بھی گھڑوں پانی پڑ گیا، اب نشرہ نے تو بدگمان ہونا ہی تھا، اس کی آنکھوں میں کاٹ دار قسم کا شکوہ اتر آیا تھا۔

''مجھے میری اوقات پتہ چل گئی ہے۔'' اس نے کاٹتی نظر ہیام پہ ڈالی تھی اور کچھ کہے بنا کمرے میں بند ہو گئی اور ادھر ہیام کے دل کو پتنگے لگ گئے تھے، وہ سب کے سونے کا انتظار کرتا رہا تھا اور جیسے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف گئے تو ہیام کو بھی موقع مل گیا تھا۔

اور اب رات کے اڑھائی بجے سلاخوں کے اس پار وہ لاڈلی روٹھی محبوبہ کی منتیں کر رہا تھا۔

''نشرہ میں ٹھنڈ سے اکڑ جاؤں گا۔''

''ٹھنڈ کہاں ہے، موسم تو بدل چکا، جھوٹا کہیں کا، کھڑا رہے ساری رات۔'' نشرہ نے بھی دل کو پتھر کر لیا تھا۔

''نشرہ میری قلفی جم رہی ہے۔'' ہیام نے منت کی۔

''چولہے پہ بیٹھ جاؤ۔'' جواب پتھر

''مجھے معاف کردو پلیز۔'' منت پہ منت۔
''ہرگز نہیں، معافی مانگو کسی اور سے، میں نہیں مان رہی۔'' نشرہ کٹھور۔
''تم ایسی تو نہیں تھی۔'' ہیام نے دہائی دی تھی۔
''اب ہو چکی ہوں۔'' نشرہ نے منہ بنا کر کہا تھا۔
''میری پیاری بیوی نہیں ہو۔'' اس نے سلاخوں سے ناک ٹکرایا تھا۔
''ہوں اگر اونچی آواز میں چلا چلا کر کہو تو۔'' نشرہ نے شان بے نیازی سے کہا تھا۔
''نشرہ۔'' وہ اس شرط پہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔
''یار تم مروا دو گی مجھے۔''
''اچھا ہے۔'' نشرہ نے کٹھور پن کی انتہا کی۔
''یہی تمہاری سزا ہے۔''
''سزا میں نرمی کریں یور آنر۔'' اس نے منت کی تھی، بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔
''ہرگز نہیں۔''
''میں معافی کا طلب گار ہوں۔'' وہ رو دینے کو تھا۔
''میں معاف کرنے کو تیار نہیں۔''
''پیاری نشرہ نہیں ہو؟'' ہیام اب خوشامد پہ اتر آیا تھا۔
''پیاری ہوں۔'' بے نیازی سے جواب آیا۔
''ہماری نہیں ہو؟'' ہیام لاڈ سے بولا تھا۔
''تمہاری ہوں۔''
''تو پھر مان جاؤ۔'' ہیام نے پھیل کر کہا تھا۔
''اگر نہ مانوں تو؟'' اس نے ناک چڑھا کر پوچھا تھا۔
''تو صبح تک یہیں کھڑکی کے پاس کھڑا رہوں گا۔'' ہیام ٹھونک بجا کر بولا تھا۔
نشرہ کچھ پل سوچ میں گم ہو گئی تھی، گو کہ وہ اس سے ناراض تھی مگر ہیام کی ضد سے بھی واقف تھی، کچھ بعید نہیں تھا، وہ صبح تک یہیں کھڑا رہتا، اس کا عاشق اتنا ہی سر پھرا تھا۔
''اچھا، اب جاؤ یہاں سے کوئی آ جائے گا۔'' نشرہ نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔
''ایسے نہیں جاؤں گا، جب تم اپنے منہ سے بولو گی تب ہی جاؤں گا۔'' اس نے ٹھنک کر جتایا تھا۔
''کیا بولوں؟'' اب کہ نشرہ زچ ہوئی تھی۔
''یہی کہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔'' اب وہ پھیل رہا تھا، نشرہ نے شان بے نیازی سے ہونہہ کہا تھا، جیسے نخوت سے سر جھٹکا ہو، جیسے بول رہی ہو۔
''یہ منہ اور مسور کی دال۔''
''جاؤ بابا، اپنا رستہ ناپو۔''
''رستہ نہیں ناپوں گا، یہیں ڈیرہ لگا کر بیٹھوں گا، صبح میری اکڑی لاش پہ قہقہے لگانا۔'' اس نے

''یہ بھی کر کے دکھا دوں گی، کسی گمان میں مت رہنا۔'' نشرہ نے بھنویں اچکائیں، ہیام اس کی زبان دانی پہ اش اش کر اٹھا تھا۔
''تمہارے منہ میں تو عروفہ کی زبان آ گئی ہے۔''
''کچھ تو سیکھنا تھا تمہارے گھر والوں سے۔'' نشرہ نے جتلایا تھا۔
''تو سیکھ لیتی، مجھ سے محبت کرنا۔'' ہیام نے ٹھرکی عاشقوں والے انداز میں کہا تھا۔
''ہونہہ۔'' نشرہ نے ناک چڑھائی۔
''بزدلوں والی محبت سے بہتر ہے، بندہ محبت کرے ہی نا۔''
''اویں نہ کرے۔'' وہ برا مان گیا تھا۔
''ایسی محبت سے تو بنا محبت کے ہی بھلے، کم از کم اتنا تو احساس ہونا چاہیے کہ محبت قدر دانی اور سپورٹ مانگتی ہے۔'' بالآخر شکوہ لبوں سے پھسل ہی پڑا تھا۔
ہیام بھی یہی چاہتا تھا، وہ بول کر اپنی بھڑاس نکال لے، پھر وہ اسے پیار سے سمجھا لے گا، اور پھر یوں ہی ہوا تھا، کچھ دیر بعد نشرہ فکر سے کہہ رہی تھی۔
''اب تم چلے جاؤ، فضا میں خنکی ہے کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ۔''

☆☆☆

غریب خان ادب سے جھکا کچھ نئی اطلاعات بہم پہنچانے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔
صندیر خان کی آنکھوں اور چہرے پہ دلچسپی کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔
''شاہوں کی حویلی آباد ہو چکی ہے۔''
یہ خبر نہیں تھی، ایک دھماکہ تھا، جس نے صندیر خان کا سارا اطمینان ہوا کر دیا تھا۔
''شاہوں کی حویلی آباد ہو چکی تھی؟ کیسے؟ کس نے آباد کی؟ کون رہ رہا ہے وہاں؟'' ایک ساتھ خان کی گہری خوبصورت آنکھوں میں تیز بجلی سی لپک نما سوال امڈے تھے، غریب خان خوف سے لرزتا آہستہ آہستہ بتانے لگا، خان کا موڈ اچانک بدل گیا تھا۔
''کس نے حویلی آباد کرنے کی جرأت کی؟ اس حویلی کو آسیب زدہ سمجھ کر بند کر دیا گیا تھا، پھر کون؟'' صندیر خان کے انگ انگ میں بے چینی بھر چکی تھی۔
''خان!'' غریب خان نے لرزتے کانپتے کچھ بولنے کی اجازت چاہی تھی، صندیر خان اس کے انداز سے ہی کسی انہونی کی بو پا گیا تھا۔
''حویلی میں جس کا بسیرا ہے وہ کوئی عام آدمی نہیں۔''
''وہی پوچھ رہا ہوں، کون ہے وہ؟'' صندیر خان نے عجلت میں پیشانی مسلتے ہوئے اسے جھڑک کر کہا تھا۔

آیا۔
''سردار کبیر بنو کا داماد، جہاندار شاہ۔'' غریب خان نے جیسے ایک ساتھ کئی بم بلاسٹ کر دیئے تھے، صندیر ایک دم کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھوں میں حیرانی اور تعجب بجلی کی طرح اترا تھا۔
(جاری ہے)

گاڑی کے ٹائر بہت خطرناک انداز سے چرچرائے تھے لیکن گاؤں کے باہر چلتے ٹیوب ویل پر بیٹھے ہوئے شخص کی بے نیازی میں رتی بھر فرق نہیں آیا اور وہ یونہی سوچوں میں گم ٹیوب ویل کی منڈیر پر پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھا رہا، گاڑی کے رکتے ہی بیک ڈور کھلا اور اس میں سے ایک شوخ چنچل لڑکی نمودار ہوئی جو اس وقت غصے اور گرمی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی، اس نے اپنا ہینڈ بیگ اور سیاہ چشمہ اتار کر گاڑی میں پھینکا اور بلبلاتے ٹیوب ویل کی جانب چل پڑی۔

''مہرو بیٹا!'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھے شخص نے اس کو پکارا، مگر اس نے شعلہ برساتی آنکھوں سے ان کی جانب مڑ کر دیکھا اور غصے سے مخاطب ہوئی۔

''ڈیڈ پلیز آپ مجھ سے بات مت کریں، آپ مجھے اپنے عزیز دوست کی فیملی سے ملوانے

ناولٹ

کراچی سے لاہور اور لاہور سے اب اوکاڑہ اس کھٹارہ سی گاڑی میں لے کر آئے ہیں، جس کا پہلے اے سی بند ہوا اور اب یہ خود ہی بند ہوگئی اور یہ گاؤں کم کوئی جنگل زیادہ لگ رہا ہے، آپ کی اتنی بہت بڑی مہربانی رہی کہ کراچی سے لاہور کا سفر آپ نے جہاز کے ذریعے طے کیا، ورنہ آپ کا بس چلتا تو......'' وہ غصے میں بولتی جا رہی تھی جب عمران صدیقی محبت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

''بیٹا کراچی شفٹ ہونے سے پہلے جب ہم لاہور ہوا کرتے تھے تو تم بچپن میں اسی گاؤں میں بہت شوق سے آیا کرتی تھی۔''

''اوہ پلیز فار گاڈ سیک ڈیڈ، بچپن بچپن بچپن، مجھے کچھ یاد نہیں۔'' اس نے اکتاہٹ سے کہا۔

''لیکن اب تو تمہیں ہی گاؤں کی زندگی اور

ماحول دیکھنے کا شوق تھا، میں تمہیں زبردستی تو نہیں لایا۔'' عمران صدیقی نے اپنی عزیز جان بیٹی کا بگڑا موڈ دیکھ کر پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل میں اپنی مرضی سے آئی ہوں، مگر میرے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ گاؤں ایسا ہوگا اور پھر اس کھٹارہ کی تو کیا ہی بات ہے جس نے ہمارے سفر کو چار چاند لگا دیئے۔'' بات کرنے کے ساتھ وہ ٹیوب ویل کی جانب چلتی جا رہی تھی اور ٹیوب ویل پر بیٹھے شخص پر ان سب باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا جبکہ وہ جس انداز میں بول رہی تھی اس کی آواز اس شخص کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی لیکن وہ اپنی ہی دھن میں مست پاؤں کے ساتھ پانی سے کھیل رہا تھا، مہرو کی دوست عالیہ بھی ایڈونچر کے چکر میں ان کے ساتھ پنجاب آئی تھی، وہ بھی گاڑی سے اتر کر ان دونوں باپ بیٹی کے پیچھے چل پڑی۔

بے دھیانی میں اس نے ٹیوب ویل کے ٹھنڈے پانی سے منہ پر چھینٹے مارے اور جیسے ہی اس کی نگاہ اوپر کو اٹھی وہ ایک دم چونک گئی، سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ گندمی رنگت کا مالک شخص اسے کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''عالیہ یہ کون ہے؟'' مہرو نے اپنے ہمراہ کھڑی عالیہ سے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔

''مجھ سے تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے میں وکی پیڈیا ہوں، بھلا میں کیا جانوں یہ بے نیاز، ہینڈسم سا گاؤں کا شہزادہ کون ہے۔'' آخری جملہ اس نے مہرو کو چڑانے کی خاطر بولا تھا، اس نے عالیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، ان کی ساری گفتگو جیسے اس شخص کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی، وہ اپنی اسی کیفیت میں بیٹھا رہا، صدیقی صاحب بھی ٹیوب ویل کے قریب لگے درخت کی چھاؤں میں چلے آئے۔

''ہیلو مسٹر؟'' مہرو نے اسے مخاطب کرنا چاہا۔

''کیا آپ سن سکتے ہیں؟'' اس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا لیکن دوسری جانب سے مسلسل خاموشی رہی۔

''بہرے ہو گیا؟ یا پھر گونگے ہو؟ کیونکہ اندھے تو نہیں لگ رہے۔'' وہ غصے سے بولی، لیکن اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوا، وہ یونہی خاموشی سے اک نظر اس کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مہرو بیٹا! ایسے بات نہیں کرتے، تم ہٹو میں بات کرتا ہوں۔'' صدیقی صاحب نے نرمی سے کہا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' فوراً سے جواب دیا گیا، مہرو اور عالیہ دونوں نے حیران کن نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

''یہ کیسا عجیب بندہ ہے۔'' اس نے سوچا۔

''بیٹا ہمیں شاہ عطا محمد کے گھر جانا ہے اور ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے، ابھی راستہ یہاں سے کافی ہے تو آنے جانے کے لئے کوئی گاڑی یا تانگہ وغیرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔'' وہ مزید کچھ کہنے والے تھے لیکن وہ شخص بول پڑا۔

''ایک منٹ میں دیکھتا ہوں۔'' وہ گاڑی کے قریب چلا آیا اور ڈرائیور سے گاڑی کا بونٹ کھلوا کر خود انجن پر جھک گیا، چند منٹ بعد سر اٹھا کر اس نے عمران صدیقی کی جانب دیکھا۔

''سر آئیں، گاڑی میں بیٹھیں، آپ کا مسئلہ حل ہو گیا ہے، گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔'' سب کو حیرت کا جھٹکا لگا کہ یہ گاؤں کا پینڈو لڑکا جس نے شاید ایسی گاڑی کو ہاتھ ہی پہلی بار لگایا

ہو وہ کہہ رہا ہے کہ گاڑی ٹھیک ہوگئی ہے۔
''ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کرو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میں آپ کو عطا صاحب کی حویلی پہنچا دیتا ہوں۔'' خود وہ قریب بائیک پر بیٹھ گیا، ڈرائیور نے حیران ہو کر گاڑی کی سیلف مارا تو وہ ایک دم سے اسٹارٹ ہوگئی، چند منٹوں کی مسافت کے بعد بائیک رکی تو اس لڑکے نے ایک حویلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ عطا صاحب کا گھر ہے اور وہ خود سب کو حیران پریشان چھوڑ کر آگے کی جانب روانہ ہو گیا، مہرو نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اس کو دیکھتی رہی جب تک اس کی بائیک ان کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

☆☆☆

حویلی میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا، عطا محمد صاحب عمر رسیدہ لیکن اچھی صحت کے مالک نظر آرہے تھے، ان کی سفید داڑھی سر پر سفید پگڑی اور رعب دار آواز میں چھپا نرم لہجہ ان کی شخصیت کو پرکشش بنا دیتا تھا، عالیہ اور مہرو کو یہاں بھی ایک شاک سے گزرنا پڑا اپنا شاندار استقبال اور حویلی کی اندرونی حالت دیکھ کر باہر سے بوسیدہ کھنڈر نظر آنے والی عمارت اندر سے اتنی ہی خوبصورت تھی جس کمرے میں ان کو بٹھایا گیا تھا وہ بالکل جدید انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔
''عالیہ ایک بات تو بتاؤ؟''
''پوچھو؟''
''یار میں تو یہاں آ کر مسلسل حیرت کے جھٹکوں سے گزر رہی ہوں، پہلے پانچ منٹ میں اس ہینڈسم لڑکے نے گاڑی ٹھیک کر دی پھر ڈیڈ کے یہ بزرگ دوست ان کا انگلش میں ہمارا حال احوال پوچھنا اور پھر یہ حویلی اندر سے تو ہمارے ہی گھر جیسی ہے، جیسا نظر آتا ہے نکلتا بالکل اس کے الٹ ہے تمہیں کچھ بھی محسوس نہیں ہوا؟''
''مہرو سچ پوچھو تو مجھے صرف ایک ہی بات پر زیادہ حیرت ہوئی وہ یہ کہ تم نے اس لڑکے کے ساتھ اتنی بدتمیزی سے بات کی تم اس پر بلاوجہ چیخی چلائی لیکن اس نے بالکل بھی غصہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی جواب دیا، جبکہ انکل کو فوراً سے جواب دے دیا اس سے تو مجھے یہی لگ رہا ہے کہ وہ کچھ مذہبی ٹائپ کا ہوگا، تم نے دیکھا نہیں تھا کہ اس نے ہماری طرف ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔''
''ہاں عالیہ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا خیر چھوڑو میں تو فی الحال اب یہ سوچ رہی ہوں یہاں اے سی ہوگا کہ نہیں اور اگر رات کو مچھر ہوئے تو نیند کیسے آئے گی۔''
''مہرو مجھے تم پر بہت غصہ آرہا ہے۔''
''وہ کیوں؟'' مہرو نے آبرو اچکا کر پوچھا۔
''ایک تو تم نے مجھے اپنے ایڈونچر کے چکر میں پھنسا دیا اور اوپر سے اب سوال پوچھ پوچھ کر میرا سر بھی کھا رہی ہو۔'' عالیہ نے ذرا خفگی سے کہا۔
''اچھا بابا غصہ مت کرو اب غلطی کی ہے تو سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔'' مہرو نے مسکرا کر کہا۔
''یہی تو مسئلہ ہے تمہاری غلطیوں کی سزا مجھے بھی ملتی ہے۔'' عالیہ نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا تو مہرو کا جاندار قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔
''وہ اس لئے کہ تم بیسٹ فرینڈ ہو اور مجھے بہت عزیز ہو۔'' وہ دونوں محو گفتگو تھیں جب دروازے پہ دستک دیتے ہوئے ملازمہ اندر داخل ہوئی۔
''باہر آپ کو سب کھانے پر بلا رہے ہیں۔'' ملازمہ پیغام دے کر دروازے سے پلٹ گئی اور

وہ دونوں بھی مسکراتی ہوئیں باہر کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆

عمران صاحب اور عطا محمد صاحب ایک ہی کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے جبکہ مہرو اور عالیہ کو ملازمہ ان کا کمرہ دکھا چکی تھی۔

رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا تھا اور اب پوری حویلی میں خاموشی کا راج تھا گاؤں میں لوگ اکثر جلدی ہی سو جاتے ہیں لیکن مہرو اور عالیہ کو دور دور تک نیند کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو کمرے میں اے سی کی ٹھنڈی ہوا نے دونوں کو طمانیت بھرا سکون بخشا۔

''ارے واہ یہاں تو اے سی بھی ہے چلو یہ پریشانی بھی دور ہوئی۔'' بیڈ پر لیٹتے ہوئے مہرو نے مزے سے کہا۔

''تم تو یہاں ایڈونچر کے چکر میں آئی تھی اور اب اے سی میں مزے کی نیند سونے لگی ہو؟'' عالیہ نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تو اور کیا کروں؟'' مہرو نے آبرو اچکا کر پوچھا۔

''جیسے گاؤں کے کچھ لوگوں کے افراد صحن اور چھت پر سوتے ہیں تم بھی ویسے ہی چھت پر جا کر چارپائی بچھاؤ اور سو جاؤ ایک نیا ایڈونچر مل جائے گا۔'' مہرو نے آنکھیں نکال کر اس کی طرف دیکھا تو عالیہ جلدی سے بولی۔

''ارے میں تو بس مذاق کر رہی ہوں، چلو آؤ چھت پر چلیں اب نیند تو آنے والی نہیں۔'' عالیہ نے مہرو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے نہیں جانا میں بہت تھک چکی ہوں۔'' مہرو نے نقاہت بھری آواز میں جواب دیا تو عالیہ زبردستی بازو سے پکڑتی ہوئی باہر لے آئی۔

''کہاں جا رہی ہیں؟'' دادا جی کی بڑی بہو عظمیٰ نے ان کو چھت کی جانب جاتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

''کہیں نہیں بس چھت پر تازہ ہوا لینے جا رہی ہیں۔'' عالیہ نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''اچھا کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو بلا جھجک ملازمہ سے کہہ دینا۔'' عظمیٰ نے شفقت سے کہا تو مہرو جی اچھا کہہ کر چھت کی جانب بڑھ گئی، جتنی بڑی حویلی نیچے سے نظر آتی تھی اس نے کئی زیادہ بڑی اوپر سے لگ رہی تھی، وہ دونوں حویلی کی چھت کے آخری کونے میں کھڑی گاؤں کی تازہ ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھیں جب دفعتاً چھت کے دوسرے کونے میں ایک ننھا شعلہ بھڑکا اور کسی نے سگریٹ جلائی، مہرو کی اچانک وہاں نظر پڑی تو وہ عالیہ کو بازو سے تھامتے ہوئے بولی۔

''آؤ دیکھتے ہیں وہاں کون ہے؟''

''رہنے دو پتا نہیں کون ہوگا؟'' عالیہ نے نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

''عالیہ کچھ نہیں ہوتا جو بھی ہوگا اس گھر کا فرد ہی ہوگا۔'' وہ دونوں دھیمی آواز میں باتیں کرتی ہوئی اس کی جانب چل دیں۔

''کون ہے وہاں؟'' عالیہ پوچھتے ہی دو قدم دور ہٹ گئی جبکہ مہرو اس شخص کے عقب میں کھڑی رہی۔

اس شخص نے پلٹ کر مہرو کی جانب دیکھا، چاند کی روشنی میں وہ مہرو کے چہرے پر پھیلی حیرت کو با آسانی دیکھ سکتا تھا۔

''منہ بند کرلیں مچھر کافی ہوتے ہیں اس جنگل میں۔'' اس نے مہرو کا کھلا منہ دیکھتے ہوئے

کہا تو مہرو بمشکل بول پائی۔

''آپ یہاں؟'' عالیہ خاموش کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، اس شخص نے گاؤں کی جگہ جنگل کا لفظ استعمال مہرو کی دوپہر والی باتوں کی وجہ سے کیا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''سگریٹ پی رہا ہوں، آپ پئیں گی؟'' اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دھواں فضا میں خارج کرتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ، میں تمہیں ایسی لگتی ہوں؟'' مہرو کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

''کیسی؟'' اس شخص نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''سگریٹ پینے والی اور کیسی۔''

''کون کیسا لگتا ہے یا کیسا ہوتا ہے اس کا فیصلہ کسی کو جانے بنا چند ہی لمحوں میں نہیں کیا جا سکتا اور کبھی وقت ملا تو سوچوں گا آپ کیسی لگتی ہیں۔'' اس نے سگریٹ بجھاتے ہوئے دلفریب مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا تو وہ جلتے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئی۔

''اب تو بڑی باتیں آ رہی ہیں صبح منہ میں کیا ڈال رکھا تھا؟''

''منہ میں زبان ہی ہوتی ہے جس کا استعمال کم ہی لوگوں کو آتا ہے اور آپ کو جواب اس لئے نہیں دیا تھا کہ جنگل میں رہنے والوں کو آپ جنگلی ہی سمجھتی ہوں گی۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتا عالیہ بول پڑی۔

''مہرو کی طرف سے میں آپ سے معذرت کرتی ہوں اس وقت یہ ذرا غصے میں تھی۔''

''Its ok غصے میں اکثر انسان وہی بولتا ہے جو اسے نہیں بولنا چاہیے اس لئے انسان کو اپنے غصے پر قابو رکھنا چاہیے اور اپنی طرح دوسروں کو بھی انسان ہی سمجھنا چاہیے غصہ اور غرور دونوں ہی انسان کے دشمن ہوتے ہیں، غرور کا کیڑا جس کو بھی کاٹتا ہے پھر وہ اس کے زہر سے ہمیشہ دوسروں کو بھی ڈستا رہتا ہے، اس لئے انسان کو اپنی اوقات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ جس مٹی سے بنا ہے اس مٹی میں دفن کیا جائے گا۔'' اس نے نرم لہجے میں جواب دیا اور اس سے پہلے کہ مہرو یا عالیہ کچھ کہتی وہ زینے پار کرتا ہوا نیچے چلا گیا اور مہرو چند لمحوں ساکت کھڑی اس کو جاتا دیکھتی رہی اور پھر عالیہ کو اک نظر دیکھ کر خود بھی نیچے کمرے میں چلی آئی اور صوفے پر براجمان ہو گئی۔

''مہرو تم اب اپنا موڈ خراب مت کرو، اس نے جو بھی کہا وہ دوپہر والی باتوں کی وجہ سے کہا۔''

''بس دیکھ لیا کتنا مذہبی ہے وہ، دیکھا اس نے کس لہجے میں مجھ سے بات کی؟'' مہرو غصے سے آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

''کول ڈاؤن یار، تم نے بھی تو اس سے بلاوجہ بدتمیزی کی تھی تمہیں اس کو سوری بولنا چاہیے تھا نا کہ مزید اس پر برسنا، اس نے ہماری ہیلپ بھی تو کی تھی تم سوری نہیں تو تھینک یو ہی بول دیتی۔''

''تھینک یو مائے فٹ۔'' اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی بیڈ پر جا لیٹی، عالیہ نے گہری نگاہوں سے اس کو دیکھا اور مزید کچھ کہے بنا بیڈ کی دوسری جانب آ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

ناشتہ سے فراغت کے بعد ان کا گاؤں دیکھنے کا پلان بنا وہ حویلی کے آنگن میں آئیں تو عطا محمد صاحب اور صدیقی صاحب باتوں میں مصروف تھے۔

''ڈیڈ ہم ذرا باہر گھومنے جا رہے ہیں۔''
اتنی دیر میں ایک کمرے سے وہ شخص نکلا جس کو دیکھ کر مہرو کے چہرے پر ناگواریت کے آثار نمایاں جھلکنے لگے۔
وہ سلام کرتا ہوا باہر کی جانب بڑھ رہا تھا جب عطا محمد صاحب کی آواز پر اس کے قدم تھم گئے۔
''ارحم بیٹا!''
''جی!''
''بیٹا مہرو اور عالیہ بٹی کو گاؤں دیکھنا ہے ان کے ساتھ چلے جاؤ اور اپنے کھیت اور باغات دکھلا لاؤ، آموں کا موسم ہے تازہ آم ضرور کھلانا ہماری بچیوں کو۔'' شاہ عطا محمد صاحب نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مودب انداز میں جی کہتا ہوا آگے چل دیا اور عالیہ مہرو کا بازو پکڑتی ہوئی زبردستی اپنے ساتھ لے کر ارحم شاہ کے پیچھے چل دی۔
مہرو کے دل میں بہت سے متضاد خیال آ رہے تھے، اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کو اچھی خاصی سنا دے۔
باغ میں پہنچ کر ارحم نے اپنے ہم عمر لڑکے کو آواز دی اور اس کا تعارف کروایا۔
''یہ فیصل شاہ ہے، دادا جی کا پوتا، فیصل تم ان کو تازہ آم کھلاؤ۔'' اس نے قریب لگے ہینڈ پمپ سے پانی پیتے ہوئے کہا۔
''یہ بندہ آپ کا ملازم ہے کیا؟'' مہرو کے سوال پر فیصل نے حیران ہو کر تو ایک نظر مہرو اور پھر ارحم کو دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا تھا، فیصل نے ارحم کی جانب سے کیے جانے والے اشارے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''بشیر اندر سے چارپائی نکال کر یہاں بچھاؤ مہمان تھک گئے ہوں گے، آخر نازک مزاج لوگ جو ہیں۔'' آخری جملہ اس نے زیرلب بڑبڑایا تھا۔
''واہ آپ نے تو ملازموں پر حکم چلانے والے بھی ملازم رکھے ہیں۔'' مہرو نے حقارت بھری نگاہ ارحم پر ڈالتے ہوئے کہا جس پر عالیہ کو برا لگا تھا لیکن وہ خاموش رہی تھی وہ جانتی تھی مہرو کو کچھ کہنا یا سمجھانا فضول ہے، مہرو کی بات پر ارحم مسکرا کر فیصل کو دیکھنے لگا، جس پر وہ مزید جل کر رہ گئی، وہ اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگی تو ملازم نے آموں کی ٹوکری ان کے قریب رکھی اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا، مہرو نے ٹوکری میں سے ایک آم پکڑا۔
''عالیہ تم جانتی ہو نا آم بہت بدتمیز ہوتا ہے، اب میں اس کو کھاؤں گی کیسے؟'' مہرو نے اپنا ایک اور مسئلہ عالیہ کے سامنے پیش کیا۔
''اف مہرو تمہارا کیا بنے گا، ایسے آم پکڑو پھر دانتوں سے ذرا سا کاٹو اور پھر مزے سے کھاؤ۔'' عالیہ معصومانہ انداز پر مہرو کو پیار آیا تو وہ ہنستی اس کے بتائے ہوئے طریقے سے آم کھانے لگی۔
''عالیہ اتنا کھٹا آم، تم کیسے کھا رہی ہو؟'' مہرو نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔
''نہیں تو میرے والا آم کھٹا نہیں۔'' عالیہ نے مزے سے آم کھاتے ہوئے کہا۔
''لیکن میرا تو بہت کھٹا ہے۔'' مہرو نے آم کو سائیڈ پہ پھینکتے ہوئے کہا۔
''یہ رزق ہے اور اس کا احترام کرنا چاہیے۔'' مہرو جو پہلے ہی اپنے اندر غصہ دبائے بیٹھی تھی اب موقع ملتے ہی بھڑک گئی۔
''تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ ہر بات میں دخل دینا ضروری ہوتا ہے کیا؟'' ارحم بنا کوئی جواب دیئے درخت کی جانب بڑھ گیا۔

''میں آپ کے لئے میٹھے آم لاتا ہوں، آپ غصہ مت ہوں۔'' مہرو نے گہری نگاہوں سے اس کا تعاقب کیا۔
وہ درخت پر چڑھنے کی مہارت یوں رکھتا تھا جیسے انسان نہیں بندر ہو۔
''یہ لیں اب چیک کریں کیسا ہے؟'' ارحم نے درخت پر بیٹھے ہی آم اس کو کیچ کروایا۔
عالیہ نے اس کو مسکرا کر دیکھا اور اشارہ کیا کہ آم کھا کر بتائے کیسا ہے، مہرو کا آم اب کی بار میٹھا نہیں بلکہ شہد کی طرح میٹھا نکلا۔
مہرو کو دفعتاً خیال آیا کہ اس کو ارحم سے یوں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔
وہ شروع سے ایسی ہی تھی جہاں غصے میں بہت کچھ کہہ جاتی وہیں اپنی غلطی پر نادم بھی ہوتی تھی اور غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد اپنی غلطی کی معافی بھی مانگ لیتی تھی، نل سے ہاتھ دھوتے وقت اس نے ارحم سے معذرت کی تو اس کو پھر نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب ملا۔
''کوئی بات نہیں آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمانوں کی باتوں کا برا نہیں مانا جاتا۔''
''شکریہ، خوش و آباد رہیں۔'' مہرو نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے دعا دی تو ارحم نے مہرو کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر چند ثانیے بعد مخاطب ہوا۔
''آپ اپنی دعائیں اپنے پاس ہی رکھیں، احسان میں دی گئی دعائیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔'' ارحم شاہ کی بات نے ایک بار پھر مہرو کا پارہ ہائی کر دیا۔
''آپ کیسے عجیب انسان ہیں، دعائیں کون احسان میں دیتا ہے؟ پاگل ہو یا جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتے ہو کہ اگلے کو فوراً غصہ آ جائے۔'' وہ غصے میں بولی تو ارحم خاموشی سے اس کو دیکھ کر مسکراتا رہا۔
''دوسروں کو الجھن میں ڈال کر مسکرانے کا بہت شوق ہے آپ کو؟''
''مسکرانا میری عادت ہے۔'' ارحم نے مختصر جواب دیا۔
''فیصل مہمانوں کو گھر چھوڑ آؤ مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔'' وہ فیصل سے کہتا ہوا خود آگے بڑھ گیا اور مہرو شعلہ برساتی آنکھوں سے اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ لوگ آئے تو ایک ہفتے کے لئے تھے مگر عمران صدیقی صاحب کو اپنے کسی ضروری کام کی وجہ سے تین دن بعد ہی کراچی واپس جانا پڑا، وہ سب حویلی والوں سے اجازت طلب کرتے ہوئے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔
''انکل آپ کی گاڑی میں ڈرائیو کرتا ہوں۔'' اس کی بات پر مہرو کو ایک اور شاک لگا، ارحم شاہ کو ڈرائیونگ بھی آتی تھی۔
''ڈرائیور بات سنو آپ میری گاڑی مین روڈ تک لے آؤ وہاں تک میں انکل کے ساتھ جاتا ہوں۔'' ڈرائیور اس کی گاڑی کی چابیاں لے کر اس کی گاڑی کی جانب بڑھ گیا، ڈرائیو کے دوران صدیقی صاحب اور شاہ کے درمیان ہلکی پھلکی گپ شپ جاری تھی، وہ بیک ویو مرر سے گاہے بگاہے مہرو کو دیکھ رہا تھا، جو ونڈ اسکرین سے باہر کی جانب دیکھ رہی تھی، وہ ارحم شاہ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کہ جس کو وہ حویلی کا کوئی خاص ملازم سمجھ رہی تھی وہ عطا محمد صاحب کے چھوٹے بیٹے کا بیٹا تھا، فیصل کا چچا زاد بھائی اور یہ بات اسے آج واپسی پر معلوم ہوئی تھی، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو وہ اپنے خیالات سے باہر نکلی اور دیکھا کہ ارحم اس کی سائیڈ والی ونڈو پر

جھکا ہوا ہے، وہ ایک دم گھبرا گئی، ارحم نے شیشہ کھٹکھٹایا تو مہرو نے فوراً شیشہ نیچے کیا۔

''مہرو ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ کسی کے بارے میں کبھی بھی اتنی جلدی کوئی رائے نہیں قائم کرلینی چاہیے، کبھی بھی کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھنا چاہیے اور غرور اللہ کی ذات کو بالکل بھی پسند نہیں، آپ کو میرے بارے میں جاننے کا بہت تجسس ہو رہا تھا نا، فیصل نے یہ تو آپ کو بتا ہی دیا کہ میں اس کا کزن ہوں نا کہ حویلی کا کوئی ملازم، تو اپنا مختصر سا تعارف میں بھی آپ کو کرواتا جاؤں کہ جانے پھر کب ملاقات ہو، یا پھر ہو نہ ہو۔''

''میں لندن آکسفورڈ یونیورسٹی سے اپنی اسٹڈیز مکمل کر کے چھٹی پر پاکستان آیا تھا تو آپ کو یہاں مجھے برداشت کرنا پڑا، لیکن جب اگلی بار آئیں گی تو خواب انجوائے کیجیے گا کیونکہ آپ کو زہر لگنے والا ہینڈسم سا بندہ یہاں نہیں ہوگا، اپنا اور اپنی دولت کا بہت خیال رکھیے گا۔'' اس نے آنکھوں سے عالیہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جو مہرو کی طرح ساکت بیٹھی اسی کو سن رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ سلوٹ کی صورت سلام کرتا ہوا گاڑی سے پیچھے ہٹ گیا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا، ڈرائیور صدیقی صاحب کے انتظار میں کھڑا تھا جو گاڑی سے باہر نکل کر سڑک کنارے کھڑے کسی کا کال سن رہے تھے، کال سننے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھے تو ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

''مہرو، اٹھو تم تو ایسے سو رہی ہو جیسے کوئی قلعہ فتح کر کے آئی ہو اور اب بہت تھک چکی ہو۔'' عالیہ اس کے سرہانے کھڑی چیخ رہی تھی۔

عالیہ نے آگے بڑھ کر وال گلاس سے پردے ہٹائے تو سورج کی کرنیں چھن چھن کرتی کمرے میں چار سو بکھر گئیں، مہرو نے مندی مندی آنکھوں سے عالیہ کو دیکھا۔

''تمہیں خود نیند نہیں آتی تو دوسروں کو تو آرام کرنے دیا کرو۔'' مہرو نے مدھم آواز میں اپنے بکھرے بالوں کو کیچر میں بند کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے نیند آتی ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ دوپہر کے بارہ ایک بجے تک سوتی رہوں، میں شاپنگ پر جا رہی تھی سوچا تمہیں بھی ساتھ لیتی چلوں، لیکن اگر تمہارا موڈ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں میں اکیلی چلی جاتی ہوں۔''

وہ جانتی تھی مہرو کو شاپنگ کا بہت کریز ہے۔

''اب آ گئی ہو تو چلتی ہوں، زیادہ نخرے مت دکھایا کرو۔'' مہرو نے بیڈ سے اترتے ہوئے واش روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

''نخرے میں نہیں تم کرتی ہو، میں تو بھئی بہت سادہ سی لڑکی ہوں۔'' عالیہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

مہرو تھوڑی دیر میں شاور لے کر واپس کمرے میں داخل ہوئی۔

''مہرو مجھے تمہیں کچھ دینا ہے۔'' عالیہ نے سنجیدگی سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی مہرو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' مہرو نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''کچھ خاص، بلکہ بہت خاص۔''

''کیا ہے بتاؤ بھی؟'' مہرو نے بے چینی سے پوچھا۔

''ایک تو تم میں صبر نام کی چیز نہیں ہے۔''

عالیہ نے ہنستے ہوئے کہا تو مہرو اس کی جانب بڑھی۔
''تم اب بتاؤ گی یا نہیں؟''
''اچھا بابا ایک منٹ رکو۔'' عالیہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا، چند ہی ثانیے بعد اس نے ایک پرچی مہرو کے سامنے کی۔
''یہ کیا ہے؟'' مہرو نے ناسمجھی سے پوچھا۔
''یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ کہ یہ کیا ہے، لیکن ہے تمہارے لئے ہی، کھول کر دیکھو کیا ہے۔'' عالیہ نے کاغذ اس کو تھماتے ہوئے کہا۔
پھر یوں ہوا کہ اس نے مجھے دعا دی
پھر یوں ہوا کہ وہ اپنی دعاؤں کی زد میں آ گیا
''واہ بہت خوب۔'' مہرو کے پڑھے جانے والے شعر پہ عالیہ نے مسکراتے ہوئے داد دی۔
''کیا بہت خوب؟ یہ کس نے لکھا ہے؟''
''ظاہر ہے جس نے یہ لو لیٹر گاڑی میں تمہاری خاطر چھوڑا ہوگا اسی نے لکھا بھی ہوگا۔''
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ کہ تم اپنے خیالوں میں اتنی گم تھی کہ ارحم شاہ نے جاتے جاتے یہ کاغذ تمہاری گود میں رکھا تھا، جو کہ نیچے گر گیا تھا، لیکن میں نے فوراً اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا، تمہارا دھیان تو اس وقت کہیں اور ہی تھا، گاڑی میں تمہیں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ تم اسی وقت بھڑک اٹھتی اور انکل اور ڈرائیور کے سامنے ہی اس بیچارے کی عزت افزائی کرنا شروع ہو جاتی، اس لئے میں نے سوچا اکیلے میں ہی دوں گی۔''
''شاہ صاحب کو تو شاعری سے بھی لگاؤ ہے بھئی۔'' عالیہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔
''شٹ اپ! اس کی اتنی جرأت کیسے ہوئی ایسی چیپ حرکت کرنے کی، آخر وہ سمجھتا کیا ہے کہ میں اس کی ایسی اوچھی حرکتوں سے متاثر ہو کر اس کی اسیر ہو جاؤں گی۔'' مہرو کا پارہ ایک بار پھر ہائی ہو چکا تھا۔
''مہرو! اسیر اوچھی یا اچھی حرکتوں سے نہیں بنا جاتا، بس جب محبت ہو جائے تو محبوب کی اوچھی حرکتیں بھی اچھی لگنے لگتی ہیں۔''
''اوہ پلیز عالیہ! کیا فضول باتیں کیے جا رہی ہو، محبت محبوب وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں تم مجھ سے نہ ہی کیا کرو تو بہتر ہے۔''
''چلو تمہیں نہیں لیکن اسے تو تم سے محبت ہو سکتی ہے نا۔'' عالیہ نے اسے مزید چڑایا۔
''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ رات کو کون سی بالی ووڈ کی ایموشنل رومانٹک مووی دیکھ کر سوئی تھی جو صبح صبح ایسی فضول باتوں سے میرا دماغ خراب کر رہی ہو؟'' اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ غصے سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔
''اچھا سوری یار، اب میرا کیا قصور ہے، میں نے تو تمہاری امانت سمجھ کر یہ تم تک پہنچا دیا، اب تم مجھ پر ہی برس رہی ہو۔'' عالیہ نے معصوم سا چہرہ بناتے ہوئے کہا۔
''لیواٹ، چلو اب مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے باہر سے ہی کچھ کھائیں گے اب۔'' مہرو نے ٹیبل سے اپنا بیگ اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا تو عالیہ جو ''حکم جناب'' کہتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی اور وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کتاب پڑھنے میں مگن تھی، مہرو نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا تو گلاس تھامتے وقت اس کی نظر ٹیبل پر پڑے اسی کاغذ پر پڑی جو

صبح سے عالیہ نے دیا تھا، اس نے کاغذ پر لکھے شعر کو زیر لب بڑبڑایا۔

پھر یوں ہوا کہ اس نے مجھے دعا دی
پھر یوں ہوا کہ وہ اپنی دعاؤں کی زد میں آ گیا

اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی وہ ایسی ہی تھی غصے میں کیا کہتی تھی کیا کرتی تھی اسے خود بھی سمجھ نہیں آتا تھا، صدیقی صاحب نے اس کی پرورش بہت لاڈ پیار سے کی تھی اور ان کے پیار نے ہی اس کو بگاڑا نہیں تھا بس کچھ لاپرواہ سا کر دیا تھا، مہرو کی پیدائش کے وقت ہی اس کی امی چل بسی تھیں، اس کی زندگی صدیقی صاحب سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہوتی تھی، عالیہ سے اس کی دوستی چند سال پہلے ہوئی تھی جب وہ لوگ لاہور سے کراچی شفٹ ہوئے تھے، عالیہ صدیقی صاحب کے بزنس پارٹنر کی بیٹی تھی، اس طرح عالیہ اکثر اپنے ڈیڈ کے ساتھ صدیقی صاحب کے گھر آتی یا کبھی مہرو اپنے ڈیڈ کے ساتھ ان کی طرف چلی جاتی، اسی طرح ان کی دوستی کب اتنی مضبوط ہو گئی ان کو خود بھی اندازہ نہیں تھا، وہ شعر پڑھنے کے بعد بیڈ سے نیچے اتری اور باہر لان میں چلی آئی۔

''ویسے اتنا بھی برا نہیں ہے ارحم شاہ، میں نے تو خواہ مخواہ اسے اتنا برا سمجھ لیا ہے۔'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے سوچا۔

''اگر وہ برا ہوتا تو ہماری ہیلپ کیوں کرتا؟ اور میری اتنی زیادہ بدتمیزی کو برداشت کیوں کرتا، خیر اب جب بھی ملوں گی تو معذرت کر لوں گی۔'' اس نے خود ہی فیصلہ کرتے ہوئے سوچا اور مسکراتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''ڈیڈ ہم دوبارہ اوکاڑہ کب جائیں گے؟'' اس نے جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے ناشتہ کرتے صدیقی صاحب کو مخاطب کرتے پوچھا تو انہوں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں بیٹا، بس تمہارے مزاج کی بھی کچھ سمجھ نہیں آئی، جب وہاں تھے تو ڈیڈ کراچی کب جائیں گے اور اب یہاں ہیں تو اوکاڑہ کب جائیں گے۔'' انہوں نے اپنے لئے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا نا آپ بتائیں تو ہم دوبارہ کب جائیں گے؟'' مہرو نے زور دیتے ہوئے پوچھا۔

''جب وقت ملا تو چلے جائیں گے، فی الحال میں بہت مصروف ہوں۔''

''جب وقت ملا؟ مطلب آپ کو اگر پورا سال وقت نہ ملا تو ہم پورا سال ہی نہیں جائیں گے؟'' مہرو نے اضطرابی سے کہا۔

''سب خیریت ہے نا بیٹا؟'' صدیقی صاحب نے اس کی بے چینی بھانپتے ہوئے کہا۔

''جی خیریت ہی ہے۔'' مہرو نے اترے ہوئے چہرے سے جواب دیا۔

''اچھا میں اب آفس کے لئے نکل رہا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔'' صدیقی صاحب نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور وہ ان کے جانے کے بعد خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی جب لینڈ لائن پر آنے والی کال نے اس کی سوچ میں خلل ڈالا، اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔

''ہیلو؟'' وہ بیزاری سے مخاطب ہوئی۔

''السلام علیکم! ارحم شاہ بول رہا ہوں۔''

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''ارحم شاہ بات کر رہا ہوں اوکاڑہ سے، انکل عمران سے بات ہو سکتی ہے؟'' دوسری جانب سے سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''ڈیڈ تو ابھی ابھی آفس کے لئے نکلے ہیں۔'' اس نے کھوئے کھوئے سے انداز میں جواب دیا۔

''او کے جب آئیں تو ان سے کہیے گا کہ دادا جان (عطا محمد شاہ) ان سے بات کرنا چاہ رہے تھے اور ان کے موبائل پر رابطہ نہیں ہو پا رہا۔''

''او کے میں بول دوں گی۔''

''شکریہ، اللہ حافظ۔'' وہ فون رکھنے ہی والا تھا کہ مہرو کی آواز پر رک گیا۔

''ایک منٹ سنیں۔''

''جی سنائیں؟'' دوسری طرف سے مختصراً لیکن شوخ انداز میں جواب موصول ہوا۔

''آپ ابھی تک اوکاڑہ میں ہی ہیں، گئے نہیں؟''

''بائیس جون کو میری فلائٹ ہے، آپ سے کہا تھا نا آپ بے فکر رہیں آپ اب جب آئیں گی تو آپ کو جنگل کے جنگلیوں میں سے ایک جنگلی کم ملے گا۔'' ارحم کے جواب نے اس کو مزید کچھ کہنے سننے کے لائق نہیں چھوڑا۔

''او کے اللہ حافظ۔'' مہرو نے مزید کچھ کہے بنا کریڈل کو پٹخا۔

''نہ جانے خود کو کہاں کا شہزادہ سمجھتا ہے، جب دیکھو جلا بھنا ہی رہتا ہے، اڑیل کہیں کا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چل دی، لیکن دل جیسے عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا، کچھ تھا جو اس کو بے چین کر رہا تھا، مگر کیا...... یہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ کافی کا مگ تھامے صدیقی صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ لیپ ٹاپ پر مصروف لگ رہے تھے۔

''ڈیڈ آج گاؤں سے آپ کے لئے کال آئی تھی، آپ کے سیل پر رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا شاید اسی لئے انہوں نے لینڈ لائن پر کال کی۔'' مہرو نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''ہاں میری کچھ دیر پہلے ہی ان سے بات ہوئی ہے، عطا محمد صاحب کے بڑے پوتے فیصل کی شادی ہے اور وہ ہمیں انوائیٹ کرنا چاہ رہے تھے، مگر میری کچھ ضروری میٹنگز ہیں جس کی وجہ سے میں نے جانے سے معذرت کر لی۔'' صدیقی صاحب نے لیپ ٹاپ پر ہی نظریں جمائے ہوئے نرم لہجے میں جواب دیا۔

''آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔'' مہرو نے حیرت سے بلند آواز میں پوچھا تو انہوں نے مہرو کو گھورا، جو انہی کو دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔'' وہ مختصر سا جواب دے کر دوبارہ اپنا کام کرنے لگے۔

''لیکن مجھے جانا ہے، میں نے کبھی گاؤں کی شادی اٹینڈ نہیں کی، مجھے شوق ہے گاؤں کی شادی دیکھنے کا، آپ مجھے اور عالیہ کو بھجوا دیں پلیز۔''

''مہرو تم خواہ مخواہ وہاں جا کر ان سب کو تنگ کرو گی، شادی والا گھر ہو گا اتنے زیادہ لوگ ہوں گے تو ہو سکتا ہے تمہارا خیال بھی اچھے سے نہ رکھا جا سکے اور تمہارا غصہ تو ہر وقت ناک پر رہتا ہے، پچھلی بار بھی تم ان کے پوتے سے بنا بات پر غصہ کرتی رہی تھی، وہ تو لندن میں رہتا تھا اس لئے میں بھی اس کو کافی عرصے کے بعد ملنے کی وجہ سے پہچان ہی نہ سکا تھا، اس لئے بہتر ہے تم یہیں رہو، جب میں فری ہوں گا تو ایک ساتھ چلیں گے۔''

''نو ڈیڈ پلیز مجھے شادی پر ہی جانا ہے، آئی پرامس میں کسی پر غصہ نہیں کروں گی اور نہ ہی کسی

کو تنگ کروں گی۔'' اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو صدیقی صاحب چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد مخاطب ہوئے۔

''تم بہت ضدی ہو مہرو۔''

''جب آپ جانتے ہیں کہ میں ضدی ہوں تو مجھے ضد کرنے پر مجبور ہی مت کیا کریں۔''

''اچھا تم عالیہ سے بات کرلو، میں عطا محمد صاحب کو تمہارے آنے کی اطلاع دے کر پرسوں کی ٹکٹ کروا دیتا ہوں۔'' انہوں نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا تو وہ محبت سے ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

''آئی لو یو سو مچ ڈیڈ۔'' اس کے اس انداز پر وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا دیئے۔

☆☆☆

آج بائیس جون کا دن تھا جب وہ لاہور ائیرپورٹ سے گاؤں سے بھیجے گئے ڈرائیور کے ہمراہ اوکاڑہ کے لئے روانہ ہوئیں۔

''ویسے یہ شوق گاؤں کی شادی دیکھنے کا ہے یا پھر نگاہیں کسی اور کو ہی دیکھنے کی منتظر ہیں؟''

''اوہو عالیہ کبھی تو کچھ اچھا سوچ لیا کرو، ہمیشہ فضول باتیں ہی کرتی رہتی ہو۔''

''ہاں بھئی اب ہماری باتیں فضول ہی لگیں گی، ہمیں کہاں اپنی بات سمجھانے کے لئے شاعرانہ انداز آتے ہیں۔'' عالیہ کی بات پر مہرو نے اس کو گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی، گاڑی اچانک ایک جھٹکے سے رکی۔

''کیا ہوا؟'' مہرو نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''کچھ نہیں میڈم وہ شاہ جی کی گاڑی۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا ارحم شاہ ڈرائیور والی سائیڈ کے شیشے پر آجھکا۔

''آپ اب آرام سے جائیے، مجھے فیصل ائیرپورٹ ڈراپ کردے گا، میں لیٹ ہو رہا تھا اس لئے مزید آپ کا انتظار نہیں کرسکتا تھا۔'' وہ ڈرائیور سے بول رہا تھا جب مہرو نے باہر کھڑے اس وجیہہ شخصیت کے مالک ارحم شاہ کو دیکھا، آج وہ پہلے سے بالکل مختلف لگ رہا تھا، آج وہ گاؤں کا کوئی پینڈو سا لڑکا نہیں بلکہ کسی اور ہی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا، بلیک پینٹ پر وائٹ شرٹ پہنے، آستین کہنیوں تک فولڈ کئے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''مہرو! کیا یہ وہی ارحم شاہ ہے؟'' عالیہ بھی اس کا یہ روپ دیکھ کر متاثر ہوئی تھی، مہرو عالیہ کی بات کا جواب دیئے بنا گاڑی سے اتر گئی، ارحم نے اس کو دیکھ کر بھی یوں محسوس کروایا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر ہو، مہرو دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کے روبرو آ کر کھڑی ہوگئی، اس نے ارحم کو سلام کیا تو وہ سلام کا جواب دینے کے بعد بولا۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟''

''جی اللہ کا کرم ہے میں بھی بالکل ٹھیک۔'' ارحم نے سن گلاسز اتارتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' مہرو نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی لاہور جا رہا ہوں، شام سات بجے لندن کی فلائٹ ہے میری اور لاہور میں کچھ دوستوں سے بھی ملنا ہے اس لئے جلدی نکل رہا ہوں۔'' مہرو کا دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں بھینچ لیا تھا، اک انجانی سی اداسی اس کی طبیعت پر حاوی ہونے لگی تھی۔

''آپ فیصل کی شادی تک رکے گے نہیں؟'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

''نہیں، جانا ضروری ہے اس لئے نہیں رک سکتا۔''

"Have a save journey" وہ بمشکل صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"Thank you ----! Good bye!" وہ کہتا ہوا واپس اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور مہرو وہیں کھڑی اس کو دیکھتی رہی۔

"مہرو..... مہرو...... آ بھی جاؤ اب یا وہیں کھڑی رہو گی۔" عالیہ اس کو گاڑی میں بیٹھی پکار رہی تھی، لیکن وہ کہیں اور ہی کھوئی ہوئی تھی۔

"میڈم چلیں؟" ڈرائیور کی آواز پر وہ چونکی۔

"ہا...... ہاں۔" وہ بھاری قدموں سے گاڑی میں آ بیٹھی، عالیہ نے بغور اس کو دیکھا، وہ اس وقت پہلے والی مہرو نہیں لگ رہی تھی، کچھ تھا جو نیا تھا اس میں، لیکن کیا یہ ابھی عالیہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆

شادی کے تمام فنکشنز بہت اچھے سے اختتام پذیر ہوئے تھے، عالیہ نے خوب انجوائے کیا تھا لیکن مہرو کی طبیعت پر عجیب بوجھل پن طاری تھا، وہ جس جوش و خروش سے آئی تھی اتنی ہی چپ چپ اور کھوئی کھوئی سی رہی تھی، اس کی طبیعت پر بوجھل پن تو اسی وقت چھا گیا تھا جب اس نے ارحم کو لندن کے لئے روانہ ہوتے دیکھا تھا، وہ شادی کے لئے بھی نہیں رکا تھا، اسے رکنا چاہیے تھا آخر اس کے سگے تایا زاد کی شادی تھی، اس نے بیڈ پر لیٹے ہی آنکھیں بند کیے سوچا۔

"مہرو!" عقب میں لیٹی عالیہ نے اس کی سوچ کے تسلسل کو توڑا۔

"سب ٹھیک تو ہے نا؟ ہمیں یہاں آئے چار دن ہو چکے ہیں لیکن تمہارا موڈ ویسے کا ویسا ہی ہے۔"

"بس ایسے ہی یار، ڈیڈ کی یاد آ رہی ہے۔" مہرو نے اس کی جانب کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں اتنا اداس ہونے والی کیا بات ہے، صبح ویسے بھی ہم کراچی واپس جا رہے ہیں۔" عالیہ نے اس کا موڈ خوشگوار کرنا چاہا۔

"ہاں وہ تو ہے۔" مہرو نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہیں تمہیں انکل کی جگہ شاہ کی یاد تو نہیں آ رہی؟" عالیہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عالیہ!" مہرو نے غصے سے اس کا نام پکارا تو عالیہ کا جاندار قہقہہ پورے کمرے میں گونج گیا اور وہ چہرہ دوسری جانب کر کے لیٹ گئی اس سے پہلے کہ مہرو مزید اس پر برسنا شروع ہو جاتی۔

آج وہ دونوں واپسی کے لئے روانہ ہو رہی تھیں، عالیہ باہر فیصل اور اس کی دلہن کے پاس تھی جبکہ مہرو عطا محمد صاحب کو ملنے ان کے کمرے میں ہی چلی آئی، وہ دروازے پر دستک دے کر کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

"ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔" مہرو نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اس کے لئے معافی کی طلبگار ہوں۔" مہرو نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"ارے تم تو ہماری بہت پیاری بیٹی ہو اور بیٹیاں کبھی تکلیف کا باعث نہیں بنتی، ہاں میری مہرو بس بچپن کی طرح اب بھی تھوڑی سی ضدی ہے لیکن میں جانتا ہوں تم دل کی بری نہیں ہو۔" وہ نرم لہجے میں محبت سے بولے۔

"شکریہ دادا جان!"

"مہرو ایک بات کہوں بچے؟"

''جی ضرور۔''

''لوگ پہلے ہمارا ظاہر دیکھتے ہیں پھر باطن، اور کچھ تو باطن دیکھتے ہی نہیں، میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم گھر میں کھڑکیاں دروازے لگاتے ہیں تو پردہ پہلے باہر والے دروازے پر لگاتے ہیں، پھر اندر کا کچھ سوچتے ہیں، اس لئے اپنے اخلاق کو اچھا کرنے کی کوشش کرو، تمہاری نیت چاہے اچھی ہو لیکن جب تک تمہارا مزاج دوسروں کو دکھ دیتا رہے گا تمہاری زبان سے نکلے الفاظ دوسروں کی تکلیف کا باعث بنتے رہیں گے تب تک تمہاری اچھی نیت کو بھی لوگ نہیں سمجھ پائیں گے، باطن اور ظاہر دونوں کو اچھا رکھو، باطن اچھا ہو تو اللہ پاک خوش ہوتا ہے اور ظاہر بہتر ہو تو انسان خوش ہوتا ہے اور اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے وہ اپنے حقوق تو معاف کر سکتا ہے مگر اپنے بندوں کے نہیں، اس لئے خود کو زیادہ نہیں تو تھوڑا سا ہی بدل لو۔'' انہوں نے محبت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا، اس نے بہت توجہ سے ان کی باتیں سنی تھیں اور دل ہی دل میں اپنے رویے پر شرمندہ بھی ہوئی تھی۔

عطا محمد صاحب نے جو بھی کہا تھا بالکل سچ کہا تھا، اس کا مزاج غصے والا تھا، لیکن اس کا دل دوسروں کے لئے بالکل صاف تھا، وہ زبان سے اکثر کڑوے الفاظ بول جاتی تھی لیکن دل میں کبھی کسی کے لئے بغض نہیں رکھتی تھی، ان کی گفتگو ختم ہوئی تو عطا محمد صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ سب کو مل کر اجازت طلب کرتی ہوئی عالیہ کے ہمراہ کراچی کے لئے روانہ ہوگئی۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اور صدیقی صاحب بھی گھر پر ہی تھے، وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے جب چینل تبدیل کرتے ان کا ہاتھ نصرت فتح علی خان کی آواز میں لگی ایک غزل پر ٹھہر گیا۔

تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو
تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
میرے دل کی دنیا میں آ کر تو دیکھو

وہ بالکونی میں کھڑی چائے پیتے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی جب لاؤنج سے آنے والی نصرت فتح علی خان کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی، وہ بہت مگن ہو کر غزل سن رہی تھی جب اچانک آواز آنا بند ہو گئی، شاید صدیقی صاحب نے چینل بدل لیا تھا، وہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور لیپ ٹاپ لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اس نے نیٹ سے نصرت فتح علی خان کا وہی سانگ سرچ کیا اور اسے کتنی دیر تک سنتی رہی۔

یہ عشق نہیں ہے آسان
بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے
اور ڈوب کر جانا ہے

آج سے پہلے اس نے ایسے گانے کبھی نہیں سنے تھے اور نہ ہی ایسے گانے اس کی سمجھ میں آتے تھے، لیکن آج نہ جانے کیوں بار بار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہی سانگ سنتی رہے، صدیقی صاحب کو مہرو کے کمرے سے آنے والی نصرت فتح علی خان کی آواز نے چونکا دیا، آج سے پہلے ان کی بیٹی کے کمرے سے پاپ سنگرز کی ہی آوازیں آتی تھیں، وہ کچھ دنوں سے اس کے رویے میں آئی تبدیلی محسوس کر چکے تھے اور وہ بس اس انتظار میں تھے کہ ان کے کچھ پوچھنے سے

پہلے مہرو خود ہی اپنی پریشانی ان سے شیئر کرلے۔
شام کو جب اس کا دل گھر پہ نہیں لگ رہا تھا تو اس نے عالیہ کے ساتھ سمندر پر جانے کا پلان بنا لیا، وہ ننگے پاؤں سمندر کنارے پر چل رہی تھی، لہروں کی طغیانی کا شور اس کے اندر اٹھنے والے شور سے بہت کم تھا۔
''عالیہ!'' مہرو نے اپنے ہمراہ چلتی عالیہ کو مدھم لہجے میں پکارا۔
''بولو؟'' عالیہ نے بغور اس کو دیکھا۔
''مجھے لگتا ہے میں شاہ سے محبت کرنے لگی ہوں۔'' سمندر کی شور مچاتی لہروں میں جیسے کوئی طوفان برپا ہو چکا تھا، عالیہ نے بے یقینی سے مہرو کو دیکھا اور چند ثانیے بعد مخاطب ہوئی۔
''آئی کانٹ بلیو اٹ، مہرو...... مہرو۔'' وہ اس کو دونوں شانوں سے تھامتی ہوئی جھوم اٹھی۔
''تمہیں محبت ہو گئی ہے، وہ بھی ارحم شاہ سے۔''
''عالیہ مجھے اس سے محبت ہوئی ہے، اسے مجھ سے نہیں۔'' مہرو کی آواز میں رنج تھا۔
''ارے تمہیں ایسا کس نے کہا؟''
''بس مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرسکتا۔'' چلبلی اور مستانی ہوا ان کے بالوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔
''مہرو تم پہلے ہی برا مت سوچنے لگو، سب اچھا ہوگا۔'' عالیہ نے اس کو یقین دہانی کرائی۔
''لیکن عالیہ اگر وہ مجھ سے محبت نہ کرتا ہوا تو؟'' مہرو کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
عالیہ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئی، اس نے پہلی بار مہرو کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اور وہ بھی ارحم شاہ کی خاطر، جس کے نام سے بھی چاند روز پہلے وہ چڑتی تھی۔
''مہرو! میری جان تم فکر مت کرو، میں ہوں نا، وہ تم سے محبت نہ بھی کرتا ہوا تو اسے مجبور کر دوں گی تم سے محبت کرنے پر، آخر میں کس مرض کی دعا ہوں؟'' عالیہ نے اس کا موڈ خوشگوار کرنے کی خاطر شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو مہرو بھی مسکرا دی، لیکن عالیہ جانتی تھی اس کی یہ مسکراہٹ پھیکی ہے۔

☆☆☆

اس کے پاس نہ تو ارحم کا کوئی پاکستان رابطہ نمبر تھا اور نہ ہی لندن کا، اس کا دل چاہتا تھا وہ اسے دیکھے، اس کی آواز سنے، لیکن اب اسے اپنی بے بسی پر بھی غصہ آنے لگا تھا، نہ تو وہ کسی سے نمبر مانگ سکتی تھی اور نہ ہی کسی سے اس کے بارے میں کچھ پوچھ سکتی تھی، اسے بیٹھے بٹھائے نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے حویلی کے لینڈ لائن پر کال ملائی، دوسری جانب شاید کسی ملازم نے فون اٹھا تھا۔
''دادا جان سے بات ہو سکتی ہے؟ میں کراچی سے مہرو بات کر رہی ہوں۔''
''جی بی بی جی ایک منٹ ہولڈ کریں۔''
چند ثانیے بعد عطا محمد صاحب کال پر موجود تھے۔
''سلام بیٹا کیسی ہو؟ اور عمران کیسا ہے؟''
''میں ٹھیک ہوں دادا جان، اور ڈیڈ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔''
''تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی؟'' انہوں نے مہرو کی کھنکتی آواز میں بوجھل پن کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔
''جی بس کچھ دن سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے طبیعت کا بہانہ بنایا۔
''دادا جان وہ مجھے پوچھنا تھا کہ ارحم کا نمبر مل سکتا ہے؟ مجھے اس سے لندن یونی کے بارے میں کچھ معلومات لینی ہے، وہ میری دوست عالیہ

ہے نا؟ وہ لندن آکسفورڈ یونی سے پڑھنا چاہ رہی ہے، تو ارحم نے بتایا تھا اس نے اپنی اسٹڈیز وہیں سے مکمل کی ہیں۔'' اس نے محض ارحم کا نمبر لینے کی خاطر اتنی تفصیل سے جھوٹ بولا تھا کہ عطا صاحب کو کسی قسم کا شک نہ ہو سکے۔

''ارحم کا نمبر، یہ لو فیصل آ گیا، فیصل تمہیں اس کا نمبر لکھوا دیتا ہے۔'' عطا صاحب نے نرمی سے کہتے ہوئے فون فیصل کو تھما دیا، سلام کے بعد سرسری سے انداز میں اس نے فیصل کا حال پوچھا اور فیصل نے بھی زیادہ سوال جواب کیے بنا اسے ارحم کا نمبر دے دیا، مہرو نے فیصل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

ارحم کا نمبر ملتے ہی جیسے اس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا، وہ خود کو پہلے سے بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی، اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ پر لکھا نمبر اپنے سیل فون میں سیو کیا اور پھر سے نصرت فتح علی خان کو سننے لگی۔

وفاؤں کی ہم سے توقع نہیں ہے
مگر ایک بار آزما کر تو دیکھو
تمہیں دل کی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو

وہ ارحم کے نمبر کو بغور دیکھ رہی تھی مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ خود اس کو کال کر پاتی، وہ سوچوں میں گم تھی جب عالیہ کا نمبر اس کی موبائل اسکرین پر چمکنے لگا۔

''ہیلو کیسی ہو؟'' مہرو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے چھوڑو تم بتاؤ تم کیسی ہو؟ آج کل تو تمہارے حال جاننے والے ہیں۔'' عالیہ کی آواز میں شرارت تھی۔

''ہر وقت مذاق مت کیا کرو۔'' مہرو نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ اچھا جی، اب تو ہماری مہرو سنجیدہ ہو گئی ہے۔'' وہ اس کو چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

''اچھا چھوڑو، میں نے تمہیں ارحم کا نمبر لینے کو کہا تھا، میرا بتایا گیا آئیڈیا کام آیا کہ نہیں؟ ملا ارحم کا نمبر؟'' عالیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نمبر تو مل گیا ہے عالیہ لیکن میں اس کو کال کیسے کروں؟ وہ کیا سوچے گا میرے بارے میں؟ کہ میں نے خود اس کو کال کی، میں اس کے پیچھے مری جا رہی ہوں۔'' مہرو کے لہجے میں اضطرابی تھی۔

''مہرو تمہیں ایک بات کہوں؟ محبت قربانی مانگتی ہے اور تم جانتی ہو اس میں سب سے پہلے کیا قربان کرنا پڑتا ہے؟''

''کیا؟'' مہرو نے فوراً سے پوچھا۔

''اپنی عزت نفس، اپنی انا، کیونکہ محبت میں جھکنا پڑتا ہے، بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔'' عالیہ نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ ایک بار پھر خیالوں کی دنیا میں گم ہو گئی۔

اس کو جھکنا تو آتا ہی نہیں تھا، وہ آج تک اللہ کے علاوہ کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی تھی اسے دفعتاً دادا جان کی بات یاد آئی۔

''لوگ ہمارے باطن کو بعد میں اور ظاہر کو پہلے دیکھتے ہیں، محبت اظہار چاہتی ہے، دل میں کیا جذبات ہیں یہ کوئی اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک کوئی اپنے احساسات کا اظہار نہ کرے اور تم ارحم کو پسند کرتی ہو اس کو چاہتی ہو، لیکن تم نے اس کو یہ سب کچھ بھی محسوس نہیں کروایا تو وہ کیسے تمہاری فیلنگز کو سمجھ پائے گا۔''

''ہوں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' مہرو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو بس پھر دیر کس بات کی ہے، تم اس کو کال کرو، ڈائریکٹ نہیں تو ان ڈائریکٹلی ہی اس

سے اپنے دل کی بات کہو۔''
''او کے۔'' مہرو نے مختصراً جواب دیا۔
عالیہ نے اجازت لیتے ہوئے فون بند کر دیا، مہرو نے ایک بار پھر ارحم کا نمبر دیکھا اور بس دیکھ کر ہی فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور خود اٹھ کر باہر لان میں چلی آئی۔

☆☆☆

اس نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا نمبر ڈائل کیا، ایک دو بیل کے بعد کال ریسیو ہوگئی۔
''السلام علیکم!'' وہی رعب دار لہجہ۔
''ہیلو۔'' وہ چاہ کر بھی آگے کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔
''ہیلو جی کون؟'' ارحم کے پوچھنے پر اس نے کھنکھارتے ہوئے پوچھا۔
''ارحم شاہ بات کر رہے ہیں؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی۔
''جی ظاہر ہے میرا نمبر ہے تو میں ہی بات کروں گا، آپ کون ہیں؟'' وہ اس کے پوچھنے پر چونکی تھی۔
''م...... میں...... میں...... مہرو۔'' وہ بمشکل بول سکی۔
''کون مہرو؟''
لندن کی حسیناؤں کے آگے اسے مہرو کیسے یاد رہتی، مہرو نے دل میں سوچا۔
''عالیہ کی دوست۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
''اب یہ عالیہ کون ہے؟'' وہ زچ ہو کر بولا۔
''وہ میں عمران صدیقی صاحب کی بیٹی بات کر رہی ہوں۔'' اسے اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا۔
''اوہ...... آپ...... اچھا اچھا...... جی مہرو پہچان گیا، سوری میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔''
''Its ok۔'' مہرو نے بے دلی سے کہا۔
''مہرو ابھی میں کچھ مصروف ہوں، فری ہو کر آپ کو کال کرتا ہوں۔'' مہرو کو لگا جیسے وہ اس سے جان چھڑا رہا ہے، اس نے مزید کچھ کہے سنے بنا غصے سے فون بند کر کے بیڈ پر پٹخ دیا اور خود کارپٹ پر ڈھے گئی، آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے، وہ خود کو بے بسی کی آخری انتہا پر محسوس کر رہی تھی، وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی جب کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی، مہرو نے جلدی سے چہرہ صاف کیا اور اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی، صدیقی صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو اس کو دیکھتے ہی جان گئے کہ وہ روئی ہے۔
''کیا ہوا تم روئی ہو؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا۔
''نہیں بس سر میں درد کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں، ابھی میڈیسن لیتی ہوں۔'' اس نے جھوٹ بولنا چاہا لیکن صدیقی صاحب اس کی بات سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔
لیکن وہ ان کو چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ یہ درد سر کا نہیں بلکہ دل کا تھا اور جب دل میں درد ہوتی ہے تو انسان چاہ کر بھی اپنی تکلیف کسی کے سامنے بیان نہیں کر پاتا، کیونکہ درد دل کی دوا صرف ایک ہی ہوتی ہے، محبت اور محبت قسمت والوں کو ملتی ہے۔
''تم یہیں بیٹھو میں خانساماں سے کہہ کر تمہارے لئے چائے اور میڈیسن بھجواتا ہوں۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
''آپ کسی کام سے آئے تھے؟'' مہرو نے

انہیں باہر کی جانب بڑھتے دیکھا تو پوچھ لیا۔
''نہیں، ویسے ہی اپنی بیٹی کو دیکھنے آیا تھا۔''
انہوں نے محبت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ بھی ہلکا سا مسکرا دی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر انہیں کچھ سکون ملا تھا، وہ باہر کی جانب بڑھ گئے تو مہرو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی، ایک نہ چاہتے ہوئے بھی ارحم کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

شاہ کو لندن گئے چھ ماہ ہو چکے تھے اور دو ماہ پہلے اس نے ارحم کو کال کی تھی، جس پر اس نے اپنی مصروفیت کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا، وہ دو ماہ سے اس کی کال کا ویٹ ہی کر رہی تھی، اس نے کہا تھا وہ فری ہو کر خود کال کرے گا مگر اس نے کال نہیں کی تھی، مہرو کا دل ہر کام سے اچاٹ ہو چکا تھا، نہ وہ باہر جاتی تھی اور نہ ہی کسی کام میں دلچسپی لیتی تھی، رات کے دو بج رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی۔

اس نے وال کلاک پر نظر دوڑائی، آج وہ نو بجے ہی میڈیسن لے کر سو گئی تھی، اس کو عمران صدیقی صاحب کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آج آفس سے کب لوٹے تھے، مہرو کمرے کا اے سی بند کرتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتری اور بھوک کا احساس ہونے پر کچن کی جانب چل دی، اس نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

لاؤنج میں لائٹ بھی آف تھی اور سب ملازم بھی اپنے کواٹرز میں جا چکے تھے، اس نے کچن کی لائٹ آن کرنے کے لئے سوئچ بورڈ کی جانب ہاتھ بڑھایا کہ اسے محسوس ہوا اس کے علاوہ بھی کچن میں کوئی موجود ہے،، اس نے عقب میں مڑ کر دیکھا تو مدھم روشنی میں اسے کسی کا عکس دکھائی دیا، مہرو نے گھبراتے ہوئے بنا کسی آہٹ کے شیلف پر پڑا گلاس اٹھایا اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس شخص کے قریب پہنچی جو فریج میں منہ دیئے کچھ نکال رہا تھا، شاید کوئی چور گھس آیا ہے، مہرو نے دھڑکتے دل سے سوچا۔

وہ اس کے سر میں گلاس مارنے ہی والی تھی کہ اس سے پہلے ہی وہ شخص پیچھے ہٹا اور پوری قوت سے اس کے ہاتھ سے گلاس چھینتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس نے مہرو کو دیوار کے ساتھ لگا دیا، فریج کی مدھم روشنی بھی آنا بند ہو گئی تھی، اس شخص کی سانسوں کی حدت وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی، اس نے مہرو کے چہرے پر بکھرے بالوں کو بڑی مہارت سے اپنے ہاتھوں سے ہٹایا۔

''پلیز تمہیں جو بھی چاہیے تم لے جاؤ، لیکن مجھے چھوڑ دو۔'' مہرو نے گھبراتے ہوئے دبی دبی آواز میں کہا تو وہ شخص مہرو کے چہرے کے اور قریب ہو گیا، اس کے ہونٹ مہرو کے کان کی لو کو چھوتے ہوئے کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔

''میں ارحم شاہ ہوں، کوئی چور نہیں، کتنی بار کہا ایسے اچانک کے حملے مت کیا کرو، کبھی کسی کی جان بھی جا سکتی ہے۔'' اس نے ایک لمحے میں اپنی بند آنکھیں کھولیں، وہ موبائل کی ٹارچ آن کئے اسی کو دیکھ رہا تھا، وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن کہہ نہیں پا رہی تھی، اس کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے، ارحم اس کو یونہی حیران کن کیفیت میں چھوڑ کر سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا اور لائٹ آن کر دی، کچن اچانک روشنیوں میں جگمگانے لگا، وہ جوں کی توں کھڑی رہی، شاہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو اور اس کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔

''اب آپ یونہی چھپکلیوں کی طرح دیوار

سے ہی چپکی رہیں گی؟'' اس کی بات پر وہ جلدی سے خود کو کمپوز کرتی ہوئی اس کے قریب آ کر بولی۔

''آپ...... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''بھوک لگ رہی ہے کھانے کے لئے کچھ ڈھونڈ رہا تھا اور آدھی رات کو کچن میں کرکٹ تو کھیلنے سے رہا۔''

''میرا مطلب ہے کہ یہاں کراچی میں، ہمارے گھر پر؟'' مہرو نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''دادا جان نے انکل کو انفارم کر دیا تھا کہ میری نو بجے کراچی کی فلائٹ ہے تو بس انہی کے ساتھ آیا تھا۔''

''کیوں آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا؟'' شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں میں نے ایسا کب کہا۔'' مہرو نے فوراً سے جواب دیا۔

''اچھا تو مطلب اچھا لگا ہے؟''

''اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔'' مہرو نے فریج میں سے جیم نکال کر سلائس پر لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ اپنے ہر مہمان کی مہمانوازی اسی طرح کرتی ہیں یا یہ مہربانی صرف مجھ پر ہی کی جا رہی ہے؟''

''کس طرح کی مہمانوازی؟'' مہرو نے سلائس کھاتے ہوئے پوچھا۔

''اسی طرح مہمان کو بھوکا چھوڑ کر اس کے سامنے خود کھانے بیٹھ جاتا۔'' مہرو اس کی بات پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟''

''نہیں اس وقت مجھے بھوک نہیں تھی۔''

''سوری...... میں ابھی کچھ بنا دیتی ہوں۔'' مہرو نے جوس کا گلاس شیلف پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نو تھینکس، اب میں اسی سے گزارا کر لوں گا۔''

شاہ نے مہرو کے ہاتھ سے اس کا سلائس اور اس کا شیلف پر رکھا جوس کا گلاس پکڑتے کچن سے نکلتے جواب دیا، جو اس نے چند گھونٹ پی کر شیلف پر رکھا تھا۔

مہرو اس کی اس جرأت پر اس کو بس دیکھ کر رہ گئی، وہ شخص اس کی سمجھ سے بالکل بالاتر نہ تھا، وہ اس سے محبت کرتا تھا، نہیں کرتا تھا یا پھر کر کے بھی انجان رہنا چاہتا تھا، وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

کبھی وہ اس سے اس لہجے میں بات کرتا تھا کہ جیسے وہ اس کو ایک آنکھ نہ بھاتی ہو اور کبھی وہ اس کو اتنی محبت سے مخاطب کرتا کہ جیسے وہ اسی کا ہے، وہ کئی لمحے یونہی ساکت کھڑی سوچتی رہی اور پھر چند لمحوں بعد خود بھی اپنے کمرے کی جانب چل دی۔

☆☆☆

صبح وہ کچھ دیر سے بیدار ہوئی تھی، اس نے مندی آنکھوں سے ٹائم دیکھا تو گیارہ بج رہے تھے، دفعتاً اس کو رات والا واقعہ یاد آیا اور اسے احساس ہو کہ ارحم شاہ کہیں چلا نہ گیا ہو، وہ جلدی سے واش روم میں گھسی اور پانی کے چند چھینٹے منہ پر مارتے ہوئے باہر کی جانب بھاگی، لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا، عمران صاحب کے کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا، اسے لان سے چند لوگوں کی باتوں کی آوازیں سنائی دیں تو وہ بھی لان میں چلی آئی، ارحم عطا صاحب اور ارحم کے والدین کو وہ لان میں دیکھ کر حیران تھی، اس نے رسماً مسکراتے ہوئے سب کو

سلام کیا اور آگے بڑھ کر عطا صاحب سے پیار لیا۔

''لو عمران اب مہرو بھی آگئی ہے، مہرو سے بھی اس کی مرضی پوچھ لو، کیونکہ اس کی مرضی کے بغیر ہم اتنا اہم فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' عطا صاحب نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے......'' عظمیٰ (عطا صاحب کی بہو) نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''مہرو بیٹا! ہم آپ کو اپنے بیٹے ارحم شاہ کے لئے مانگنا چاہتے ہیں، آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' مہرو کے سر پر جیسے عظمیٰ بیگم نے بم بلاسٹ کر دیا تھا، اسے لگا یہ خبر اس کو اپریل فول بنانے کے لئے دی جا رہی ہے، لیکن آج نہ تو اپریل فول تھا اور نہ ہی ایسا کوئی دن جس پر اس کو بے وقوف بنایا جاتا۔

''ہاں بیٹا! میں نے تمہاری پیدائش کے وقت ہی عمران سے کہہ دیا تھا کہ یہ دوستی ہم رشتے میں بدل لیں گے، لیکن ہم اپنی خواہشوں کے سامنے اپنے فیصلے اپنے بچوں پر زبردستی مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے، زبردستی کے رشتے زیادہ پر نبھائے نہیں جاتے، اس لئے تم بلا جھجک اپنی رائے کا اظہار کرو۔''

ارحم کے والد جو شاید اس کے ساتھ ہی کل کی فلائٹ سے پاکستان آئے تھے ان کو دیکھتے ہی مہرو کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا تھا کہ ندیم انکل کراچی میں کئی بار مل چکی تھی، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہیں، وہ خاموشی سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی، جب صدیقی صاحب نے مدہم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''بتاؤ بیٹا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟''

''ڈیڈ مجھے آپ پر پورا یقین ہے، آپ میری زندگی کا کوئی بھی اہم فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکتے ہیں۔'' مہرو نے مدھم لہجے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئی، ارحم نے ایک نگاہ اس کو جاتا دیکھا اور واپس اپنے موبائل پر مصروف نظر آنے لگا۔

''لو بھئی سارے وسوسے ختم ہوئے، ہمارے بچوں کو کوئی اعتراض نہیں تو دیر کس بات کی۔'' ارحم کے والد ندیم شاہ نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

''ہاں عمران اب ہمیں بس جلد از جلد شادی کی تاریخ رکھ دینی چاہیے۔'' عطا صاحب نے بھی خوشگوار موڈ میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''جیسے آپ سب کی مرضی، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔''

عمران صاحب تو بہت خوش تھے اور اللہ کے شکر گزار بھی کہ ان کی بیٹی ایک اچھے خاندان میں جا رہی تھی، عطا صاحب نے صدیقی صاحب کو اپنا بیٹا بنا رکھا تھا جو بات وہ اپنے سگے بچوں سے بھی نہیں کہہ پاتے تھے وہ عمران صاحب سے شیئر کر لیتے تھے، عمران کے والد جب زندہ تھے تو ان کی عطا صاحب سے بہت گہری دوستی تھی، وہ بھی اوکاڑہ کے رہنے والے ہی تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد عمران صاحب لاہور شفٹ ہو گئے کیونکہ ان کی والدہ تو کافی سال پہلے ہی وفات پا چکی تھیں اور والد کے مرنے کے بعد وہ اپنی بیوی کے ہمراہ لاہور چلے آئے، ان کا بزنس جب ملک اور ملک سے باہر پھیلنے لگا تو وہ لاہور سے کام کے سلسلے میں ہی اپنی فیملی کے ساتھ کراچی شفٹ ہو گئے، اس طرح ان کا اوکاڑہ آنا جانا کم تو ہو گیا لیکن بند نہیں ہوا، ندیم شاہ سے تو ان کی اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی کیونکہ ان کا کراچی آنا جانا لگا رہتا تھا، عمران کو خوشی تھی کہ اس کی زندگی میں

مخلص لوگ موجود ہیں جو انہیں اپنوں سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے، دنیا میں اچھے لوگ ختم نہیں ہوتے وہ بس قسمت والوں کو ملتے ہیں اور عمران وہ خوش قسمت تھے۔

☆☆☆

شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد کی رکھی گئی اور عطا صاحب کے اسرار پر شادی کی تمام تقریبات گاؤں میں ہی ہونی تھیں، وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی قسمت پر حیران ہو رہی تھی کہ کتنی آسانی سے جو اس نے چاہا وہ اس کو مل رہا تھا، لیکن کہیں کچھ بے سکونی تھی جو اس کو اچھی طرح خوش نہیں ہونے دے رہی تھی۔

لیکن کیا؟ شاید ارحم کا نہ سمجھ آنے والا رویہ، وہ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ ہوتا تھا، وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اس کو نظر انداز کر دیتا اور جب سے ان کی شادی طے ہوئی تھی تب سے تو وہ کچھ زیادہ ہی جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا، اس نے عالیہ کو اس کے بارے میں بتایا تو عالیہ نے اس کو خوب سنا دیں۔

''اگر تم سے شادی نہ کرنی ہوتی تو وہ خود ہی انکار کر دیتا۔'' اس کو عالیہ کی بات یاد آئی تو کچھ سوچتے ہوئے اس نے اٹھ کر دوبارہ عالیہ کا نمبر ڈائل کیا اور دل لگانے کی خاطر اس سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

پوری حویلی میں گہما گہمی تھی، مہمانوں کی آمد کا آغاز بھی ہو چکا تھا، مہرو کے ماموں بھی لاہور سے اوکاڑہ آ چکے تھے، دونوں خاندان کے لاڈلے بچوں کی شادی تھی، آج مہندی کی رسم ادا کی جانی تھی، عالیہ اس کو تیار کرنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی، مگر وہ اس سے جان چھڑا کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں بیٹھ جاتی۔

''مہرو! آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیوں اتنی اپ سیٹ لگ رہی ہو؟'' بالآخر عالیہ کے برداشت کی حد ختم ہوئی تو اس نے مہرو سے اس کے اس عجیب رویے کی وجہ پوچھی۔

''کچھ نہیں۔'' مہرو نے اترے ہوئے چہرے سے جواب دیا۔

''یار جب تک بتاؤ گی نہیں کہ تمہیں کیا پریشانی ہے تو کیسے اس کا حل نکالوں گی؟'' عالیہ نے محبت سے کہا۔

''عالیہ مجھے لگتا ہے کہ میں زبردستی اس پر مسلط کی جا رہی ہوں، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے عالیہ، میں ساری زندگی اس کے ساتھ کیسے رہوں گی اگر وہ مجھے یونہی کھینچا کھینچا سا رہا تو؟'' اس کے دل کے خدشات زبان پر چلے آئے تھے۔

''اس دن جب وہ ہمارے گھر آیا تھا میں نے اس کو کسی سے فون پر بات کرتے سنا تھا، وہ جو کوئی بھی تھی شاہ اس پر بہت مہربان ہو رہا تھا، وہ اس سے کہہ رہا تھا میری جان تم فکر مت کرو میں ہوں نا، ہمیشہ ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دینے والا، اب ایسے تو کوئی اپنی محبوبہ سے ہی بات کر سکتا ہے نا؟'' مہرو کی آنکھوں کے ساتھ آواز بھی بھیگ چکی تھی، اس نے مہرو کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے گلے سے لگاتے ہوئے تسلی دی اور اس کو سمجھایا کہ سب مہمان تمہارا پوچھ رہے ہیں۔

''دلہن کہاں ہے، دلہن کہاں ہے لیکن تم اب تک تیار نہیں ہوئی۔'' عالیہ کے سمجھانے پر وہ تیار ہو گئی مگر اس کا دل یونہی اداس اور بوجھل تھا۔

''مہرو بیٹا تم ریڈی ہو؟ ہمیں حویلی کے لئے بھی نکلنا ہے بیٹا، راستہ تھوڑا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہم لوگ دیر سے پہنچیں۔'' وہ لوگ اس وقت صدیقی صاحب کے اس گھر میں موجود

تھے جہاں صدیقی صاحب کا بچپن گزرا تھا۔

''عطا محمد صاحب کی کتنی بار کالز آ چکی ہے، انکل مہرو بالکل تیار ہے آپ بس گاڑی نکالیں۔'' عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران صاحب اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

حویلی کی سجاوٹ نہایت دلکش انداز میں کی گئی تھی، درختوں اور کرسیوں کی پشت پر لٹکائی گئی رنگ برنگی پھولوں کی پوٹلیاں ماحول کو مزید چار چاند لگا رہی تھیں، داخلی دروازے پر قطاروں میں رکھی گئی خوابناک مشعلیں مہمانوں پر لازماً بہترین تاثر چھوڑ رہی تھیں اور اسٹیج کے پس منظر میں تنکوں اور شاخوں میں لگے پھولوں کا استعمال پوری سجاوٹ کو پروقار بنا رہا تھا، عالیہ اور چند لڑکیوں کے ہمراہ اسے اسٹیج تک لایا گیا، جہاں وہ دشمن جاں پہلے سے کھڑا فیصل سے کسی بات میں مصروف تھا، مہرو کو آتا دیکھ کر اس نے بالکل بھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا، وہ سفید کلر کی شلوار قمیض میں بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اس کو آج کوئی پینڈو نہیں بلکہ دنیا کا سب سے خوبصورت مرد لگ رہا تھا، وہ خاموشی سے نظریں جھکائے اس کے ہمراہ بیٹھ گئی۔

سب ایک ایک کرتے مہندی کی رسم ادا کرتے گئے اور اس نے ایک بار بھی مہرو کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، جو اس کی ایک نگاہ کی منتظر تھی، عالیہ ارحم شاہ کے ساتھ ہنسی مزاح میں مگن تھی جب وہ عالیہ سے کہہ کر اٹھ کر کمرے میں چلی آئی، اس کا وہاں بیٹھنا محال ہو رہا تھا، شاہ کی بے نیازی اسے کھائے جا رہی تھی، وہ آ کر کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہو گئی جہاں سے باہر کا منظر با آسانی دیکھا جا سکتا تھا، ڈھول کی تاپ پر ڈالے جانے والے بھنگڑے میں شاہ بھی موجود تھا۔

''تم دیکھو وہ کتنا خوش ہے کہ خود اپنی شادی پر دھمال ڈال رہا ہے۔'' عالیہ نے ہنستے ہوئے مہرو سے کہا، لیکن وہ خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی۔

مہرو کے دادا کا گھر حویلی سے کچھ ہی فاصلے پر تھا، وہ لوگ ڈرائیور کے ہمراہ گھر چلی آئیں، لیکن صدیقی صاحب اور تمام مہمان ابھی وہیں تھے، یہ سب حویلی والوں کی مرضی تھی کہ مہندی کی رسم دلہن دلہا کی ایک ساتھ ہی کی جائے۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی جب دفعتاً اس کو خیال آیا کہ جب سے وہ تیار ہوئی ہے اس نے ایک نظر بھی خود کو نہیں دیکھا، وہ اٹھ کر سنگھار میز کے سامنے آ کھڑی ہوئی، اس کی سرخ و سفید رنگت پر سیاہ نشیلی آنکھیں کسی کو بھی اپنا دیوانہ بنا سکتی تھیں، اس نے ایک ایک کرتے ہاتھ سے چوڑیاں اتار کر میز پر رکھنا شروع کیں کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ خود کو کسی کی باہوں کے گھیراؤ میں محسوس کرنے پر چیخ مارتی کسی نے مضبوطی سے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ابھی تو میں نے اپنی ہونے والی بیوی کو غور سے دیکھا بھی نہیں اور تم یہ سب اتار رہی ہو۔''

''یہ......آواز......شاہ!'' وہ چلائی تھی۔

''اف کتنا پیارا لگتا ہے تمہارے منہ سے شاہ سننا اور بھی زیادہ پیارا لگے اگر شاہ کے ساتھ جی لگ جائے تو۔'' وہ ارحم کے اس انداز پر حیران ہو رہی تھی، ارحم نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر ٹارچ آن کی۔

''آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' مہرو نے اس سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''سنا تھا تم اداس ہو، اسی لئے تمہاری اداسی دور کرنے آیا ہوں، اتنی مشکل سے سب سے چھپ کر آیا ہوں، صرف تمہاری خاطر۔'' ارحم نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کو میری اداسی کی اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟'' مہرو نے خفگی سے پوچھا۔

''جب سے تمہیں جانا ہے، میں جانتا ہوں تمہارے دل میں میری محبت کے حوالے سے بہت وسوسے ہونگے بس انہی کو دور کرنے آیا ہوں، تمہیں تو مجھ سے محبت اب ہوئی ہے مہرو اور مجھے تم سے محبت اس وقت سے ہے جب تم مجھے جانتی بھی نہیں تھی، میں نے دادا جان اور پاپا سے اکثر تمہارا ذکر سنا تھا، وہ اکثر کہتے تھے میں اپنے دوست کی بیٹی کو ہی اپنی بہو بناؤں گا اور وہ دوست کوئی اور نہیں انکل عمران ہی تھے، میرے دل میں ہمیشہ سے صرف تم ہی ہو اور تم ہی رہو گی اور عالیہ نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے مجھے کسی سے فون پر بات کرتے سنا تھا جس پر میں بہت مہربان ہو رہا تھا، تو وہ محض تمہیں تنگ کرنے کی خاطر تھا، کال پر اس دن فیصل تھا لیکن جب مجھے اندازہ ہوا کہ تم ہماری باتیں سن رہی ہو تو میں نے سوچا کیوں نہ تمہیں کچھ تنگ کیا جائے، فیصل میرے دل کے ہر راز سے ہمیشہ واقف رہا ہے اور تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہارے دل کی حالت معلوم نہیں تھی، مجھے سب خبر تھی، میں تو بس تمہیں تنگ کرنے کی خاطر اپنی بے نیازی دکھا رہا تھا، آخر ایسی نک چڑھی بیوی نے ساری عمر مجھے تنگ کرنا ہے تو کیا میں کچھ دن اسے چھیڑ نہیں سکتا تھا۔'' شاہ نے شرارت سے اس کی ناک کھینچتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا اٹھی، ارحم شاہ اسے پہلی بار یوں کھلکھلا کر ہنستے دیکھ رہا تھا، وہ دونوں محو گفتگو تھے جب دروازے پر آہٹ ہوئی شاید کوئی کمرے میں آ رہا تھا، وہ جلدی سے اس سے اجازت طلب کرتا ہوا کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا، ارحم کے جاتے ہی لائٹ بھی آ گئی، وہ سمجھ گئی لائٹ گئی نہیں بلکہ بھیجی گئی تھی۔

''مہرو کمرے میں کوئی تھا کیا؟'' عالیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' مہرو نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو یہ ارحم کی آواز شاید ویسے ہی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔'' عالیہ کے لہجے میں شرارت اتر آئی۔

''عالیہ تم بھی نا۔'' مہرو مسکرائی تھی۔

''اوہو...... مطلب جناب آ کر ساری ناراضگیاں ختم کر گئے ہیں۔''

''ہاں۔''

''چلو یہ مسئلہ بھی حل ہوا، اب کل برات کی تمہاری تصویریں تو اچھی آئیں گی، ورنہ آج والی تو بس ایسی ہی آئی ہیں، جیسے تمہیں زبردستی کسی نے اسٹیج پر بٹھا دیا ہو۔'' عالیہ نے اپنے سیل میں اس کی تصویریں دیکھتے ہوئے کہا۔

''دکھاؤ تو۔'' مہرو اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر تصویریں دیکھنے لگی تو عالیہ نے رب کا شکر ادا کیا کہ اس کی عزیز جان دوست اب خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ہلکے کریم اور گولڈن رنگ کے لہنگے میں ملبوس نیچرل میک اپ کئے بہت پرکشش لگ رہی تھی، وہ گھونگھٹ میں نظریں جھکائے بیڈ پر بیٹھی تھی جب اس نے ہولے سے نگاہیں اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا۔

دروازے پر دستک دیتا ارحم اندر داخل ہوا تو اس نے فوراً نظریں جھکا لیں، وہ قدم بڑھاتا ہوا

اس کے قریب آ کر بیٹھا تو مہرو کی گھنی لمبی پلکوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ کس قدر کنفیوژ ہو رہی ہے۔

''ویسے مہرو تم پہلی بار اتنی پیاری لگ رہی ہو۔'' مہرو نے شاہ کی بات پر نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے مدھم لہجے میں بولی۔

''مطلب یہ کے اس میں تمہارا نہیں میک اپ کا کمال ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا، مہرو نے پاس پڑا تکیہ اس کو مارنے کے لئے اٹھایا ہی تھا کہ اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ارے یار مذاق کر رہا ہوں، ایک تو تم مارنے مرانے پر بہت جلد اتر آتی ہو۔'' وہ اس کو تنگ کرنے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔

''تو تم مار کھانے والے کام ہی مت کیا کرو۔'' مہرو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اب تم مجھے تم نہیں صرف آپ کہا کرو، ذرا عزت سے مخاطب کیا کرو، تمہارا شوہر ہوں۔''

''تو تم بھی مجھے تم نہیں آپ کہا کرو، تمہاری بیوی ہوں۔'' وہ دونوں پھر لڑنے بیٹھے گئے تھے۔

''تم مجھے شاہ جی کہا کرو، میں تمہیں جان جی کہا کروں گا۔'' اس کی بات پر مہرو بے اختیار قہقہہ لگاتی ہوئی ہنس دی۔

''نہیں آپ مجھے جان جی نہیں صرف مہرو کہیں گے پھر بھی چلے گا۔''

''تم ہنستی ہوئی بہت پیاری لگتی ہو۔'' ارحم نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مہرو میں محبت میں دعوے کرنا تو نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو، تمہارا ساتھ پانے کے لئے میں نے بہت انتظار کیا ہے اور میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں کبھی کوئی دکھ نہ دوں، میں ہمیشہ سے تمہاری محبت کا منتظر تھا، میں سوچتا تھا جیسے میں تمہارے لئے سوچتا ہوں نہ جانے تم بھی سوچتی ہو گی کہ نہیں اور پہلی بار جب تمہیں ملا تو مجھے محسوس ہوا جیسے تم کبھی مجھے مل ہی نہ سکو گی، تمہارا رویہ ہی ایسا تھا تب، لیکن دوسری بار چند منٹ کی گفتگو مجھے محسوس کروا گئی تھی کہ میں لندن اس بار تنہا نہیں بلکہ تمہاری محبت ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنے دل کا حال بیان کر رہا تھا اور وہ خاموش اس پر نظریں جمائے اس کو سنتی جا رہی تھی۔

''لیکن جب مجھے یقین ہو گیا کہ صرف میری ہی نہیں بلکہ تمہاری محبت بھی میری منتظر ہے تو پھر میں نے سوچا کیوں نہ تمہیں تھوڑا تنگ کیا جائے، میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے نا، اس کے لئے سوری۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑتے ہوئے معصومیت سے بولا تو مہرو اس کے انداز پر مسکرا دی۔

صرف مہرو کی نہیں، بلکہ دونوں کی محبت ایک دوسرے کی منتظر تھی اور اب دونوں ایک دوسرے کا ساتھ پا کر بہت خوش اور پرسکون نظر آ رہے تھے۔

جب دل میں اضطرابی ہو
یادوں کی روانی ہو
تو سمجھ لینا محبت منتظر ہو گی
جب آنکھوں میں نمی ہو
لبوں پہ ہنسی ہو
تو سمجھ لینا محبت منتظر ہو گی
جب دھنک کے رنگ بکھرے ہوں
اور لہجے بھی نکھرے نکھرے ہوں
تو سمجھ لینا محبت منتظر ہو گی

☆☆☆

یقین کی ڈور
وجیہہ بخاری
Saba

''ارے یہ تمہارا شوہر!'' دانیہ نے دیوار پر لگی فل سائز کی تصویر کو دیکھ کر چیخ نما آواز میں پوچھا۔

''ہاں یہ ہی ہے میرا شوہر کیوں کیا ہوا، اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔'' عروہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہاری اس سے شادی کیسے ہوگئی میرا مطلب تم دونوں کا رشتہ کیسے ہوا؟'' دانیہ نے انداز کو نارمل رکھنے کی بھرپور کوشش کی وہ الگ بات ہے کہ تصویر کو دیکھتے ہی اس کے اندر طوفان سا برپا ہو گیا تھا۔

''لو یار! یہ تم کس طرح کے عجیب سوال کر رہی ہو، تیمور میرے خالہ زاد ہیں اور یہ رشتہ سب بڑوں کی مرضی سے ہوا ہے۔'' عروہ کو اس کے سوالات پر بہت حیرت ہوئی۔

''اوہ آئی سی۔'' دانیہ نے اپنے اندر کے طوفان پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''او کے چلو اب میں کل آؤں گی تم سے ملنے اس وقت مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔'' دانیہ نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی کیونکہ اس کے اندر کی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی، اس کو رہ رہ کر اپنی ذلت یاد آ رہی تھی۔

''ارے ایسے کیسے کچھ کھا پی کر جاؤ، ابھی تو تم آئی ہو۔'' عروہ کو فوراً آداب میزبانی یاد آئے۔

''نہیں عروہ پھر آؤں گی ابھی مجھے جانا ہے۔'' اتنا کہہ کر دانیہ نے پرس اٹھایا اور ٹھک ٹھک کرتی وہاں سے چلی گئی، پیچھے عروہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

دانیہ کون سا اس کی جگری دوست تھی کہ اس کو دانیہ کے ایسے جانے کا دکھ ہوتا، دانیہ کسی زمانے میں عروہ کی کلاس فیلو رہی تھی، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی بہت زیادہ دوستی نہیں تھی، دو دن پہلے مارکیٹ میں کافی عرصے بعد ملیں تو عروہ نے اس کو گھر آنے کی دعوت دے دی تھی لیکن دانیہ کا موڈ دیوار پر لگی تصویر دیکھ کر اچھا خاصا خراب ہو گیا تھا اس لئے وہ وہاں نہیں رکی اور وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی لیکن جاتے جاتے بہت کچھ سوچ سمجھ لیا تھا اس نے جس سے عروہ بالکل بے خبر تھی۔

☆☆☆

''یار میں حیران ہوں تم نے اس بندے سے شادی کر کیسے لی۔'' دانیہ نے حیرت سے پوچھا، عروہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تیمور کو آفس بھیج کر ناشتہ کر کے فارغ ہوئی تھی، کام والی آ کر اپنا کام کر رہی تھی تب ہی دانیہ آ گئی، عروہ کو حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ کل دوبارہ آنے کا کہہ کر گئی تھی۔

''پہلے تم مجھے ایک بات بتاؤ کل بھی تم اتنے عجیب عجیب سوال کر رہی تھی اور آج بھی آخر مسئلہ کیا ہے؟'' عروہ اس کے ان سوالوں سے زچ ہو گئی تھی، اس لئے لہجے کی ناگواری نہ چھپا سکی، عروہ کی اس بات پر دانیہ نے قہقہہ لگایا جس پر عروہ نے اس کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے سامنے کوئی پاگل ہو۔

''اچھا تم میرے لئے چائے بنا کر لاؤ پھر بتاؤں گی سب۔'' دانیہ نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا جواباً عروہ بھی مسکرا کر کچن کی طرف چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد چائے اور ساتھ کچھ لوازمات لے کر آئی۔

''عروہ ڈارلنگ! اس کو خوش قسمتی کہو یا بد قسمتی میں تمہارے تیمور کی یونیورسٹی میں کلاس فیلو رہ چکی ہوں۔'' دانیہ نے فخر سے بتایا۔

''کیا؟'' عروہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''یہ تو بڑا اچھا اتفاق ہے تمہیں نہیں پتا مجھے بھی شوق تھا یونیورسٹی پڑھنے کا لیکن بس حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ کالج کے بعد مجھے پڑھائی کو خیر باد کہنا پڑا۔'' عروہ نے دکھ سے کہا۔

''بہت اچھا ہوا تم یونیورسٹی نہیں گئی، اگر جاتی تو اسی یونی جاتی جہاں تیمور تھا اور اگر تم وہاں جاتی نہ تو آج یہاں تیمور کی بیوی بن کر نہ بیٹھی ہوتی۔'' دانیہ نے لہجے کو ہر ممکن حد تک نارمل اور پراسرار رکھا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' عروہ ٹھٹکی۔

''مطلب بڑا واضح ہے تمہارا شوہر یونی کا المشہور بلکہ بدنام سٹوڈنٹ رہ چکا ہے۔'' دانیہ نے یہ بات کہہ کر عروہ کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا جو کہ بالکل اس کی توقع کے عین مطابق تھے۔

''میرا خیال ہے شادی سے پہلے تمہاری اور تیمور کی کوئی اچھی انڈرسٹینڈنگ نہیں تھی کیونکہ تمہارا یہ ہونق چہرہ تو کچھ ایسی ہی داستان سنا رہا ہے۔'' دانیہ نے اس کی شکل دیکھ کر ہوا میں تیر چلایا۔

''ہاں کزنز کی حیثیت سے بس تھوڑی بہت بات چیت تھی اور یہ رشتہ بھی بڑوں کی مرضی سے ہوا جس کو میں نے دل سے قبول کیا تھا۔'' عروہ نے اس کی بات کی تصدیق کی۔

''میری جان تم نے اپنے گھر والوں کی مرضی کو دل سے قبول کیا لیکن تیمور کے دل کی تو مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی، ایک زمانہ تھا، جب وہ میرے پیچھے پڑا تھا اور پھر اس نے مجھے پرپوز کیا تھا میں نے صاف انکار کر دیا تھا کیونکہ میرے خاندان میں یہ روایت ہے کہ فیملی سے باہر شادی نہیں کرتے اس کے بعد بھی تیمور نے بہت سی لڑکیوں پر ٹرائیاں ماریں لیکن کیونکہ وہ بدنام تھا اس لئے کوئی لڑکی زیادہ اس کو لفٹ نہیں کرواتی تھی۔'' دانیہ بس اپنی کی ہانکے چلے جارہی تھی اس سے بے نیاز کے عروہ کی کیا حالت تھی، عروہ کا اس وقت وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''اور آخر میں حیرت اس بات پر ہو رہی ہے کہ شادی کی تو تم سے، جب گھر والوں کی مرضی سے کرنی تھی تو یہ ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' دانیہ نے مزید اضافہ کیا۔

''لیکن تیمور بدنام کیوں تھے؟'' عروہ کی آواز جیسے کسی گہری کھائی سے آرہی تھی۔

''بس وہی لڑکوں والی عادت، لڑکیوں پر فقرے کسنا، ہلڑ بازی پڑھائی کے بجائے ٹیچرز کو تنگ کرنا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اس سے شکایات تھیں......'' دانیہ نے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔

''لیکن......!'' عروہ نے جیسے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی زبان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

''بھئی میں تمہاری دوست ہوں جو سچ تھا میں نے تمہیں بتا دیا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب یہ نہیں کہ میں تم دونوں کے تعلقات خراب کرنا چاہتی ہوں، ہوسکتا ہے تیمور اب بہت بدل گیا ہو۔'' دانیہ نے جیسے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔

''یار پلیز تم مجھے غلط مت سمجھنا۔'' دانیہ نے مزید کہا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

''ارے نہیں یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' عروہ نے زبردستی مسکرا کر اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھایا یہ الگ بات ہے کہ اس کا دل جیسے چکنا چور ہو چکا تھا، اس نے تو کبھی سوچا نہ تھا کہ تیمور بھی کسی زمانے میں ایسا بھی رہا ہوگا، اس کے بعد دانیہ کیا کہتی رہی عروہ نے تو جیسے سنا ہی نہیں، اس

کا دل ایک دم بجھ سا گیا تھا، ابھی تو ان کی شادی کو تین ماہ ہی ہوئے تھے اور یہ سب۔

☆☆☆

''یار عروہ پلیز تم میری یہ شرٹ استری کر دو جلدی سے میں اتنی دیر میں آملیٹ کو دیکھ لیتا ہوں، تمہیں تو پتہ ہے کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں تمہارے ساتھ بس یہ استری کرنا مجھے بڑا زہر لگتا ہے۔'' تیمور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی اچھا میں کر دیتی ہوں۔'' عروہ شرٹ لے کر اندر چلی گئی لیکن دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی کہ اس کو کل کیوں خیال نہ آیا، کل سے اس کی حالت بہت عجیب تھی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی دانیہ کی باتوں کو سوچ رہی تھی، تیمور کو وہ جانتی ہی کتنا تھی کہ وہ دانیہ کی باتوں کی تردید کرتی، شادی سے پہلے وہ کسی کے ساتھ اتنا گھلتی ملتی نہیں تھی، کہ وہ کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتی، گھر والوں نے تیمور سے شادی کر دی تو اس نے دل سے یہ رشتہ قبول کیا لیکن یہ سب کیا تھا جو کل اس کو دانیہ بتا کر گئی تھی، شادی کے بعد تیمور کے ساتھ ہی وہ اسلام آباد رہنے آ گئی تھی اور تیمور کے گھر والوں نے بھی اس کی بیوی کو اس کے ساتھ ہی بھیج دیا تھا، یہاں وہ سارا دن زیادہ تر فارغ ہی ہوتی تھی۔

''عروہ! یار تمہارا دھیان کہاں ہے یہ دیکھو میری شرٹ جلا دی تم نے۔'' تیمور نے فوراً استری بند کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ سوری مجھے سچ میں پتہ نہیں چلا۔'' عروہ نے سر جھکا لیا۔

''عروہ ادھر میری طرف دیکھو، میں کل سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ پریشان ہو کیا ہوا کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔'' تیمور نے اس کو دونوں کاندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اتنے میں تیمور کا فون چیخ اٹھا۔

''ہاں بولو آمنہ کیا بات ہے۔'' یہ کہتے ہوئے تیمور باہر چلا گیا، جس پر عروہ کے آنسو بھل بھل بہنے لگے، تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں داخل ہوا۔

''عروہ تمہیں ہوا کیا ہے مجھے بتاؤ کل سے پریشان ہو اور اب رو کیوں رہی ہو؟'' تیمور نے حیرت سے اس کو روتے ہوئے دیکھا۔

''یہ آمنہ کون ہے آپ کو کیوں فون کیا تھا اس نے؟'' عروہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''ارے کولیگ ہے میری آفس کے سلسلے میں بات کرنی تھی اس لئے فون کیا تھا کیوں تم جیلس ہو رہی ہو کیا؟'' تیمور نے شرارت سے کہتے اس کے بالوں کو بکھیر دیا۔

''میں کیوں جیلس ہوں گی مجھے پتہ ہے آپ کی تو عادت ہے نئی نئی لڑکیوں سے دوستیاں کرنے کی اور پھر بعد میں ان کو پرپوز بھی کرنے کی۔'' عروہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے جس پر تیمور کی ہنسی اک دم غائب ہو گئی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔'' تیمور نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا کیونکہ یہ ڈائریکٹ اس کی ذات پر حملہ تھا۔

''میں بکواس نہیں کر رہی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میں تو آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی، لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے بارے میں اتنی جلدی اچھی رائے قائم کر لی تھی۔'' عروہ نے جیسے اپنے آپ کو ملامت کیا۔

''کیسا نہیں سمجھا تھا تم نے مجھے ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔'' تیمور نے بڑی گہری نظروں سے اس کو دیکھا اس لڑکی کو تو تیمور نے دل سے چاہا

تھا، اس کی معصومیت سے پیار کیا تھا لیکن یہ اس کا کون سا روپ تھا۔

''آپ کو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' عروہ نے جلدی سے دوسری شرٹ نکال کر استری کر کے اس کو تھمائی۔

''ہاں میں جا رہا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا آئندہ اگر اس طرح کی الزام تراشی کی نہ تو میں بہت برا پیش آؤں گا تم میری نرمی اور پیار کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔'' تیمور نے سنجیدگی سے کہا اور تیار ہونے چلا گیا، عروہ نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا، دلوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔

☆☆☆

تیمور آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا تھا، آج اس کو گھر آنے میں دیر ہو گئی تھی، سارے دن کی مصروفیات میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ آج وہ عروہ سے لڑ کر گھر سے گیا تھا، اس نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کو منا لے گا آخر وہ اس کی محبوب بیوی جو تھی، تیمور جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا وہ فوراً آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سوتی بن گئی، تیمور اس کی یہ حرکت نوٹ کر چکا تھا آہستگی سے مسکرا دیا۔

''عروہ مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی چلو اٹھو اور مجھے کھانا لا کر دو قسم سے بہت بھوک لگی ہے۔'' تیمور نے مسکرا کر کہا۔

عروہ کو چار و ناچار اٹھنا پڑا وہ بیڈ سے اٹھنے لگی تیمور نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس نے پیچھے مڑ کر پہلے اپنے ہاتھ کو اور پھر تیمور کو دیکھا۔

''ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟ سوری میری جان پلیز ناراض مت ہو۔'' تیمور نے معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ لیے۔

''آپ اتنی دیر سے کیوں آئے ہیں؟'' عروہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جب گھر میں ناراض بیوی موجود ہو تو کس کا دل کرتا ہے گھر آنے کا۔'' تیمور نے اپنی دانست میں اسے چھیڑا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے جس کے ساتھ ابھی تک تھے اسی کے ساتھ رہ لیتے گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' عروہ کا موڈ اچھا ہوتے ہوئے پھر خراب ہو چکا تھا۔

''عروہ میں کل سے برداشت کر رہا ہوں تمہارا یہ رویہ جس کی مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی تم میرے کردار پر شک کر رہی ہو جو کہ میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔'' تیمور نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اس کا موڈ بھی اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا۔

''میں کردار پر شک نہیں کر رہی میں نے جو کہا وہ ٹھیک کہا، سچ برداشت نہیں ہوتا نہ آپ سے تب ہی ہتھے سے اکھڑ جاتے ہیں۔'' عروہ نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''خیر تم نے جو سمجھنا ہے سمجھو میں اس وقت بحث کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں، جاؤ جا کر مجھے کھانا لا کر دو۔'' تیمور یہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا، پیچھے عروہ بے بسی سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

تیمور صبح خود ہی جلدی اٹھا اور تیار ہو کر آفس چلا گیا، اس کا موڈ ہی اتنا خراب تھا کہ اس نے عروہ کو اٹھایا نہ ہی ناشتہ کیا، عروہ کی جب آنکھ کھلی تو گھڑی دس بجا رہی تھی، ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی اور سرد آہ کھینچ کر رہ گئی کیونکہ تیمور جا چکا تھا، اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر اپنا ناشتہ بنا ہی رہی تھی کہ دانیہ ٹپک پڑی، دانیہ کے ساتھ ٹائم گزار کر اس کو اچھا لگنے لگا

تھا کیونکہ وہ دانیہ ہی تھی کہ جس نے عروہ کو تیمور کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا اپنی الجھنوں میں الجھ الجھ کر اس نے دانیہ سے اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے آج کل اس کا شوہر کیا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، دانیہ نے پہلے ہی دن اس کو تیمور کی اصلیت سے آگاہ کر دیا تھا سو وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''ہیلو سوئیٹ ہارٹ کیسی ہو تم؟'' دانیہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جیسے وہاں کچھ تلاش کرنا چاہا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟'' عروہ نے مری ہوئی آواز میں کہا، عروہ کا پریشان چہرہ سوجی ہوئی آنکھیں نہ جانے کیوں دانیہ کو پرسکون کر گئیں۔

''میں تو فٹ فاٹ خوش باش۔'' دانیہ نے اپنے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''گڈ اچھا تم لاؤنج میں بیٹھو میں تمہارے لئے بھی ناشتہ لے کر آتی ہوں۔'' عروہ نے کہا۔

''ہاں ضرور میں بھی آج گھر سے یہ ہی سوچ کر آئی تھی کہ ہم ایک ساتھ ناشتہ کریں گے۔'' دانیہ نے خوشی سے کہا اور کچن سے نکل گئی، عروہ تھوڑی دیر بعد ناشتے کی ٹرے سمیت لاؤنج کی طرف بڑھی۔

''ہاں مسٹر تیمور تم نے مجھے ٹھکرا کر پتہ نہیں کون سا بدلہ لیا تھا لیکن ہاں اب میں تم سے اس بات کا بدلہ لوں گی، تمہاری بیوی کے دل میں اتنا زہر بھر دوں گی کہ وہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھے گی تم نے بہت ہلکا لیا تھا نہ مجھے، سب کے سامنے مجھے ٹھکرا دیا تھا، میں نے بھی عروہ کو وہ وہ باتیں بتائی ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گی۔'' تیمور کی تصویر کے سامنے کھڑی وہ یہ باتیں کہتے ہوئے ہلکا سا مسکرا دی، عروہ جو ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی اس کا اپنے قدموں پہ کھڑے رہنا مشکل ہو گیا وہ فوراً الٹے قدموں واپس پلٹی، کچن میں جا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی فوراً پانی کا گلاس اپنے اندر ایسے اتارا جیسے صدیوں کی پیاسی ہو۔

''یہ کیا کر دیا میں نے، ایک ایسی لڑکی کی باتوں میں آ گئی جس کو میں زیادہ جانتی بھی نہ تھی۔'' عروہ جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی اس کے گالوں پر آنسو بہنے لگے، اس نے فوراً خود کو کمپوز کیا اور خود کو نارمل کرتی باہر کی طرف بڑھ گئی، کیونکہ وہ دانیہ کے سامنے اپنا آپ کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی، دانیہ کا اس کے ساتھ رشتہ ہی کیا تھا کہ وہ خود کو کھول کر اس کے سامنے رکھتی، دانیہ نے اپنی ذلت کا بدلہ کس طریقے سے لیا وہ تو تیمور سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ رہی، اس نے ایک لڑکی کی باتوں میں آ کر اپنے شوہر کے کردار پر شک کیا، اس کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا، لیکن فی الحال اس کو خود کو نارمل ہی رکھنا تھا۔

☆☆☆

آج چھٹی کا دن تھا عروہ گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے نتھنوں سے تیز خوشبو ٹکرائی، اس نے سامنے دیکھا تو تیمور نک سک سے تیار کھڑا تھا، اس نے بے ساختہ نظر چرائی اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' عروہ نے آہستگی سے پوچھا۔

''تمہیں اس سے کیا میں کہیں جاؤں یا گھر رہوں اور ہاں میں جا رہا ہوں اسی کے پاس جس کی وجہ سے میں اکثر رات کو دیر سے گھر آتا ہوں۔'' تیمور نے اس کی بات اسی کو لوٹائی، عروہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

''آج چھٹی کا دن ہے آج تو گھر میں میرے ساتھ رہیں۔'' عروہ منمنائی۔

''ہاں تمہارے ساتھ رہوں تاکہ تم بار بار میرے کردار پر حملے کرتی رہو، لیکن میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔'' تیمور نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا جو اس نے تیمور کے کندھے پر رکھا تھا۔

''تیمور میری بات......'' عروہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''بس پلیز میرا موڈ خراب مت کرنا میں دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں، رات کو آنے میں دیر ہو جائے گی تم کھانا کھا کر سو جانا اللہ حافظ۔'' تیمور نے اس کی بات کاٹ کر اپنی تقریر جھاڑی اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہی یہ جا وہ جا، اس کے نکلتے ہی عروہ نے بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا، تیمور نے اس کے رونے کی آواز سن لی تھی لیکن وہ اپنی انا کے ہاتھوں مجبور تھا، جو کہ عروہ نے مجروح کی تھی، اس لئے دل کو ڈپٹتے ہوئے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

عروہ جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی، اب تو ٹانگیں بھی شل ہونے لگی تھیں، وہ بے چینی سے تیمور کا انتظار کر رہی تھی، عروہ بہت شرمندہ تھی اس نے دانیہ کی باتوں کو کیوں سنجیدہ لیا، دانیہ کی باتیں جو اس نے اس کی لاعلمی میں سنی تھیں اس سے عروہ کو اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ باتیں سچ نہیں جو دانیہ نے بتائیں اور اگر بالفرض سچ بھی ہوتیں تو عروہ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنے شوہر کے ماضی کو لے کر اپنا حال خراب کرتی، اس کو اپنے شوہر کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا، وہ خود چار ماہ سے تیمور کے ساتھ تھی لیکن اس نے تیمور کی ذات میں ایسی کوئی بات نہ دیکھی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ یہ سوچ لیتی کہ تیمور ماضی میں ایک برا انسان رہا ہوگا، عروہ تھک کر صوفے پر بیٹھ گئی اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا، اس نے بہت چھوٹی بات کو بنیاد بنا کر تیمور کی ذات پر کئی بار حملے کیے، وہ مرد تھا آخر کب تک برداشت کرتا، مرد یہ بات کبھی برداشت نہیں کرتا کہ ایک عورت اس کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے اور اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو پھر وہ مردانگی پر اتر آتا ہے۔

عروہ نے سوچ لیا تھا وہ تیمور کو سب بتا کر منا لے گی اس سے پہلے کہ معاملہ اور بگڑتا عروہ کو پہل کرنی تھی، کیونکہ وہ ایک مشرقی لڑکی تھی جس کے لئے شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

''تم اب تک جاگ رہی ہو؟'' تیمور گھر میں داخل ہوا تو لاؤنج میں صوفے پر اپنا سر ہاتھوں میں لئے بیٹھی عروہ کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا لیکن اپنے اوپر فوراً بے نیازی کی چادر اوڑھ لی اور کمرے میں بڑھنے لگا، عروہ کے دل میں نہ جانے کیا سمائی فوراً تیمور کے آگے جا کر ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو گئی۔

''میں آپ کو کہیں نہیں جانے دونگی پہلے مجھے معاف کریں پھر۔'' عروہ کے اس بچکانہ انداز پر تیمور نے بڑی مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا اور نظریں جھکا کر اپنی ریسٹ واچ اتارنے لگا۔

''سوری میری جان پلیز ناراض مت ہو۔'' عروہ نے اسی کا انداز اس کو لوٹایا، تیمور پر تو جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی، لیکن ابھی اس کو مزید تنگ کرنا تھا۔

''ہٹو پیچھے۔'' تیمور نے گھور کر سامنے کھڑی عروہ کو دیکھا جو بہت ہی معصومیت سے اپنے کانوں کو ہاتھوں سے پکڑے امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نہیں ہٹوں گی جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گے میں نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ میں کھاؤں گی۔'' یہ کہتے ہی عروہ نے رونا شروع کر دیا۔

''تو نہ کھاؤ کھانا میں تو بہت مزے کا کھانا کھا کر آیا ہوں اسی کے ساتھ۔'' تیمور نے دل جلانے والی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور آگے بڑھنے لگا۔

''تیمور پلیز مجھے معاف کر دیں میں دانیہ کی باتوں میں آ گئی تھی، آپ کو خدا کا واسطہ ہے مجھے معاف کر دیں۔'' عروہ پھر سے اس کے راستے کی دیوار بن گئی۔

''کون دانیہ؟'' تیمور ساری شرارت بھول گیا، اس کو پکڑ کر صوفے پر اپنے ساتھ بٹھایا، جواباً عروہ نے دانیہ سے ملاقات سے لے کر دانیہ کی باتیں سننے تک ساری بات تیمور کو بتا دی اور شرمندگی سے سر جھکا لیا جیسے کوئی چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

''اوہ میرے خدایا۔'' تیمور پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔

''یہ دانیہ نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے، سکون سے مجھے جینے نہیں دینا اور تم...... کتنی بے وقوف ہو ویسے میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔'' تیمور کو حقیقتاً دکھ ہوا۔

''تم اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسروں پر یقین کیسے کر سکتی ہو؟ پہلے تو شاید میں تمہیں معاف کر دیتا لیکن اب میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' تیمور نے اپنی دانست میں اسے تنگ کیا، لیکن عروہ نے پھر زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

''اف میرے خدایا، ایک تو تم لڑکیاں بات بات پر پتہ نہیں کیسے اتنے آنسو بہا لیتی ہو۔'' تیمور نے زچ ہو کر کہا۔

''میں ایسے ہی روتی رہوں گی جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گے۔'' عروہ نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھا میری جان چپ کر جاؤ۔'' تیمور نے اس کا ہاتھ تھام لیا، تیمور کی نرمی پر عروہ کو حوصلہ ہوا۔

''اچھا آپ مجھے بتائیں یہ دانیہ والا کیا معاملہ ہے؟'' عروہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''معاملہ کیا ہونا ہے یار تمہارا شوہر ہے ہی اتنا ہینڈسم کہ لڑکیاں خود آ کر پرپوز کرتی تھیں۔'' تیمور ضرورت سے زیادہ شوخا ہوا۔

''زیادہ بنے مت، اب اتنے بھی ہینڈسم نہیں ہیں آپ۔'' عروہ نے مذاق اڑایا۔

''ہاں تب ہی صبح جب میں تیار ہو رہا تھا تو چور نظروں سے مجھے دیکھا جا رہا تھا۔'' تیمور نے شرارت سے اس کے بالوں کو چھوا۔

''بات کو زیادہ گھمائیں مت، مجھے بتائیں دانیہ کا کیا معاملہ تھا۔'' عروہ نے منہ بسور کر کہا۔

''اس الو کی پٹھی نے یونیورسٹی میں میرا جینا محال کر دیا تھا، مجھے پوری کلاس کے سامنے پرپوز کیا اور میں صدا کا ٹھہرا مشرقی لڑکا میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں اس مشرقی لڑکی سے پیار کرتا تھا۔'' تیمور نے شرارت سے کہہ کر عروہ کے سر پر چپت لگائی، جواباً عروہ اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

''بس پھر کیا تھا اس نے وہاں میرا رہنا محال کر دیا مجھے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، میرے ناک میں دم کر کے رکھ دیا تھا اس نے اور میں بالکل چپ رہا کیونکہ نہ مجھے اس کی ذات میں دلچسپی تھی نہ اس کی حرکتوں میں، مجھے تو بس آپ کی ذات میں دلچسپی تھی جس کا اظہار میں

امی کے آگے بہت پہلے کر چکا تھا۔'' تیمور نے آخری جملہ شرارت سے کہا، عروہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی، کہ وہ کتنا غلط سمجھ بیٹھی تھی نا اپنے شوہر کے بارے میں۔

''اس دانیہ کو تو میں اچھے سے پوچھوں گا میری معصوم بیوی کو ورغلا رہی ہے، ٹھیک ہے یار کہ شادی سے پہلے ہم دونوں کوئی دھواں دھار عشق نہیں تھا تم تو بہت ہی شرمیلی سی لڑکی تھی کبھی لفٹ نہیں کروائی تھی، لیکن مابدولت نے تو شعور آتے ہی سوچ لیا تھا کہ بھئی شادی کرنی ہے تو صرف تم سے۔'' تیمور نے مسکرا کر کہا۔

''تیمور آپ بہت اچھے ہیں پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' عروہ ساری بات سن کر بہت زیادہ شرمندہ تھی۔

''اللہ اللہ کہاں وہ دھونس بھرا انداز کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی ایسے ہی روتی رہوں گی اور کہاں یہ معصومانہ التجاء کہ انداز، اس سادگی پر کون نہ قربان ہو جائے۔'' تیمور نے بات کے آخر میں قہقہہ لگایا، عروہ بھی مسکرانے پر مجبور ہوگئی۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا نا۔'' عروہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''جی میری جان کر دیا معاف کیا یاد کرو گی کس سخی سے پالا پڑا تھا۔'' تیمور نے کالر جھاڑے اور مسکرا دیا، پھر سنجیدگی سے بولا۔

''عروہ میری بات سنو، کبھی میرے کردار پر شک نہ کرنا میں کبھی بھی تمہارے ساتھ بے وفائی کا نہیں سوچ سکتا، میری پہلی اور آخری محبت تم تھی اور تم ہی رہو گی، میں آج تمہیں یقین کی ڈور تھما رہا ہوں، اس ڈور کو تھام لو اور یقین رکھو کہ میں تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا اور اس بات کا بھی یقین رکھو کہ تمہارا شوہر کبھی بھی برا انسان نہیں رہا، میرے والدین نے میری تربیت ایسی نہیں کی جس طرح تم مجھے سمجھ رہی تھی۔'' تیمور نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے آج کے بعد آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' عروہ نے سر جھکا کر کہا۔

''اچھا اچھا بس اب اتنی معصوم شکل نہ بناؤ قسم سے سیدھا دل میں اترتی جا رہی ہو۔'' تیمور نے کان کھجا کر شرارت سے عروہ کو دیکھا اور وہ مسکرا دی اور عروہ نے آسودہ ہو کر تیمور کے کندھے پر سر ٹکا لیا۔

''اچھا ایک شعر ابھی ابھی میرے ذہن میں آیا ہے، سنو گی؟'' تیمور نے کہا۔

''جی سنائیں نا۔'' عروہ نے جواب دیا۔

بس اتنا یقین رکھنا اے میری جان جاں
تمہارا ہوں تمہارا تھا اور تمہارا رہوں گا

تیمور نے اپنے اظہار کو بے تکے شعر کی شکل میں بیان کیا جس پر عروہ زور سے ہنس دی، تیمور نے عروہ کی ہنسی کو دل سے محسوس کیا جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

آسیہ مظہر چوہدری

"سنا ہے پرسوں زین چچا کا چھوٹا بیٹا زارون لندن سے آرہا ہے۔" وہ تینوں اس وقت اپنے مشترکہ کمرے میں بیٹھیں ہوئی تھیں، جب عالیہ نے ایک دھماکہ خیز خبران کے گوش گزار کی تھی۔

"کیا؟ کب؟" ثانیہ نے حسب خلاف اپنی چیخ کا گلہ گھونٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بتا تو رہی ہے، پرسوں، پر اب اس میں قصور تمہارا بھی نہیں، تم شروع سے ہی آدھی بات سنتی ہو۔" وہ بیزاری سے ڈائجسٹ پرے رکھ کر بولی تھی۔

"عبیدہ تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی سن کر۔" عالیہ نے اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگاتے پوچھا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"خوشی، کیسی خوشی؟ میں عبیدہ وقار ہوں جو چھوٹی موٹی خوشیوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتی۔" غرور اس کے انگ انگ سے چھلک رہا تھا، عالیہ نے فی الوقت اس کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"چلو ثانیہ باہر چل کر صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔" وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکل گئیں، جبکہ عبیدہ نے دوبارہ منہ ڈائجسٹ میں دے لیا تھا۔

"پاگل لڑکیاں۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر دوبارہ ڈائجسٹ پڑھنے میں مشغول ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وقار علی اور زین علی دو ہی بھائی تھے، وقار جب بارہ سال کے ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا، زین اس وقت تقریباً سات برس کا تھا، اس لئے بڑھنے ہونے کے ناطے گھر باہر کی ساری ذمہ داری وقار کے کندھوں پر آ گئی، والدہ بھی شوہر کے جانے کے بعد جلد ہی دل کے عارضے میں مبتلا ہو کر بستر سے لگ گئی تھیں، وقار علی اپنے چھوٹے بھائی سے بے حد پیار کرتے تھے، پڑھائی مکمل کر کے ایک اچھی جگہ جاب ملی تو والدہ لگے ہاتھوں اپنی بھانجی بیاہ لائیں، زین اس وقت بی کام کے آخری سال میں تھا، کبریٰ ایک اچھی اور ذمہ دار بہو ثابت ہوئی اور گھر کا سارا کام جلد ہی بااحسن طریقے سے سنبھال لیا تھا۔

گھر اور شوہر کے ساتھ بیمار ساس کی بھی دل و جان سے خدمت کی ساس ہر وقت اسے دعائیں دیتیں اور شادی کے دو سال بعد جب پہلی اولاد عالیہ ان کے گھر آئی تو پوتی کو دیکھ کر شمع بیگم ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند گئیں، شاید زندگی کی سانسیں اس لئے ہی بچی تھیں۔

کہ وہ اپنے خدمت گزار بیٹے کی پہلی اولاد کو دیکھتی، زین ماں کے مرنے سے بالکل ٹوٹ کر رہ گیا تھا، ایسے کڑے وقت میں ایک مرتبہ پھر وقار نے اپنے سینے سے اسے لگا لیا، حالانکہ خود ان کا حال بھی قطعی زین سے مختلف نہ تھا، مگر موت برحق تھی، اس لئے اللہ کی رضا جان کر صبر کر کے رہ گئے تھے۔

شمع بیگم کے چالیسویں کے دو دن بعد زین

اسٹڈی ویزے پر لندن چلا گیا اور پھر وہی بھائی اور بھابھی کی رضامندی سے ایک اچھے گھرانے کی شریف النفس لڑکی سے شادی کر لی، یوں وقت گزرتا رہا، وقار کے گھر ایک ایک سال کے وقفے سے عبیدہ اور ثانیہ پیدا ہوئیں، جبکہ زین کے گھر زارون اور عباد چلے آئے، دنیاوی جھمیلوں نے دونوں بھائیوں کا ٹیلیفونگ رابطہ بھی محدود کر دیا تھا، مگر محبت و خلوص ازل کی طرح ویسے ہی قائم دائم تھا، اب اتنے عرصے بعد زارون کا پاکستان آنا سب کے لئے بڑی خوشی کی

بات تھی اور سب گھر والے خوش تھے، سوائے عبیدہ وقار کو چھوڑ کر۔

☆☆☆

''کیا ہوا، منہ کیوں پھولایا ہوا ہے؟'' وہ اس وقت کالج کینٹین میں بیٹھی ہوئی تھی، جب اس کی سہیلی رمشہ اس کے پاس آ کر بولی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' انداز بیگانہ سا تھا۔

''کچھ تو ہے، ورنہ ہماری عبیدہ اپنے حسین چہرے پر کبھی بارہ نہیں بجاتی۔'' وہ مذاقاً گویا ہوئی، رمشہ اس کی سکول کے زمانے کی دوست تھی، اس لئے دونوں کی ایک دوسرے سے گاڑھی چھنتی تھی اور عبیدہ اس کی باتوں کا برا بھی نہیں مناتی تھی۔

''کچھ خاص نہیں یار۔'' اس نے ٹالتے ہوئے بات بدلی۔

''جھوٹ مت بولوں، بتاؤ سیدھا۔''

''کچھ خاص نہیں ہے یار، لندن پلٹ کزن ہمارے ہاں آ رہا ہے گھر والوں نے جینا حرام کر دیا ہے۔'' اس کا لہجہ خفگی بھرا تھا۔

''ارے واہ کزن آ رہا ہے وہ بھی لندن سے اور عبیدہ صاحبہ اس لئے منہ بنا رہی ہیں، ارے عقل کی اندھی لڑکیاں تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی ہیں، پتا نہیں تم کس سیارے کا عجوبہ ہو۔'' رمشہ کو اس کی بات ذرا بھی نہ بھائی تھی، اس لئے وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''میں عبیدہ وقار نا قابل تسخیر ہوں۔'' اور رمشہ کو پہلی بار اس کے لہجے سے خوف آیا تھا۔

''ایسے غرور تکبر کے بول مت بولا کرو، عبیدہ اللہ تکبر کو سخت ناپسند کرتا ہے اور بعض اوقات اپنا تکبر ہی بندے کو لے ڈوبتا ہے۔'' رمشہ نے اسے سمجھایا تھا، مگر عبیدہ سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

''میں تکبر نہیں کر رہی مگر اللہ نے مجھے حسن دیا ہے تو ناز کرنا میرا حق ہے اور رہی بات کزن سے خار کھانے کی تو مجھے ہمیشہ سے ہی دیسی بچ ولایتی لوگوں سے چڑھ رہی ہے، وہ نازیہ کا منگیتر پلس کزن دیکھا تھا، جو لندن سے آیا تھا اف کم بخت لڑکا کم اور لڑکی زیادہ لگ رہا تھا، بالوں کا بے تکا سٹائل کانوں میں بالیاں، مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے اور دیکھنا میرا کزن بھی ایسا ہی ہوگا، مجھے تو ابھی سے ہول اٹھ رہے ہیں پتا نہیں اس کے یہاں آنے پر میرا کیا ہوگا۔'' وہ برے برے منہ بناتی بول رہی تھی جبکہ لہجے سے حسب معمول خفگی چھلک رہی تھی۔

''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، عبیدہ دنیا میں اچھے برے لوگ جیسے ہوتے ہیں وہیں الگ الگ مزاج کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں اس لئے سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا جائز نہیں۔'' آخر میں رمشہ نے حسب معمول پھلجڑی چھوڑی تو عبیدہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ ٹھہری۔

''اچھا افلاطون کی جانشین اب بھاشن دینا بس کر اور جلدی سے کچھ کھانے کو منگوا۔'' عبیدہ نے اسے ڈپٹا تو وہ سر اثبات میں ہلاتے اٹھ گئی۔

''ابھی عبیدہ ملکہ کی خدمت میں شاہی طعام حاضر کیا جاتا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے اس کی بے تکی باتوں پر دوہری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

آج زارون نے آنا تھا، اس لئے وقار علی کی کہنے پر ثانیہ اور اس نے چھٹی کر لی تھی، کیونکہ کچن کا کام ان تینوں کے سپرد کر دیا گیا تھا اور عبیدہ کی کچن کے کاموں سے جان جاتی تھی، اس لئے وہ غصے سے جا کر کمرے میں بند ہو گئی گیارہ بجے تک فلائٹ نے لینڈ ہونا تھا، اس لئے ساڑھے دس بجے ہی وقار اور کبریٰ زارون کو رسیو

کرنے ایئرپورٹ کے لئے نکل گئے تھے، عالیہ اور ثانیہ نے ہی مل کر سارا کھانا تیار کیا اور ڈائننگ ٹیبل سجا کر دونوں تیار ہونے کمرے میں چلی آئی، آگے دیکھا تو عبیدہ نک سک سی تیار ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹی بار بار آئینے میں اپنا جائزہ لینے میں مشغول تھی عالیہ کو اس کے رویے پر بے حد تاؤ آیا تھا۔

''ہائے دا وے تمہیں تو گھر میں آنے والے متوقع مہمان کی اتنی خوشی نہیں ہے تو پھر یہ لیپا پوتی کس خوشی میں۔'' عالیہ نے طنزاً پوچھا تھا۔

''کیوں کیا بندہ تب ہی تیار ہوتا ہے جب کوئی مہمان آئے۔'' وہ چمک کر الٹا پوچھنے لگی۔

''شاید۔'' عالیہ بولی۔

''عبیدہ کسی کے لئے تیار نہیں ہوتی، عبیدہ صرف اپنی ذات کے محور کے گرد گھومتی ہے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور بڑبڑاتی باہر نکل گئی تھی جبکہ ثانیہ نے عالیہ کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''آپی آپ کو پتا تو ہے عبیدہ کی عادت کا، مت اس کے ساتھ الجھا کریں۔'' ثانیہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیسے نہ الجھوں تم جانتی ہو وہ غلط ہے۔'' عالیہ غصے سے بولی تھی۔

''میں جانتی ہوں، پر آپی آپ یا میں اسے جتنا مرضی سمجھائیں، اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''ثانیہ کبھی اس کا خود پر غرور مجھے دہلا دیتا ہے۔'' عالیہ نے اب کے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ثانیہ بھی پریشان سی ہو گئی تھی۔

''اللہ بہتر کرے گا۔'' ثانیہ نے تسلی بھرے انداز میں عالیہ کا کندھا تھپکتے کہا تھا۔

☆☆☆

''زارون بھائی سفر ٹھیک گزرا؟'' ثانیہ تو اتنے ہینڈسم اور ڈیسنٹ کزن کو دیکھ کر مچلی جا رہی تھی، اتنا ڈیسنٹ اور سوفٹ سپوکن کزن اسے کسی انگلش ہیرو سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''اچھا گزرا، بس آپ لوگوں کے پاس آنے کی جلدی تھی۔'' وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا تھا، وقار اور کبریٰ اس کی محبت پر بے اختیار مسکرا دیئے تھے۔

''کھانا لگ چکا ہے پہلے کھانا کھا لیجئے۔'' عالیہ کے بلاوے پر سب کھانا کھانے چل دیئے۔

''یہ عبیدہ نظر نہیں آ رہی۔'' پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے وقار علی نے بلند آواز میں کہا تو عالیہ اور ثانیہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''وہ ابو اس کے سر میں درد تھا تو دوا کھا کر لیٹی ہے۔'' ثانیہ کو فی الوقت یہی بہانہ سوجھا تھا، حالانکہ اندر سے وہ اپنے اس صاف جھوٹ پر ازحد شرمندہ تھی۔

''زارون بیٹے یہ کڑاہی کوفتہ لو نا۔'' کبریٰ نے کوفتے کی ٹرے اٹھا کر زارون کے سامنے رکھی۔

''شکریہ آنٹی۔'' اس نے تھوڑا سا سالن اپنی پلیٹ میں نکال لیا تھا اور عالیہ نے عبیدہ موضوع ہٹ جانے پر خدا کا لاکھ شکر ادا کیا تھا، کیونکہ اب اگر اب کوئی اس متعلق سوال پوچھتے تو وہ کوئی جواب نہ دے پاتی۔

☆☆☆

''عبیدہ! بندے میں اتنی تمیز ہونی چاہیے کہ گھر آئے مہمان کا کچھ خیال کر لے۔'' عالیہ کمرے میں آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

''پتا ہے ابو اور زارون کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی جب انہوں نے تمہارا پوچھا اور ثانیہ کو جھوٹ بولنا پڑا۔'' عالیہ نے اس کی

جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
''میں نے نہیں کہا تھا جھوٹ بولنے کو۔'' وہ نخوت سے جواب دیتی چہرہ موڑ گئی تھی۔
''یہ جملہ صبح ابو کے سامنے جا کر کہنا۔'' اور اب کہ وہ خاموش ہو گئی کیونکہ گھر میں واحد ایک ابو ہی تھے جن سے وہ ڈرتی اور ان کی عزت کرتی تھی، کبریٰ کی بات بھی مان لیتی، لیکن ضد بھی کر لیتی، لیکن وقار علی کے سامنے وہ ہمیشہ صفر ہو جایا کرتی تھی۔
''اب سو جاؤ اور سونے دو۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے کمبل سر تک تان لیا تھا۔
''عبیدہ! میں تمہارے اس لہجے انداز سے بہت سخت ڈرتی ہوں، جس صورت کے بل پر تم اتنا اتراتی ہو کہیں یہ صورت ہی تمہارے گلے کا پھندا نہ بن جائے۔'' عالیہ نے بے اختیار کمبل کے اندر چھپے اس کے وجود پر نگاہیں ٹکاتے سوچا تھا۔

☆☆☆

صبح کاذب اپنی تمام پاکیزگیوں کو ظاہر کرتی طلوع ہوئی تھی، عالیہ نماز پڑھ کے کمرے سے باہر نکلی تو بے اختیار لاؤنج میں نصب شیشہ گیر کھڑکی سے نظر باہر لان کی جانب اٹھی، جہاں زارون بلیک ٹریک سوٹ میں، ایکسرسائز کرنے میں مصروف تھا، بلیک ٹریک سوٹ میں اس کی وجاہت بے حد نمایاں ہو رہی تھی، وہ اسے لان میں پا کر اس کے پاس چلی آئی۔
''السلام علیکم زارون بھائی!'' اس نے پاس آ کر سلامتی بھیجنے میں پہل کی۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہیں عالیہ آپ؟'' وہ اسے دیکھ کر سیدھا کھڑا ہوتے بولا تھا۔
''جی ٹھیک ہوں، آپ اتنی صبح صبح بیدار ہو جاتے ہیں۔'' اس نے کچھ حیرت سے پوچھا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔
''جی یہ میری روٹین ہے کہ میں فجر کی نماز ادا کر کے واک کرتا ہوں۔'' اب کے یہ سن کر عالیہ کچھ اور حیران ہوئی تھی۔
''آپ شاید کچھ زیادہ ہی اس بات پر حیران ہو رہی ہیں۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے کہنے لگا تو وہ جھینپ کر رہ گئی۔
''نن..... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔''
''آپ کی چھوٹی بہن دکھائی نہیں دی، کیا زیادہ ہی ان کی طبیعت خراب ہے تو میں خود جا کر ہی ان سے مل لیتا ہوں۔'' عالیہ کا شرمندگی کے باعث ڈوب مرنے کو دل چاہا تھا۔
''نہیں، وہ اب ٹھیک ہے، صبح ناشتے میں ملاقات ہو جائے گی۔'' اس نے فوراً کہا تھا۔
''چلیں ٹھیک ہے، دراصل امی ابو نے آپ سب کے لئے کچھ گفٹ بھجوائے تھے، تو میں نے سوچا سب کو اکٹھے ہی دیتا ہوں۔'' وہ بولا تھا۔
''جی بہت شکریہ ان سب کی کیا ضرورت تھی، آپ آ گئے ہیں یہی کافی ہے ہمارے لئے۔'' عالیہ اس کے محبت بھرے خلوص پر بے اختیار شرمندہ ہوئی تھی۔
''ارے ایسی کوئی بات نہیں، اپنوں کے لئے تحفوں کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ تحفے دینے سے محبت بڑھتی ہے۔'' اور عالیہ اس کی سمجھداری پر بے اختیار قائل ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ کالج کے لئے تیار ہو کر کمرے سے نکلی ہی تھی، کہ بے اختیار کسی سے زوردار ٹکرائی، چند لمحوں تک مانوں تو دماغ کے گرد تارے ہی ناچتے پھرے تھے۔
''اوہ، سو سوری۔'' زارون نے اس مجسمہ ساز لڑکی کو بے اختیار دیکھتے ہوئے کہا، اور عبیدہ

بھی سامنے کھڑے یونانی مجسمے کو یک ٹک دیکھے گئی تھی، نظروں کا ماننا بے اختیار تھا۔

''آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے۔'' اب کہ وہ سنبھل کر بولی۔

''سوری عبیدہ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ یہاں سے آ جائیں ہو جائیں گی، بہر حال آئی ایم سوری۔'' وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا تھا مگر پتا نہیں کیوں عبیدہ کو اپنے خوشبو کے حصار میں چھوڑ گیا تھا، چند لمحے جدھر سے وہ گیا تھا، اس رستے کو وہ دیکھتی رہی۔

''ارے عبیدہ! کالج وین ہارن پر ہارن دیئے جا رہی ہے اور تم یہاں اسٹیچو بن کے کھڑی ہو جلدی نیچے آؤ۔'' کبریٰ کی آواز نے اسے ہوش وخرد کی دنیا میں لا پٹخا تھا اور پھر وہ تیزی سے بغیر ناشتہ کیے نیچے بھاگی تھی۔

کالج آ کر بھی وہ سارا دن پریشان ہی رہی تھی کیونکہ رمشہ آج چھٹی پر تھی، اسے رہ رہ کر اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا، کہ اسے کیا ہو گیا تھا، وہ زارون کو دیکھ کر ایسے کیوں کھو گئی تھی اور پھر اسے اپنی ذات کی نفی کرنے پر بھی بے اختیار زارون پر غصہ آیا تھا، کہ اس نے تو کجا حال چال، دوسری مرتبہ اسے دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا اور یہی بات عبیدہ کے من کو جلائے جا رہی تھی، لڑکوں کی اپنے اوپر اٹھتی شائستی نظروں سے وہ خوب واقف تھی، جہاں سے وہ گزرتی ہر بندہ پلٹ کر اسے ضرور دیکھتا، تو پھر زارون کی بے اعتنائی اسے تپا کر رہ گئی تھی۔

''آج تک عبیدہ وقار ہی سب کی نفی کرتی آئی ہے اور تم پہلے مرد ہو زارون جس نے میری نفی کی، اس کی سزا تو تمہیں بھگتنی ہی ہو گی۔'' اس کا خوبصورت چہرہ اس وقت وحشت ناک لگ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں سفا کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

☆☆☆

''آج صبح تمہاری بہن اور میری کزن سے ملاقات ہو ہی گئی۔'' وہ اس وقت عالیہ اور ثانیہ کے ساتھ کچن میں موجود تھا، کیونکہ عالیہ اس کی فرمائش پر آج پاستا ود وائٹ چکن ساس بنا رہی تھی۔

''اچھا زارون بھائی!'' ثانیہ سے کوئی اور جواب نہ سوجا تھا، جبکہ عالیہ خاموش ہی رہی، کیونکہ وہ اتنا جان چکی تھیں کہ زارون عبیدہ کی اپنے لئے ناپسندیدگی بھانپ چکا ہے۔

''ہوں محترمہ کافی انٹرسٹنگ ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگا تھا۔

''عبیدہ باجی بس ذرا الگ نیچر کی ہیں، وہ زیادہ کسی سے فرینک نہیں ہوتیں۔'' ثانیہ نے بہن ہونے کے ناطے صفائی دی تھی۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے فوراً بولا۔

''اچھا میں تایا سے مل کر آتا ہوں، صبح کے دیکھائی نہیں دیئے۔'' یہ کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل گیا تھا۔

''ثانیہ زارون بھائی جان چکے ہیں کہ عبیدہ انہیں پسند نہیں کرتی اور یہ پہلی ملاقات بھی کیسی ہوئی ہو گی، یہ بھی میں جانتی ہوں۔'' عالیہ نے اس کے جانے کے بعد کہا تھا۔

''آپی زارون بھائی بہت اچھے ہیں، میرے خیال میں انہیں ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' ثانیہ نے سلیب سے کچرا اکٹھا کرتے ہوئے ڈسٹ بن میں ڈالا تھا۔

''ہوں۔'' عالیہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

دوپہر کو عبیدہ کھانا کھانے کے لئے نیچے آئی تو وہ سامنے ہی بیٹھا تھا، وہ نظریں جھکا کر سلام

کرتی ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
''عبیدہ! لگتا ہے تمہاری زارون سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' وقار نے اسے مخاطب کیا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
''جی ان کی اور میری ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت رقص پنہاں تھی، وہ دانت پیس کر رہ گئی۔
''ابو میں ان سے صبح مل چکی ہوں۔''
''اچھا اچھا رات کو جب یہ آیا تو تم کمرے میں تھی عالیہ بتا رہی تھی کہ شاید تمہارے سر میں درد وغیرہ تھا۔'' اب کہ وہ گڑبڑائی تھی۔
''جی ابو۔''
''چلو کھانا شروع کرتے ہیں۔'' کبریٰ نے کہا تو سب کھانے میں مشغول ہو گئے، جبکہ اس نے اپنی جان چھوٹ جانے پر خدا کا لاکھ شکر ادا کیا تھا، کھانا کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے جبکہ وہ پلان کے مطابق ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی، زارون صوفے پر بیٹھا کوئی ٹاک شو دیکھ رہا تھا، اس کے آنے پر لمحہ بھر اسے دیکھا اور پھر رخ موڑ کر ٹی وی دیکھنے لگا، وہ اس کے اس انداز پر بل کھا کر رہ گئی تھی۔
''تم ہو، کیا زارون؟'' وہ دانت پیستے ہوئے من ہی من میں بڑبڑائی تھی۔
''آپ کتنے دنوں کے لئے آئے ہیں۔'' اس نے تھک ہار کر بات کرنے میں پہل کی تھی۔
''کیوں آپ کو اگر میرا یہاں رہنا پسند نہیں تو میں صبح ہی چلا جاتا ہوں۔'' جواباً وہ بولا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔
''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''
''اچھا میں سمجھا شاید یہی بات ہو۔'' وہ شانے اچکائے بولا تھا۔
''ویسے کیا آپ ہر کسی سے ایسے ہی بدتمیزی سے بات کرتے ہیں۔'' وہ تپ کر بولی تھی۔
''ارے اتنے اچھے سے تو بات کی ہے، شاید آپ کے سوچنے کا انداز غلط ہے۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔
''کیا آپ مجھے غلط کہہ رہے ہیں۔'' وہ بھڑک ہی اٹھی تھی۔
''ارے نہیں نہیں میری کیا مجال جو آپ کو غلط کہوں۔'' وہ اس کے چلانے پر یکدم گھبرایا۔
''بھاڑ میں جائیں آپ۔'' وہ غصے سے پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی جبکہ وہ اس کی جاتی پشت کو مسکراتے ہوئے گھور کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''وہ زارون کا بچہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔'' کمرے میں آکر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔
''میں عبیدہ وقار ناقابل تسخیر ہوں، تم مجھے تسخیر نہیں کر سکتے۔'' وہ غصے سے چلائی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا سامان ایک جھٹکے سے نیچے گرا پھینکا تھا۔
''تمہیں میری طرف متوجہ ہونا پڑے گا زارون۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ فرش پر پٹخ ڈالا تھا، جو ایک چھناکے سے کرچی کرچی بکھر گیا تھا۔
''کیا ہوا عبیدہ وقار، تمہاری اور ایسی دیوانوں والی حالت۔'' اچانک ہی ضمیر ہنستا مسکراتا باہر آنکل کھڑا ہوا۔
''آج تمہیں اتنی صفائیاں کیوں پیش کرنی پڑ رہی ہیں، یہ صفائیاں تو وہ لوگ پیش کرتے ہیں جنہیں محبت کا ناگ ڈستا ہے تو کیا تم۔'' یہ سوال تھا یا کوئی تمانچہ جو عبیدہ کے منہ پر پڑا تھا۔
''نہیں مجھے محبت نہیں ہوئی، اسے ہو گی، مجھ سے، وہ مجھے چاہے گا میں نہیں وہ میری پوجا

کرے گا، میں دیوی ہوں، سنگھاسن میرا ہے، عبیدہ وقار دنیا میں صرف محبت کروانے آئی ہے کرنے نہیں۔'' لیکن ضمیر کے آگے اس کی سب دلیلیں بودی پڑ رہی تھیں۔

''تو پھر یہ اتنا شور شرابہ کیوں۔''

''میں اپنے علاوہ کسی سے پیار نہیں کرتی۔'' وہ ہسٹریائی چلائی تھی اور اس کے چلانے کی آواز سن کر عالیہ فوراً کمرے میں آئی تھی اور آگے کمرے کا منظر دیکھ کر اس کا دل دہل سا گیا تھا۔

☆☆☆

آسمان آج صبح سے ہی بادلوں کی چادر اوڑھے ہوئے تھا، رات ہونے والی بارش نے ہر طرف جل تھل مچا دی تھی، ہر شے نکھر کے سامنے آئی تھی، ناشتے کی ٹیبل پر سب موجود تھے، سوائے عبیدہ کے اور عبیدہ کی یہ غیر حاضری سب سے پہلے وقار علی نے محسوس کی تھی۔

''یہ عبیدہ نہیں آئی، کیا کالج سے آج چھٹی ہے۔'' وقار علی نے چائے کا گھونٹ بھرتے پوچھا تھا۔

''جی ابو، اس کے کالج میں آج کوئی فنکشن تھا، تو اس نے چھٹی کر لی اور ابھی سو رہی ہے۔'' عالیہ نے بہانہ بناتے ہوئے وقار علی کو مطمئن کیا تھا، زارون نے عالیہ کی بات پر چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''عالیہ اور ثانیہ تم لوگ آج ایسا کرو کے زارون کو لاہور گھما لاؤ میں تو آفس کے کام کی وجہ سے اتنا بزی ہو گیا ہوں کہ اپنے بھتیجے کے لئے ٹائم ہی نہیں نکال پا رہا۔'' وقار علی شرمندہ سے بولے تھے۔

''ارے نہیں تایا پلیز آپ ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے میں گھوم لوں گا، ابھی تو کافی وقت پڑا ہے میرے جانے میں۔''

''ہاں بیٹا یہی تو ملال ہے کہ تم آج یہاں ہو کل چلے جاؤ گے اور ہمارے گھر میں پھر وہی ویرانی گونجے گی۔'' کبریٰ کے دل سے آہ نکلی تھی، کبریٰ کو ہمیشہ سے ہی ایک بیٹے کی چاہ تھی، لیکن خدا نے جب انہیں تین بیٹیوں سے نوازا تو انہوں نے اللہ کی رحمت جان کر راضی ہو گئی، حالانکہ کبھی کبھی ان کے دل میں شدت سے بیٹے کی چاہ سر اٹھاتی تھی لیکن وہ اللہ کی رضا میں راضی تھیں۔

☆☆☆

عالیہ کا عبیدہ کی ایسی حالت دیکھ کر دل بند سا ہو گیا تھا۔

''عبیدہ کیا ہوا، تمہیں تم ٹھیک تو ہو۔'' عالیہ نے فوراً کندھے سے پکڑ کر اسے سیدھا کیا تھا۔

''وہ مجھ سے محبت کرے گا۔'' وہ زور زور سے یہی بڑبڑائے جا رہی تھی اور عالیہ کی تو یہ سب سن کر پاؤں تلے سے زمین ہی کھسک گئی تھی۔

''عبیدہ ہوش میں آؤ۔'' عالیہ نے اسے زور کا جھنجھوڑا تھا۔

''عالیہ!'' وہ روتے ہوئے اس کے گلے آ لگی تھی۔

''عالیہ!'' اس کی ایسی حالت دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

''کیا ہوا عبیدہ؟''

''میں عبیدہ وقار آج ہار گئی ہوں، ہار گئی ہوں۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے آج میرے غرور کی تکبر کی سزا مل گئی عالیہ، میں آج اپنی ذات اپنے دل سے ہار گئی۔'' اور عالیہ کو اس کی ادھ ادھوری بے معنی باتوں کی کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

''کیا ہوا ہے عبیدہ کچھ تو بتاؤ۔'' عالیہ نے اسے شانوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے محبت ہو گئی ہے عالیہ۔'' اور عالیہ کو اس کے یہ الفاظ کسی بم کی طرح لگے تھے۔

''مجھے زارون علی سے محبت ہو گئی ہے۔'' اور اب کے عالیہ کو اپنے اردگرد زمین بلکہ ہر شے گھومتی دکھائی دی تھی۔

''عبیدہ تم ہوش میں تو ہو۔'' عالیہ حیرت کے مارے گنگ ہی ہو گئی۔

''ہوش میں ہی تو اب آئی ہوں، زارون کو میرا ہونا ہی پڑے گا۔'' اس کے لہجے کی جنونیت نے عالیہ کو دہلا دیا تھا۔

''عبیدہ اب بس کر دو، کب تک زندگی کو ایسے دھوکے دیتی رہو گی، زارون کوئی چیز نہیں ہے جو تم خرید لو گی اک جیتا جاگتا انسان ہے وہ، خدا کے لئے اب اپنی ان خود ساختہ سوچوں اور پاگل پن سے باہر نکل آؤ۔'' عالیہ نے بے بس ہو کر اسے کہا تھا، مگر وہ اس کی بات پر ہنس دی۔

''مجھے میری من پسند چیز ہر صورت چاہیے ہوتی ہے اور اگر مجھے نہ ملے تو میں اسے چھین لیتی ہوں آج تک سب نے مجھے سراہا ہے، مگر وہ زارون اس نے تو مجھے ایک نظر کے بعد دوسری نظر تک ڈالنا گوارہ نہیں کیا، میں اسے اپنے قدموں میں ہر صورت لاؤں گی، وہ میرے سامنے جھکے گا۔'' اس کے لہجے کی سفاکی اور جنونیت لمحہ لمحہ عالیہ کو پتھر کرتی جا رہی تھی۔

''یہ محبت ہے یا انتقام، عبیدہ تم اتنی خود غرض ہو گی مجھے آج سے پہلے اس کا اندازہ نہیں تھا۔''

''ہاں ہوں خود غرض، تم جو چاہے سمجھو لیکن زارون کو میں پا کر ہی رہوں گی اسے عبیدہ وقار سے ہارنا ہو گا۔'' اور عالیہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے جلد از جلد وقار سے بات کرنی ہو گی، کیونکہ جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کے نتائج خطرناک حد کی صورت میں ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والے تھے۔

☆☆☆

''میری بڑی چاہ تھی کہ زارون میرا بیٹا بن آ جاتا لیکن......'' عالیہ ان کے کمرے میں داخل ہونے ہی والی تھی کہ اندر سے آتی آوازوں کو سن کر وہیں دروازے کے باہر ہی کھڑی ہو گئی۔

''لیکن کیا وقار۔'' کبریٰ بیگم نے پوچھا۔

''پرسوں زین کا فون آیا تھا، میں نے عبیدہ کے لئے زارون کی بات کی تھی لیکن زین کا جواب سن کر مجھے دکھ ہی ہوا کہ یہ بات میں نے کی ہی کیوں۔'' وقار علی، زین کے فون کی بات بتانے لگے تھے۔

''کیوں، کیا کہا زین نے؟''

''زارون وہاں لندن میں ہی کسی کلاس فیلو کو پسند کرتا ہے اور اسی کے ساتھ شادی کرے گا۔''

''زین سے ہمیں ایسی امید نہیں تھی۔'' کبریٰ جلد ہی زین سے متنفر ہوئی تھیں۔

''ارے اس سب میں زین کا کیا قصور وہ تو از حد شرمندہ ہو رہا تھا، مگر معاملہ جوان اولاد اور وہ بھی اکلوتے بیٹے کا ہے تو ماں باپ ہمیشہ سے اولاد کی خوشیاں ہی تو چاہتے ہیں۔'' وقار علی نے چھوٹے بھائی کی پوزیشن کلیئر کی تھی اور باہر کھڑی عالیہ الٹے قدموں واپس لوٹ گئی تھی، کیونکہ کہنے کو اب کچھ باقی نہ رہا تھا۔

☆☆☆

''مجھے زارون سے بات کرنی چاہیے؟'' عالیہ اس کشمکش و پیچ میں گری ہوئی تھی۔

''مگر کیا پتہ یہ عبیدہ کا وقتی ڈرامہ ہو، کیونکہ ایسے ڈرامے وہ اکثر کرتی رہتی تھی، داد پانے کے لئے اکثر وہ بہنوں کو بھی چوٹ پہنچا دیتی تھی، بچپن میں بھی ایسے کتنے واقعات تھے جو عالیہ کے

نظروں کے سامنے گھومنے لگے تھے۔
بچپن میں جب وقار علی ان کے لئے کوئی کھلونا یا کوئی کھانے پینے کی چیز لاتے تو عبیدہ اپنے حصے کی چیز لے کر ان کی بھی چھین لیتی تھی مگر اب معاملہ چیز کا نہیں تھا، ایک جیتے جاگتے انسان کا تھا۔''
''میں عبیدہ کو دوبارہ سمجھاؤں گی کہ وہ زارون کا پیچھا چھوڑ دے، کیونکہ زارون اسے صرف ایک کزن ہی سمجھتا ہے اور یہ یکطرفہ محبت نما پاگل پن کا ڈرامہ چھوڑ دے۔'' وہ اک عزم کرتی عبیدہ کے پاس جانے کے لئے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا ہوا عبیدہ تم دو دن سے کالج بھی نہیں آ رہی اور تمہارا فون بھی آف ہے اسی لئے مجھے آج تمہارے گھر آنا پڑا۔'' رمشہ اس کے کمرے میں آتے ہی تشویش بھرے انداز میں بولی تھی۔
''بس یار طبیعت کچھ ناساز تھی اور فون بند تھا چارجنگ پر نہیں لگا پائی۔'' وہ بہانہ گھڑتے ہوئے بولی اور یہ پہلی مرتبہ تھا کہ عبیدہ نے رمشہ سے کوئی بات چھپائی تھی، حالانکہ وہ باتیں بھی رمشہ سے شیئر کرتی تھی جو عالیہ اور ثانیہ کو بھی نہ بتاتی تھی اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ عبیدہ نے رمشہ سے جھوٹ بولا تھا۔
''یہی بات تھی نہ۔'' رمشہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو لمحہ بھر وہ گڑبڑا گئی۔
''اف رمشہ تمہاری سی آئی ڈی والی حرکات ابھی تک تم میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔''
''ارے یار مذاق کر رہی تھی ویسے بائی دا وے، یہاں آتے ہوئے تمہارے ڈیشنگ کزن سے بھی ملی ہوں یار پورے کا پورا طالوی مجسمہ ہے۔'' رمشہ اس کی حالت جانے بغیر اپنی کہے جا رہی تھی، یہ دیکھے بغیر کہ غصے سے اس کی آنکھیں یکدم لال ہو گئی تھیں۔
''شٹ اپ رمشہ کیا کزن نامہ لے کر بیٹھ گئی ہو۔'' وہ غصے سے چلا اٹھی۔
''کیا ہوا عبیدہ۔'' رمشہ اس کے اس طرح بولنے پر حیرت سے پوچھنے لگی۔
''کچھ نہیں، پلیز میرے سامنے کسی کی تعریف نہ کیا کرو، تم جانتی بھی ہو مجھے اپنے سوا کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''
''او کے سوری یار۔'' رمشہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا اور پھر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی، مگر عبیدہ کے من میں تو بھانبڑ جل اٹھے تھے۔

☆☆☆

رات خوب بارش برسی تھی جس کے باعث صبح کافی نکھر کے سامنے آئی تھی وہ آج حسب معمول جلدی ہی اٹھ گئی تھی، عالیہ اور ثانیہ سو رہی تھیں، عالیہ اور ثانیہ نماز کی پکی پابندی کرتی تھیں، جبکہ عبیدہ صرف رمضان میں ہی نماز ادا کرتی، اس لئے اتنی صبح اٹھنا حیرت کا باعث ہی تھا، وہ کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر کا جائزہ لینے کے لئے دیکھنے لگی تھی کہ اس کی نظر لان میں جاگنگ کرتے زارون پر پڑی تھی اور اگلے ہی لمحے میں وہ اس کے پاس کھڑی تھی۔
''ارے عبیدہ آپ یہاں؟'' زارون نے اسے دیکھ کر کچھ حیرت سے پوچھا۔
''کیوں، میں یہاں نہیں آ سکتی۔'' وہ جواباً ناگواری سے بولی۔
''نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا، آپ کا گھر ہے آپ جہاں مرضی آئیں جائیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
''ہوں مسٹر زارون ویسے ایک بات تو

بتائیں؟'' وہ اچانک بولی تو زارون اس کی جانب متوجہ ہوا۔
''جی فرمائیں۔''
''آپ کو کسی نے چاہا ہے کبھی۔'' اور زارون اس کے منہ سے ایسا سوال سن کر حد درجہ حیرت میں گر گیا تھا۔
''یہ کیسا سوال ہے؟'' درحقیقت وہ عبیدہ کے منہ سے ایسی بات سن کر ششدر رہ گیا تھا، ایک لڑکی ہو کر وہ ایسے کیسے بات کر رہی تھی۔
''جیسا ہوتا ہے اور میرے خیال میں آپ اتنے بچے نہیں ہیں کہ میرے سوال کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔'' وہ جواباً تڑک کر بولی تھی۔
''ایکسکیوزمی مس عبیدہ وقار آپ کو کس نے حق دیا کہ آپ مجھ سے ایسی باتیں کریں یا میرے پرسنل معاملات میں انٹرفیئر کریں۔'' وہ غصے سے بولتا اسے آگ ہی تو لگا گیا تھا۔
''تم سمجھتے کیا ہو خود کو، عبید وقار کے آگے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔
''جسٹ شٹ اپ او کے اگر تم لڑکی نہ ہوتی نا تو میں تمہیں تمہاری ایسی بدتمیزی پر سبق سکھا دیتا۔''
''یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون کسے سبق سکھاتا ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں کہتی، وہاں سے چلی گئی تھی۔
''یہ لڑکی بالکل پاگل ہے اور کانفیڈنٹ اینڈ بولڈ۔'' وہ منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔
''تمہاری اتنی جرأت زارون تم عبیدہ وقار سے ٹکر لو، میرے سامنے آ کر تم جھک کر اپنی محبت کا اظہار کر لیتے تو شاید میں بھیک میں تمہیں قبول کر لیتی، مگر تم نے عبیدہ کی انسلٹ کی ہے اور یہ تمہیں کافی مہنگی پڑے گی۔'' وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتی سوچ رہی تھی، کہ اچانک عالیہ اس کے کمرے میں آئی۔
''عبیدہ پرسوں زارون واپس لندن جا رہا ہے۔''
''تو؟'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔
عالیہ اس کا گرگٹ کی طرح بدلتا انداز دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔
''اوہ تم وہ سب سچ سمجھ بیٹھی تم جانتی ہو میں کتنی ڈرامہ باز ہوں، میں ایسے شغل لگاتی رہتی ہوں، ورنہ میں تو کیا میری جوتی بھی اس زارون سے محبت نہ کرے۔'' وہ تفاخر سے بولتی عالیہ کو ایک مرتبہ پھر حیران کر گئی تھی۔
''عبیدہ میری ایک بات یاد رکھنا جو زندگی کو ایسے مذاق بناتے ہیں ایک دن زندگی ان کا مذاق بنا کر رکھ دیتی ہے۔'' عالیہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی، جبکہ وہ نخوت سے سر جھٹکتی رہ گئی تھی۔
''آئی ایم سوری زارون۔'' اور اس واقعہ کے دوسرے دن ہی وہ زارون کے پاس کھڑی معافی مانگ رہی تھی، زارون اس رنگ بدلتی لڑکی کو دیکھ کر حیرت کدہ رہ گیا تھا۔
''پلیز مجھے معاف کر دو زارون اس دن غصے میں نجانے میں کیا کیا بول گئی۔'' وہ شرمندہ سی نگاہیں جھکائے بولی۔
''اٹس او کے پلیز تم معافی مت مانگو۔'' وہ فوراً ہی راضی ہو گیا تھا۔
''سچ میں تم نے مجھے معاف کر دیا۔'' وہ خوشی سے بولی۔
''ہاں بابا۔'' وہ جواباً مسکرا دیا۔
''تھینک یو سو مچ زارون۔''
''او کے عبیدہ میں ذرا عالیہ سے کہہ دوں، وہ میری پیکنگ کر دے۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔
''تم نے تو معاف کر دیا، لیکن عبیدہ وقار کبھی معاف نہیں کرتی۔'' اس کا خوبصورت چہرہ پل بھر

میں سیاہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کل صبح کی زارون کی فلائٹ تھی اس لئے آج وہ ان تینوں کو گھمانے گاڑی لے کر آیا تھا، ان تینوں کو ایک مال سے شاپنگ کرائی ڈنر کرایا اور پھر لانگ ڈرائیو پر نکل گئے، عالیہ اور ثانیہ کافی خوش لگ رہی تھیں، جبکہ وہ اپنے چہرے پہ غرور اور تکبر کا لبادہ اوڑھے ایک طرف چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی، اس کی طبیعت کو ایسا جان کر ان تینوں نے اسے زیادہ مخاطب نہیں کیا تھا۔

''زارون کل کا سورج تمہارے لئے سیاہ طلوع ہوگا۔'' وہ نفرت سے اس کی جانب دیکھتی بڑبڑائی تھی جبکہ زارون اس کے دل سے بے خبر ثانیہ اور عالیہ کے ساتھ ہنس رہا تھا۔

رات کے ڈھائی بجے کا وقت تھا جب اچانک زارون کے موبائل پر رنگ ٹون بجی، اس وقت وہ اپنے آفس کی ضروری میل چیک کر رہا تھا، جو واپس لندن جا کر اسے اپنے باس کو رپورٹ کرنی تھیں نمبر انجان تھا، اس نے کچھ لمحے بعد فون اٹھالیا۔

''ہیلو۔'' دوسری جانب ساکت خاموشی تھی اس نے فون بند کر دیا، اور یہی خیال کیا شاید کوئی رانگ نمبر لگ گیا ہو، ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کے کمرے کا دروازہ گونج اٹھا، وہ اس وقت نائٹ ڈریس میں ملبوس تھا اس لئے اس نے فوراً شرٹ پہنی اور دروازہ کھولا آگے دروازے پر عبیدہ کھڑی تھی جو اسے سنبھلے سوچنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے اس کے کمرے میں آ وارد ہوئی تھی۔

''عبیدہ کیا بدتمیزی ہے تم اس وقت میرے کمرے میں۔'' وہ حیران رہ گیا تھا، عبیدہ نے اس کی بات سنے بغیر اسے زور کا دھکا دیا اور دروازے کو کنڈی لگا دی یہ سب اتنا جلدی ہوا تھا کہ زارون کو سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا تھا۔

''تو مسٹر زارون بتایئے کیسے ہیں آپ؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی تھی، زارون کو اس سے وہ کسی ڈائن سے کم نہیں لگی۔

''میں نے کہا تھا نہ کہ وقت بتائے گا کہ کون کسے سبق سکھاتا ہے تو لو آج وہ گھڑی آ پہنچی۔''

''تم یہ بہت غلط کر رہی ہو، میں ابھی تایا کو جا کر بتاتا ہوں۔'' وہ تیزی سے دروازے کی اور بڑھا ہی تھا کہ عبیدہ برق رفتاری سے دروازے اور اس کے بیچ آ کھڑی ہوئی۔

''ایسی غلطی تو مت ہی کرنا ورنہ میری ایک چیخ اور تمہارا کھیل ختم۔'' وہ زہریلی ہنسی ہنسی تھی۔

''تم اتنی گری ہوئی گھٹیا ہوگی میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ اس کی جانب نفرت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تو آج سوچ لو میں ایسی ہی ہوں۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' زارون کو اس کے پاگل پن سے شدت سے خوف آیا تھا، کیونکہ اس کی آنکھوں میں جیسا تاثر تھا وہ یہی کہہ رہا تھا کہ اس سے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔

''بڑی جلدی لائن پہ آ گئے۔''

''جلدی بکو۔'' وہ غصہ ہوا۔

''زیادہ کچھ نہیں، بس میرے پیروں میں گر کر معافی مانگو۔'' یہ دھماکہ تھا جو زارون کے سر پر پھٹا ہوا تھا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو، میں ایسا کچھ نہیں کروں گا نکلو میرے کمرے سے۔'' وہ اسے بازوؤں سے کھینچ کر دروازے کی جانب دھکیلنے لگا تھا، مگر عبیدہ نے فوراً ہی اپنی قمیض کا ایک بازوں جھٹکے سے نوچ کے پھاڑ دیا، زارون تو ساکت رہ گیا۔

''اب بھی نہیں کرو گے۔''

''نہیں۔'' وہ دوسرا بازو دھاڑنے لگی تھی کہ زارون نے فوراً اس کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔

''چھوڑو مجھے بچاؤ بچاؤ۔'' وہ زور زور سے چلانے لگی تھی، زارون نے دوبارہ اسے پکڑنا چاہا تھا، لیکن بیڈ کی بھاری ہتی سے عبیدہ کا پاؤں ٹکرایا اور وہ ایک لمحے میں پیچھے دیوار گیر نصب الماری سے جا ٹکرائی تھی اس کا سر زور سے الماری کے ہینڈل پر جا لگا تھا، پوری الماری ایک جھٹکے سے ہلی تھی اور اوپری سطح پر پڑی تیزاب کی بوتل پتا نہیں کیسے عین نیچے کھڑی عبیدہ کے سر اور چہرہ پر جا گری تھی، ایک لامتناہی چیخوں کا سلسلہ تھا جو اس وقت زارون کے کمرے سے رات کے اس پہر گونج اٹھا تھا۔

☆☆☆

''ڈاکٹر صاحب بتایئے میری عبیدہ کیسی ہے؟'' کبریٰ روتے ہوئے فوراً ڈاکٹر کی جانب لپکی تھیں۔

''پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے اور آپریشن بھی کامیاب ہوا ہے پر۔'' ڈاکٹر یہ کہتے ہوئے یکدم خاموش ہو گیا۔

''پر کیا ڈاکٹر صاحب؟'' وقار علی فوراً بولے تھے۔

''مگر اس حادثے میں ان کے سر کے بال اور آدھا چہرہ بری طرح جل چکا ہے تیزاب نے چہرے کے اندر تک کے ٹشوز متاثر کر دیئے ہیں، کہ اب پلاسٹک سرجری بھی کوئی کام نہیں کر سکتی۔'' اور وقار علی یہ سب سن کر وہی دل تھام کر بیٹھ سے گئے تھے جبکہ پاس کھڑی عالیہ کی آنکھ سے رکے ہوئے چند آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

''اللہ کو تکبر پسند نہیں چاہے وہ کسی بھی شے کا ہو، دولت علم، خوبصورتی شہرت کبھی بھی چیز کا انسان کا بس صرف ایک ہی کام ہے اس کی ایک ہی پہچان ہے عاجزی کیونکہ اللہ کو عاجزی پسند ہے اور جو چیز اسے پسند ہے پھر وہ انسان کے لئے بری کیسے ہو سکتی ہے، انسان پتا نہیں کیوں اتنا غرور کرتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے ہم خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ ہی جانا ہے، یہ جو کچھ ہمیں عطا ہوا یہ تو اللہ کی طرف سے ہوا اور بجائے اس کا شکر ادا کرنے کے ہم ان کی عطا کی ہوئی چیزوں پر غرور تکبر کر بیٹھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی اگر وہ پل بھر میں نواز سکتا ہے تو چھین بھی سکتا ہے اس لئے تو اللہ پاک نے تکبر جیسی شے کو سخت ناپسند فرمایا ہے، کیونکہ شکر گزار کا درجہ بلند ہے اور غرور کا درجہ پست۔''

☆☆☆

''سب میری وجہ سے ہوا۔'' عالیہ نے ساری حقیقت عبیدہ کے متعلق گھر والوں کو بتا دی تھی اور ہر کوئی عبیدہ کا یہ روپ جان کر انگشت بدنداں تھا۔

''نہیں بیٹا عبیدہ نے جو کیا اس کی سزا پائی تم اپنے آپ کو دوش مت دو۔'' وقار علی نے اس کے کندھے کو تھام کر کہا تھا، کیونکہ زارون نے ساری بات ان کے گوش گزار کر دی تھی، کبریٰ تو یہ سب جان کر ساکت ہو گئی تھی، کہ ان کی بیٹی اتنا گر سکتی ہے۔

''نہیں تایا غلطی میری بھی ہے، مجھے اس دن کے واقعہ پر اسے ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا، شاید اگر میں اس کی انسلٹ نہ کرتا تو وہ ایسا قدم نہ اٹھاتی۔'' وہ پشیمان تھا۔

''نہیں زارون بھائی یہ انسلٹ کا ردعمل نہیں تھا، یہ غرور و تکبر کا ردعمل تھا، عبیدہ جس راہ پر

چل نکلی تھی اس کا انجام یہی ہونا تھا، اپنی خوبصورتی کی تلوار جو اس نے اپنے سر پر لٹکائی تھی اسے اس کی ذات پر برسنا ہی تھا۔" عالیہ نے دکھ سے کہا تھا اور وقار علی کا سر جھک گیا تھا۔

☆☆☆

فجر کا وقت تھا جب موذن اذان سے لوگوں کو کامیابی کی طرف بلا رہا تھا۔

حی الفلاح (آؤ کامیابی کی طرف)

ایک کالی چادر میں لپٹا وجود اس وقت جائے نماز پہ بیٹھا زارو قطار رو رہا تھا اپنے گناہوں کی معاف طلب کر رہا تھا اور وہ کالی چادر میں لپٹا وجود عبیدہ وقار کا تھا۔

"یا اللہ میں پوری کی پوری ندامت میں گر چکی ہوں مجھے اس ندامت سے نکال دے مجھے معاف کر دے، مجھے جو سزا ملی، مجھے اس پر کوئی شکوہ نہیں کیونکہ جتنا میرا گناہ بڑا تھا، سزا تو کچھ بھی نہیں میں خوش ہوں اللہ پاک، بس تو مجھ سے راضی ہو جا، میں نے غرور و تکبر میں بہت بڑا نقصان کرلیا، تجھے بھلا بیٹھی، جانے بغیر کے اگر تو روٹھ گیا تو میں تو کہیں کی نہیں رہوں گی، مگر میں غلطی پر غلطی کرتی گئی، یا اللہ مجھے معاف کر دے مجھ گنہگار کو معاف کر دے۔" ہچکیوں سے روتا وجود اللہ کے سامنے سجدہ ریز تھا اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی سچے دل سے معافی مانگے تو وہ رحیم کریم رب معاف نہ کرے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

اس نے سب سے معافی مانگ لی تھی اور سب نے معاف بھی کر دیا زارون دوسری صبح ہی لندن چلا گیا تھا وہ اس سے معافی نہ مانگ سکی تھی مگر اس نے جلد ہی فون پر اپنی غلطی کی معافی مانگی تھی کیونکہ سب سے زیادہ وہ اس کی گنہگار تھی۔

اس نے قریبی ایک مدرسے میں بچوں کو فری پڑھانے کی جاب شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم کی کلاسز بھی لے رہی تھی، کیونکہ اب اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا اللہ کو راضی کرنا اور یہ اللہ کا وعدہ ہے انسان جب اس کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو اللہ دس قدم اس بندے کے نزدیک آتا ہے۔

عبیدہ نے ایک اور بات اچھے سے جان لی تھی، دل خبطی ہوتا ہے، ہر شے کی طرف دیکھ کر مچلنے والا مگر انسان کو دل کی ناجائز نہیں سننی چاہیے، بس ہر جائز خواہش اپنے اللہ سے بیان کرنی چاہیے، کیونکہ ایک وہی ہے جو اپنے بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

☆☆☆

"دعائے مغفرت"

آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ سویرا فلک کے والد محترم گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

غم کی اس گھڑی میں ادارہ حنا سویرا فلک کے ساتھ ہے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا کریں آمین۔

رابعہ افتخار

''شبنم میری جیٹھانی، اس میں ایسی کوئی بھی خاص بات نہیں کہ میں اس سے حسد محسوس کروں، مگر پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی زندگی مجھ سے بہت بہتر ہے۔'' ہاسپٹل کے کوریڈور میں بیٹھے نورینہ نے اپنی بھابھی سے دل کی بات کہہ دی جو کئی دنوں سے اسے کھٹک رہی تھی، بھابھی نے بہت غور سے اس کی سمت دیکھا، پھیکا چہرہ، خود سے بے پرواہ، گھسے ہوئے بدرنگ لباس میں ملبوس اپنے فربہی مائل جسم کو بڑی سی چادر میں چھپائے وہ بے حد الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''جب سے میری شادی ہوئی ہے میں اسے گھڑی کی سوئیوں کی طرح چلتے دیکھتی ہوں، میں نے اس کی شادی کی تصویریں دیکھی ہیں، اچھی خاصی خوبصورت تھی، اب تو بے حد کمزور ہو گئی ہے رنگ بھی جھلس گیا ہے، ابرار بتاتے ہیں کہ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی بہت اچھا ہے، بہت پڑھے لکھے اور معاشی طور پر مستحکم گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔'' اب وہ شبنم کے متعلق بتا رہی تھی۔

''اس کی پسند کی شادی ہے اسرار بھائی ہے، اسرار بھائی سے محبت نے اسے اس گھر کے ماحول میں رہنے پر مجبور کر دیا ہوگا، اس کی زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں جو مجھ سے بہتر ہو مگر پھر بھی، پھر بھی...... کچھ تو ہے۔'' وہ جیسے اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی، اتنے میں اندر سے اس کی کال آ گئی اور وہ بھابھی کے ساتھ معائنے کے لئے اندر چلی گئی، ڈاکٹر سے واپسی پر بھابھی اس کے ساتھ ہی اس کے سسرال آ گئیں لیڈی ڈاکٹرز جو احتیاط بتائی تھی، جوادویات لکھ کر دی تھیں وہ اس کی ساس کو سمجھانے لگیں، کچھ ہی دیر بعد باہر سے رکشے کی آواز آئی اور ایک کھلتی ہوئی رنگت کی لڑکی ایک چھوٹے سے بچے کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوئی، شاید یہی شبنم تھی، نورینہ کی شادی پر بھابھی چونکہ اپنی والدہ کی وفات کی وجہ سے شہر سے باہر تھیں، اس لئے وہ نورینہ کے سسرال میں زیادہ لوگوں کو جانتی نہیں تھیں۔

ہلکے براؤن رنگ کے خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس ہلکا سا میک اپ کیے وہ عام سی مگر پھر بھی زرینہ سے بہتر لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ؟'' بھابھی چونکہ اس سے پہلی بار مل رہی تھیں اس لئے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کچھ زیادہ ہی کر رہی تھیں نورینہ نے البتہ ہلکے سے چہرہ پھیر لیا۔

''جی اللہ کا شکر ہے، میں بس ابھی کالج سے آئی تھی تو سوچا نورینہ کا حال پوچھ کر ہی اپنے پورشن میں جاؤں، کیسی ہو نورینہ؟'' وہ اپنے بچے کو گود میں بٹھاتے ہوئے بولی۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' نورینہ نے لگا لپٹا جواب دیا۔

''چلو اللہ پاک تمہیں صحت دیں اور خیریت سے گود بھرنے۔'' وہ دعا دینے کے انداز میں بولی، کچھ ہی دیر بعد اس کا موبائل بجنے لگا، وہ

معذرت کرتی بچے کو لئے اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔
''دیکھا آپ نے ویسے تو کبھی اس طرف کا رخ بھی نہیں کیا، کالج سے سیدھی اپنے پورشن کی طرف بڑھ جاتی ہے آج چسکا لینے آ گئی۔'' نورینہ نے غصے سے کہا۔
''وہ کہہ تو رہی تھی کہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آتی ہے۔'' بھابھی نے اسے منفی سوچنے سے باز رہنے کے لئے کہا۔
''سب جانتی ہوں میں، نیا سوٹ دکھانے

آئی تھی۔'' وہ واقعی کڑھ رہی تھی۔
''شاید تم اس سے حسد کر رہی ہو زرینہ، یہ آگ تمہیں جلا کر بھسم کر دے گی، نقصان تمہارا ہی ہوگا۔'' بھابھی نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔
''میں اور حسد، نہیں بس، یونہی، مجھے لگتا ہے کہ اس کی زندگی مجھ سے بہتر ہے اور شاید میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کی وجہ کیا ہے۔'' وہ آنکھیں موندھ گئی۔

☆☆☆

نورینہ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو سب ہاسپٹل میں باری باری مبارک دینے آئے، شبنم نے پہلے فون پر مبارک دی اور پھر وہ اسکول سے واپسی پر مٹھائی کا ڈبہ لئے اسرار کے ساتھ ہاسپٹل بھی آئی۔
''بہت مبارک ہو، ماشاء اللہ۔'' اس نے بچی کے ماتھے پر پیار دیا، اس لمحے تو نورینہ کی بھابھی کو وہ بے حد مخلص سادہ اور اپنی زندگی جینے والی لڑکی لگی، اسرار نے جیب سے پانچ سو روپے نکال کر بچی کے پاس رکھے۔
''رہنے دیں گھر آئیں گے دے دینا۔'' نورینہ نے مروتاً کہا۔
''گھر آؤ گی تو انشاء اللہ پھر سے خوشی کریں گے۔'' شبنم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''میں کلاس لے رہی تھی تو اسرار میسج کیا مجھے، میں نے کلاس سے نکلتے ہی ابرار بھائی کو مبارک کا فون کیا۔'' وہ بہت نرمی سے بات کرتی تھی، بھابھی دیکھ رہی تھیں کہ نورینہ کے چہرے پہ اتار چڑھاؤ اس کے اندرونی جذبات و احساسات کی غمازی کر رہے تھے، وہ چلے گئے تو وہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔
''اچھی لڑکی ہے شبنم، مخلص اور خوش اخلاق۔'' وہ دوائیاں ترتیب سے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔
''رہنے دیں بھابھی، سب ڈرامہ ہے، اصل میں تو وہ مجھے یہ جتانے آئی تھیں کہ میں سرکاری ہسپتال میں پڑی ہوں، وہ تماشہ دیکھنے آئی تھیں، ان کے دونوں بچے مہنگے پرائیوٹ ہسپتال میں پیدا ہوئے ہیں۔'' اس کی وہی سوچ۔
''ظاہری بات ہے وہ اپنا کماتی ہے اور جو عورت اپنا کماتی ہے وہ زندگی کے ہر معاملے میں مرد کی مدد کرتی ہے ہاں اگر اس کا مقصد اپنے گھر کی خوش حالی ہو اور یقیناً شبنم نے ایسا ہی کیا ہوگا ہو سکتا ہے اگر وہ جاب نہ کرتی ہوتی تو تمہاری طرح اسرار بھی اسے ڈلیوری کے لئے سرکاری ہسپتال میں ہی لاتا۔'' بھابھی اسے طریقے سے سمجھانے لگیں۔
''ہوں...... شاید۔'' وہ آنکھیں موندھ گئیں۔
اگلے دن وہ ڈسچارج ہو کر گھر چلی آئی، گھر میں خوب رونق تھی، ساس بھی خوش تھی، دونوں نندیں بھی آئی ہوئی تھیں، بھابھی کا یہی ارادہ تھا کہ آج دوپہر تک وہ واپس چلی جائیں گی، وہ خود بہت مخلص اور سب کی ہمدرد تھیں شاید اسی لئے انہیں شبنم میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی، وہ نورینہ کو بھی اس حسد جیسی برائی سے بچانا چاہتی تھیں۔
''میں چلتی ہوں اب تین دن ہو گئے گھر سے آئے۔'' اگلے دن بھابھی نے اپنا بیگ اٹھایا، کھانے سے فراغت کے بعد وہ جانے کے لئے تھیں، دروازے پر ہی انہیں شبنم مل گئی۔
''بہت شکریہ آپ کا، ذمہ داری ہم لوگوں کی تھی نورینہ کو سنبھالنا مگر ایک تو مجھ چھٹی نہیں مل سکی اور دوسرا نورینہ کا اپنا خیال تھا کہ میکے سے کوئی اس کے ساتھ ہوسپٹل جائے۔'' وہ ہینڈ

بیگ سیڑھی پر رکھ کر گرل سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی یوں جیسے بہت تھکی ہوئی ہو۔

''اچھا، ایسا کہا تھا نورینہ نے؟'' بھابھی کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

''لڑکی ایسی حالت میں اپنوں کے قریب رہنا چاہتی ہے ناں اب دیکھیں ماشاء اللہ سے بیٹی آ گئی تو بھابھی کو بھی جانے کی اجازت مل گئی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی، نورینہ کمرے کی کھڑکی سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے بچے نظر نہیں آ رہے۔''

''وہ ایک گھنٹہ لیٹ آتے ہیں، دراصل میں کالج جاتے ہوئے بڑے کو اسکول چھوڑ دیتی ہوں اور چھوٹے کو ماما کی طرف، میری چھٹی ایک گھنٹہ پہلے ہو جاتی ہے، اسرار دونوں کو لے کر ایک گھنٹہ لیٹ آتے ہیں اتنے میں میں روٹی بنا لیتی ہوں بچوں کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔'' وہ اپنی مصروفیت بتانے لگی۔

''ہمت ہے آپ کی ویسے۔'' بھابھی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

''بس بچوں کے اچھے مستقبل اور گھر چلانے کے لئے کرنا پڑتا ہے، آئیں ناں چائے پی کر جائیں۔'' وہ اپنے پورشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں پھر کبھی سہی، آپ بھی بچوں کے آنے سے پہلے کھانا تیار کر لیں۔'' بھابھی اجازت لے کر چلی گئیں، شام میں نورینہ نے انہیں فون ملا دیا۔

''کیا باتیں ہو رہی تھیں شبنم کے ساتھ؟''

''کچھ نہیں بس وہ اپنی روٹین کے بارے میں بتا رہی تھی اور یہی کہہ رہی تھی کہ اسے چھٹی نہیں ملی ورنہ وہ تمہارا خیال خود رکھتی۔''

''اچھا کہہ تو ایسے رہی تھی جیسے سسرال والوں سے بڑی بنا کر رکھی ہوئی ہے اور بڑی خدمت گزار بہو ہے وہ۔'' نورینہ کا وہی انداز۔

''ایک بات کہوں نورینہ، بعض دفعہ انسان ویسا نہیں ہوتا جیسا ہم اسے سمجھ لیتے ہیں، کبھی کبھی حالات اور رویے انسان کو خاموش اور دوسروں سے دور کر دیتے ہیں، مجھے تو وہ بہت مخلص محنتی اور اچھی لڑکی لگی، تم خواہ مخواہ اس سے جلتی رہتی ہو۔'' بھابھی نے آخر میں تھوڑا ڈپٹ دیا۔

''میں جلتی ہوں اس سے، جلتی ہے میری جوتی۔'' اس نے غصے سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

صبح صبح شبنم نے واشنگ مشین لگا کر کپڑوں کی دھلائی کی، صافی ستھرائی سے فارغ ہو کر نہا دھو کر بچوں کو تیار کیا اور بازار چلی گئی، دو دن پہلے ہی سیلری ملی تھی، دو بجے اس کی واپسی ہوئی تھی، لدی پھندی، ایک دو شاپرز تو مہنگے مہنگے برانڈز کے تھے، وہ بچوں کے ساتھ اندر گھسی، صحن میں بیٹھے افراد کو سلام کر کے سیدھی اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنی اچھی ہوتی تو شاپنگ پہلے ساس کو دکھاتی۔'' نورینہ نے کڑھ کر سوچا، کچھ ہی دیر بعد اوپر والے پورشن میں بریانی کی خوشبو پھیل گئی، ابھی نورینہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ وہ صحن کا دروازہ کھول کر اس طرف آتی دکھائی دی، ایک ہاتھ میں گرم گرم دھواں اڑاتی بریانی کی بڑی سی ڈش تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاپر تھا۔

''السلام علیکم! کیسی ہے گڑیا رانی۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر وہیں نورینہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''یہ لیں امی، بریانی بنائی ہے، آج آپ کا پوتا فرمائش کر رہا تھا کہ ماما سنڈے ہے تو بریانی بناؤ۔'' اس نے ڈش ساس کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہاں ماشاء اللہ تمہارے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت ہے، خوشبو پھیلی ہوئی تھی سارے گھر میں۔'' اماں نے لیگ پیس توڑ کر چاولوں کا بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا، نورینہ کے دل پر جا کر لگی، وہ جو سارا دن لگی رہتی تھی اس کی تو کبھی جھوٹے منہ تعریف نہیں کی تھی۔

''اور یہ گڑیا کے لئے، میں صبح بازار گئی تھی بچوں کے کپڑے اور گھر کی ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں لینے تو سوچا کہ ننھی پری کے لئے بھی کچھ لے جاؤں۔'' اس نے ایک پیکٹ شاپر سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''بہت شکریہ ویسے ضرورت نہیں تھی۔'' نورینہ نے غور سے دیکھا، عام سی دکان کا نیو بارن بے بی (New born baby) سیٹ تھا، ایک سوٹ، ایک فیڈر، ایک سینڈل، ایک نیپکن اس نے ایک طرف رکھ دیا۔

''ضرورت کیوں نہیں تھی، تائی ہے، اپنی خوشی سے لائی ہے اور کوئی خوشی سے تحفہ دے تو شکریہ کہہ کر لیتے ہیں۔'' ساس نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''جی شکریہ ادا کر دیا۔'' اس نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں نے کھانا کھا لیا؟'' اماں نے مسلسل بریانی کھاتے ہوئے شبنم سے پوچھا۔

''نہیں بس اب میں چلتی ہوں، بچے کھانے کے لئے میرا انتظار کر رہے ہیں، ایک ہی دن ہوتا ہے چھٹی کا اور کاموں کا انبار ہوتا ہے، بس کھانا کھا کر استری لگا لوں گی سب کے ہفتہ بھر کے کپڑے ہیں استری والے۔'' وہ اٹھ گئی، نورینہ نے اسی زبردستی مسکراہٹ کے ساتھ اس پر الوداعی نظر ڈالی تھی۔

رات کو اسرار بھائی آئے تو وہ لوگ کہیں جانے کو تیار تھے۔

''چلیں بابا، ماما کو سیلری ملی ہے تو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔'' شبنم کا بیٹا ابراہیم اسرار کو دیکھتے ہی ضد کرنے لگا، وہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے اسے بٹھا رہا تھا جب شبنم بھی چھوٹے بیٹے کا ہاتھ تھامے جانے کے لئے تیار تھی، ریڈی میڈ اسٹائلش سے سوٹ میں ہلکا پھلکا میک اپ کیے وہ واقعی خوبصورت لگ رہی تھی، ایک آگ سی نورینہ کے اندر بھڑکی تھی، ابرار تو اسے آج تک کہیں باہر نہیں لے کر گیا تھا، کبھی جو اس نے فرمائش کی بھی تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ گھر میں باقی سب کیا کہیں گے؟ رات گئے وہ لوگ ہنستے مسکراتے اندر گھسے تھے، ایک دوسرے کو محبت سے دیکھتے شبنم اور اسرار اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئے، چھوٹا بچہ سو چکا تھا اسے اسرار نے کندھے سے لگایا ہوا تھا جبکہ ابراہیم باپ کی انگلی تھامے اونگھ رہا تھا۔

''سو گئیں امی؟'' وہ کچھ دیر بعد اپنے پورشن سے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے وضو کر کے نماز کی حالت میں دوپٹہ لپیٹے واپس آئی تھی، ہاتھ میں آئس کریم کا ڈبہ تھا۔

''نہیں نہیں جاگ رہی ہوں، کیا ہوا؟'' امی نے غنودگی سے آنکھیں کھولتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''آپ کو قلفہ اچھا لگتا ہے تو میں یہ کھویا قلفہ لائی تھی آپ کے لئے۔'' وہ برآمدے میں رکھے فریج کو کھول کر قلفہ رکھتے ہوئے انہیں مطلع کر رہی تھی۔

''جیتی رہو، اللہ خوش رکھے، آباد رکھے۔'' وہ مسکرا کر دعا دینے لگیں۔

''وہ دراصل میری سیلری میں انکریمنٹ لگا ہے مطلب تنخواہ بڑھی ہے تو میں سب کو آئس کریم

کھلا کر لائی ہوں سوچا آپ لوگوں کے لئے بھی لے لوں۔'' وہ واپس پلٹتے ہوئے بولی۔

''بچوں کو سلا کر نماز پڑھ کر آئی ہوں۔'' وہ ان کے بیٹھنے کے اشارے کے جواب میں بولی تھی۔

اس کے جانے کے بعد نورینہ نے غور سے ساس کے چہرے کو دیکھا تھا، ان کے چہرے پر اس کے لئے کسی قسم کی ناپسندیدگی نہیں تھی۔

☆☆☆

''کتنی اچھی زندگی ہے شبنم کی، اپنی مرضی سے اٹھتی ہے، مرضی سے سوتی ہے، جب جی چاہا کھانا بنا لیا، جب جی چاہا بازار چلی گئی، میاں ایک اشارے پر گھمانے لے جاتا ہے، ایک سے ایک بڑھیا اور مہنگے کپڑے پہنتی ہے۔'' نورینہ بہت دنوں بعد بھابھی سے فون پر ساری باتیں کر کے دل ہلکا کر رہی تھی۔

''وہ اپنا کماتی ہے نورینہ، یہ بھی تو دیکھو کہ وہ صبح سویرے منہ اندھیرے اٹھ کر ناشتہ بناتی ہے، بچوں کو تیار کرتی ہے میاں کو تیار کروا کر کام پر بھیجتی ہے، پھر شام ڈھلے تک بے چاری واپس آتی ہے، آتے ہی گھر کے کام، اس کی زندگی تو گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلتی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ کتنی اچھی زندگی ہے شبنم کی۔'' بھابھی نے اسے ایک بار پھر سمجھانا چاہا۔

''مگر یہ بھی تو دیکھیں وہ یہ ساس نندوں کے جھنجٹ سے آزاد ہے۔'' نورینہ اصل بات کی طرف آئی۔

''میرا خیال ہے نورینہ کی وہ خود ان رشتوں سے دور نہیں ہوئی بلکہ اسے کیا گیا ہے، اس جیسی لڑکی رشتوں کو جوڑ کر رکھنے والی ہوتی ہے، دور کرنے والی نہیں، تم خود ہی بتا رہی تھی کہ وہ جب بھی بازار جاتی ہے گھر والوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لاتی ہے بھلا ایسا کر کے اب اس نے کس کا دل جیتنا ہے، تمہاری ساس کے پاس کون سی ایسی جائیداد ہے جسے ہتھیانے کے چکر میں وہ یہ سب کرے گی۔'' بھابھی اسے رسان سے سمجھانے لگیں۔

''ہوں کچھ تو ہوا ہے ایسا جس کی مجھے خبر نہیں اور جس پر یہ سب گھر والے شرمندہ ہیں مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

☆☆☆

سردیوں کی آمد آمد تھی، ایک سرد سی شام تھی، وہ دونوں نندوں اور ساس کے لئے چائے بنا رہی تھی جب اسرار بھائی اور شبنم ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لئے آئے۔

''ارے واہ بڑی رونق لگی ہے یہاں تو۔'' وہ نندوں کو دیکھتے ہوئے خوشی سے بولی، اندر چولہے کے آگے کھڑی نورینہ کا دل جلا تھا، نندیں بھی اسے دیکھتی خوش ہو گئی تھیں۔

''ارے مٹھائی کس خوشی میں بھئی۔'' اماں نے ڈبہ کھول کر گلاب جامن منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی دعاؤں سے ہم نے پلاٹ لیا ہے اماں، سات مرلے کا۔'' اسرار نے مٹھائی کی وجہ بتائی، باہر بیٹھے سب لوگوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

''سچی، کہاں، کب؟'' دونوں بہنیں خوشی سے نہال ہو رہی تھیں اندر نورینہ کے دل میں آگ مزید بھڑکی تھی۔

''بہت عرصے سے ہم دونوں کوشش کر رہے تھے، دونوں نے کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں، بس یوں سمجھیں چار پانچ سال سے اسی دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔'' اسرار نے وضاحت دی۔

''بہت بہت مبارک ہو بھئی۔''

''بس اماں، بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں، دو کمرے ہیں، ایک اسٹور بنا رکھا ہے اور ایک بیڈ روم، باورچی خانہ بھی برآمدے میں بنا رکھا ہے آپ کو تو پتہ ہے ناں کہ، آہستہ آہستہ جگہ تنگ ہی پڑے گی اور پھر جب سے ابرار کی بچی ہوئی ہے، ہم سوچ رہے تھے کہ انہیں بھی جگہ کی تنگی ہو جائے گی، آج ایک بچہ ہے کل کو دو ہو جائیں گے پھر بہنوں کا آنا جانا ہو تو جگہ اور بھی تنگ ہو جاتی ہے۔'' وہ ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے بڑے طریقے سے بات کر رہا تھا۔

''یعنی گھر بنانے کا ارادہ ہے۔'' وہ خوشی سے بولیں،

''جی اماں شبنم کا ارادہ ہے کہ زیور بیچ کر اور آگے پھر کمیٹیاں ڈال کر یا بنک سے لون لے کر گھر بنا لیں، آج بچے چھوٹے ہیں تو یہ کام ہم دونوں مل کر محنت اور بھاگ دوڑ سے کر لیں گے، بس آپ دعا کریں۔'' وہ چائے لے کر آئی تو ساری بات اسے بھی سنائی گئی، چہرے کے رنگ تو کچھ اور ہی تھے مگر مروتاً مبارک دے دی۔

☆☆☆

''رات میں نے ابرار سے بہت لڑائی کی، اسرار بھائی بیوی کی ہر بات مانتے ہیں، آج پلاٹ لیا ہے کل کو گھر بھی بن جائے گا، وہ اپنے گھر والی ہو جائے گی، مگر ابرار کی بھی وہی آپ کی زبان ہے کہ وہ اپنا کماتی ہے۔'' صبح وہ پھر فون پر جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

''نورینہ عقل کے ناخن لو، گھر بنانا آسان نہیں ہوتا، وہ دونوں بے چارے دن رات محنت کریں گے پائی پائی جوڑیں گے قرضہ لیں گے پھر کہیں جا کر بنے گا گھر، تم خود بتا ہی تھی کہ شبنم اپنا زیور بھی بیچ رہی ہے، بچھ کھو کر کچھ ملے گا انہیں اور تم، تم کتنی خوش قسمت کہ نہ ہینگ لگے گی نہ پھٹکڑی اور بیٹھے بٹھائے اس کا پورا پورشن مفت میں تمہیں مل جائے گا ایک کمرہ پہلے سے تمہارے پاس ہے، دو کمرے اور مل جائیں گے، برآمدہ واش روم، اپنی مرضی سے گھر سجا لینا، اور کچن تو آل ریڈی تمہارا ہے شبنم کے جانے کے بعد تو پورے گھر پر مکمل تمہارا راج ہوگا، جب جی چاہے اس پورشن میں رہو جب جی چاہے دوسرے میں۔'' وہ دل سے چاہتی تھیں کہ وہ حسد جیسی بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

''ہوں کہہ تو یہی رہے تھے کہ جب مکان بنا لیں گے تو یہ پورشن ہمارے لئے خالی کر دیں گے، میں گڑیا کا کمرہ سیٹ کر سکتی ہوں، اپنا فالتو سامان جو کمرے میں ٹھونسا ہوا ہے، وہ سیٹ کر کے ایک سٹنگ روم بنا سکتی ہوں۔'' وہ تھوڑی سی خوش ہوئی۔

''اچھا سنو، امی بلا رہی ہیں مجھے پھر بات کریں گے، کبھی چکر لگا لینا گھر امی یاد کر رہی ہیں تمہیں۔'' بھابی نے فون رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب نے دیکھا شبنم اور اسرار دن رات ایک کیے محنت کرتے رہے، اسرار بھائی نے اوور ٹائم لگانا شروع کر دیا، شبنم نے سکول سے واپسی کے بعد اپنے ہی سکول کے کچھ بچوں کو ٹیوشن دینا شروع کر دیا، اس نے اپنا سارا زیور بیچ دیا، بس کانوں میں چھوٹے چھوٹے بندے رہ گئے۔

''ابھی بچے چھوٹے ہیں اور انہیں میرے زیور کی نہیں ایک اچھے اور بڑے گھر کی ضرورت ہے۔'' وہ ایک دن ساس سے بات کر رہی تھی جب نورینہ کے کان میں یہ الفاظ پڑے۔

''جیتی رہو، تم نے بہت ساتھ دیا میرے اسرار کا وہ اکیلا تو یہ سب نہیں کر سکتا تھا۔''

''میں بیوی ہوں اسرار کی، فرض ہے میرا

اور ہاں اماں، ہم یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ایک مہینہ ہمارے پاس رہا کریں گی اور ایک مہینہ یہاں ابرار اور نورینہ کے پاس۔'' اس بات پہلی مرتبہ نورینہ کو اچھی لگی تھی، ساس کی موجودگی کی وجہ سے وہ اکثر ابرار کے ساتھ بیٹھ کر کوئی مووی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، باہر جانا اور آئس کریم کھانا تو بہت دور کی بات تھی۔

☆☆☆

کچھ ہی عرصے بعد مکان کا کام مکمل ہو گیا، وہ لوگ سامان پیک کرنے لگے، وہ کچن میں مصروف تھی، اماں آرام کر رہی تھیں جب شبنم چلی آئی۔

''سوچا تھوڑی دیر تمہارے ساتھ بات چیت کر لوں کل ہم لوگ شفٹ ہو جائیں گے تو پھر کم ہی موقع ملا کرے گا۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''ہوں۔'' اس کی خوشی چہرے سے عیاں تھی، وہ اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو رہی تھی، نورینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''میں نے پردے اور کارپٹ نہیں اٹھائے نورینہ، اور وال ڈیکوریشن بھی نہیں ہٹائی، گملے بھی اسرار نے سیمنٹ سے فکس کیے ہوئے تھے اور ہاں برآمدے میں سلیب کے نیچے سنگل چولہا بھی ہے، کبھی جو آدھی رات کو کچھ اپنی مرضی سے بنانے کو جی چاہے تو وہاں جا کر بنا لینا۔'' وہ اسے یوں بتا رہی تھی جیسے وہ اس کی سہیلی رہی ہو جس سے آج سے پہلے بھی وہ دل کی باتیں کرتی رہی ہو۔

''یہ لو پورشن کی چابیاں، اسرار نے امی کو دینے کو کہا تھا مگر میں نے امی سے اجازت لے کر تمہیں دے رہی ہوں کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی مرضی سے وہاں سامان سیٹ کر لو۔'' وہ چابیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی، نورینہ چند لمحے تو ساکت کھڑی رہی، کیا کہے کیا نہ کہے۔

''وہ بہت مخلص لڑکی ہے نورینہ۔'' بھابھی کے الفاظ سماعت میں گونجے تھے۔

''میں نے امی سے وعدہ لیا ہے کہ وہ ایک ماہ ہمارے پاس رہا کریں گی ایک ماہ تمہارے پاس، جب وہ ہماری طرف ہوں تو تم ابرار بھائی کے ساتھ آؤٹنگ کر لیا کرنا، ہماری طرف بھی چکر لگایا کرنا، بلکہ ہفتے کی رات کا کھانا ہماری طرف ہی ہوا کرے گا، اگلے دن سنڈے ہو گا تو مجھے بھی مزہ آئے گا سب کے آنے کا، صبح جلدی اٹھنے کی فکر نہیں ہو گی۔'' وہ اس کی مٹھی میں چابیاں دباتے ہوئے بولی، اس وقت وہ اسے بالکل اپنی بہن کی طرح لگی جو دل کی ہر بات بنا کہے ہی سمجھ گئی تھی، وہ اس سے حسد کرتی رہی تھی جو خود کو مشکل میں ڈال کر دن رات محنت کر کے اسے آسانی دے کر جا رہی تھی۔

''اور ہاں میں جا کر سیٹ ہو جاؤں تو شاید اگلے جمعہ کو قرآن شریف کا ختم رکھوں گی، تم سب صبح ہی آ جانا اور تم اپنی امی اور بھابھی کو بھی ضرور لے کر آنا۔'' وہ جاتے جاتے یاد دہانی کروا کر گئی۔

''ہوں ضرور۔'' وہ جیسے ابھی تک ناسمجھی کی حالت میں تھی۔

☆☆☆

وہ لوگ، شفٹ ہو گئے، جمعہ کے روز سب جانے کے لئے تیار تھے، اس نے بھابھی اور امی کو بھی بلا لیا تھا، دونوں نندیں بھی اپنے سب گھر والوں کے ساتھ مدعو تھیں، ابرار گاڑی لے آیا، تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ سب ایک خوبصورت سے مکان کے سامنے تھے، گیٹ سے

اندر گھستے ہی چھوٹا سا لان تھا، خوبصورت پھول پودوں سے سجا لان جس میں کرسیاں بچھائی گئی تھیں، ماربل کا فرش خوبصورت مگر سادہ سا نقشہ، ایک آگ سی پھر دل میں سلگنے لگی۔

''اس کے نصیب میں نیا اور الگ گھر اور مجھے اس کی دی گئی خیرات۔'' حسد کی چنگاری بجھی نہیں تھی، منہ کے آگے سپارہ کھولے وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی، قرآن شریف پڑھ کر فارغ ہوئے تو کھانے کی دیگیں آ گئیں، دعا کی گئی اور پھر سب کھانا کھانے لگے، نورینہ دیکھ رہی تھی شبنم بہت تازہ دم اور نکھری نکھری لگ رہی تھی، چند ہی دنوں میں صحت بھی کافی بہتر ہوئی تھی۔

باری باری سب مبارک دے کر چلے گئے تو اس نے سب گھر والوں کو زبردستی روک لیا۔

''میں چائے بناتی ہوں، سب مل کر چائے پیتے ہیں، اب تو بس ہم اپنے ہی ہیں ناں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کچن میں چلی گئی، جدید انداز کے لئے کچن میں کام کرتی شبنم کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی اسے محنت کا پھل ملا تھا۔

''بھئی میں تو اب رکوں گی کچھ دن۔'' اماں نے واپسی پر انکار کر دیا، نورینہ اور ابرار واپس آ گئے، گھر میں یکدم خاموشی اور ویرانی سی ہو گئی تھی، ابرار کے کام پر جاتے ہی وہ موبائل کان سے لگائے شبنم کے پورشن میں آ گئی۔

''شاید وہ پہلے دن سے الگ گھر بنانے کے لئے محنت کر رہی تھی اسی لئے اس پورشن کی صفائی اور رنگ و روغن کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی، سارا پیسہ وہاں کے لئے جوڑتی رہی۔'' نورینہ نے عادت سے مجبور ہو کر بھابھی کو کال ملا دی، اب بلاوجہ کی بات نکال رہی تھی۔

''ماشاء اللہ گھر تو بہت پیارا بنایا ہے دونوں نے، نقشہ بھی بہت خوبصورت ہے اور ڈیکوریٹ بھی بہت اچھا کیا ہے۔'' بھابھی حسب سابق اس کی سوچ کو مثبت راہ پر لانا چاہتی تھیں۔

''ہوں بھئی قسمت کی بات ہے۔''

''میں پہلے بھی کہتی تھی نورینہ اور ابھی بھی کہتی ہوں، تمہاری قسمت میری نظر میں، اس سے زیادہ اچھی ہے، تم ساس اور نندوں کے ساتھ ان سب کی فیملی کا حصہ بن کر رہتی ہو، تمہیں صبح سویرے نیند چھوڑ کر کمائی کی غرض سے گھر سے نکلنا نہیں پڑتا، تمہیں سارے دن کی محنت کے بعد گھر واپس آ کر کسی روٹین کی طرح سارے کام نہیں نبٹانے پڑتے، رہ گئی گھر کی بات تو تمہیں تو سارا سسرالی گھر مل گیا۔''

''ہوں، اس گھر میں وہ بھی برابر کی حصے دار ہے۔'' اس کی وہی جلن۔

''اللہ تمہاری ساس کو زندگی دے نورینہ، وہ اپنی زندگی میں تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھیں گی اور بعد میں بھی تم بے چھت نہیں ہو گی، تمہارا شوہر ابرار بھی حصہ دار ہے اس گھر میں، مثبت سوچ اپناؤ پیاری نند۔'' بھابھی نے ذرا لاڈ سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''بس مجھے خود سمجھ نہیں آتی کہ میں ہر وقت اس کے بارے میں کیوں سوچتی رہتی ہوں؟ اس کی زندگی مجھے اپنی زندگی سے بہتر کیوں لگتی ہے؟''

''یہ حسد ہے نورینہ، ابھی سے اس آگ کو خوب سارا ٹھنڈا پانی ڈال کر بجھا دو ورنہ یہ تمہیں جلا کر راکھ کر دے گی، نقصان تمہارا ہی ہو گا۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ ہر ماننے کو تیار نہیں تھی کہ یہ حسد ہے۔

☆☆☆

وہ نماز ادا کر کے فارغ ہوئیں تو شبنم شام کی چائے وہیں لان میں لے آئی، دونوں بچے

اندر ٹی وی لاؤنج میں کارٹون دیکھ رہے تھے۔

''اللہ کا شکر ہے بھئی تم لوگ وقت پر اپنا گھر بنا کر فارغ ہو گئے ابھی بچے چھوٹے ہیں، دونوں کی محنت رنگ لائی۔'' اماں بہت خوش تھیں۔

''جی اماں، بس یہی سوچ کر کے بچے بڑے ہو گئے تو وہاں سب کے لئے بہت مشکل ہو جائے گی۔''

''ہاں سوچ رہی ہوں کہ بیٹیوں کو گاؤں والا مکان دے کر حصے دے دوں اور یہ مکان فی الحال ابرار اور نورینہ کے حوالے کر دوں، تم لوگوں کا حصہ تو رہے گا اس مکان میں۔''

''اسرار کہہ رہے تھے کہ ابرار کو اللہ تعالیٰ نے بیٹی دی ہے اور بیٹی کے پیدا ہوتے ہی باپ کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھ جاتا ہے، اگر چہ زمانہ بہت بدل چکا ہے بیٹی بھی بیٹے سے کسی طور کم نہیں مگر ہمیں بھی بیٹی کے لئے کچھ کرنا ہے ناں، اسی لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اس مکان سے حصہ نہیں لیں گے۔'' وہ اماں سے بات کر رہی تھی اور گیٹ سے اندر داخل ہوتی نورینہ جیسے ساکت ہو گئی، شبنم کو تو واقعی کوئی غرض نہیں تھی، وہ خود کو اونچا ثابت کرنے کے لئے اسے چابیاں دے کر نہیں آئی تھی بلکہ وہ تو اسے حقوق ملکیت دے آئی تھی۔

''جیتی رہو بیٹی، تم نے تو وہ کچھ سہا ہے جو کوئی اور ہوتی تو کبھی نہ سہتی۔'' ساس کے منہ سے بہو کے لئے ایسے الفاظ نورینہ نے پہلی مرتبہ سنے تھے، عموماً ایسے الفاظ ماؤں کے منہ سے سننے کو ملتے ہیں، وہ جو ساس کو لینے آئی تھی، وہیں سے واپس ہو گئی، وہ خود ابرار کی سیکنڈ کزن تھی جب سے بیاہ کر آئی تھی، گھر والوں کا رویہ ویسا ہی تھا جیسا عموماً سسرال والوں کا ہوتا ہے مگر شبنم دور رہ کر بھی اپنی مرضی کی زندگی جی کر بھی ان سب کو عزیز تھی، کیوں کیا صرف اس لئے کہ وہ پیسوں سے رشتے خریدنا جانتی تھی، گفٹ دے کر یا کچھ اچھا کھلا پلا کر وہ ان سب کو اپنا گرویدہ کر لیتی تھی، گھر پہنچی تو بڑی نند آئی بیٹھی تھی۔

''تم اکیلی ہی آ گئی نورینہ، اماں تو کہہ رہی تھیں کہ تم نے بازار جانا ہے اور واپسی پر اماں کو بھی لیتی آؤ گی۔'' بشریٰ آپا اسے اکیلے دیکھ کر فکر مندی سے بولیں۔

''جی آپا بس طبیعت کچھ ست سی ہو رہی تھی، یو یہاں قریب سے ہی سامان لے کر آ گئی، ابرار کو فون کر دیا ہے وہ شام کو آفس سے واپسی پر اماں کو لیتے آئیں گے۔'' وہ سبزی کا شاپر رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟ زیادہ طبیعت خراب ہے؟'' آپا نے اس کے کندھے سے لگی ننھی کو پکڑ کر بستر پر لٹا دیا۔

''نہیں...... بس۔'' وہ چادر اتار کر دوپٹہ درست کرتی باورچی خانے کی طرف چل دی۔

''میں تو سوچ کر آئی تھی کہ آج تمہیں مدد کروا دوں گی شبنم والا پورشن صاف اور سیٹ کروانے میں، مگر اب تمہاری طبیعت خراب ہے تو۔'' آپا وہیں اس کے پیچھے چلی آئیں۔

''ہوں...... کر لیں گے صاف۔'' وہ چائے کے لئے پانی رکھنے لگی۔

''تم بیٹھو میں بناتی ہوں چائے، میں آتے ہوئے گھر سے چاٹ بھی بنا کر لائی تھی اور کباب بھی۔'' بشریٰ آپا نے اسے کرسی پہ بٹھا دیا۔

''اپنا خیال رکھا کرو، دودھ پیتی بچی ہے تمہاری اپنا خیال رکھو گی تو سارا گھر سنبھال سکو گی، رنگ دیکھو اپنا کیسا زرد ہو رہا ہے۔'' آپا نے ڈپٹ کر کہا۔

''شکر خدا کسی کو میں بھی نظر تو آئی، ورنہ تو

شبنم سے فرصت ہی کہاں تھی کسی کو۔" اس کے لبوں سے شکوہ پھسلا، آپا کے حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔

"یہ شبنم کہاں آ گئی بیچ میں، بات کیا ہے نورینہ؟" آپا چائے دم پر رکھ کر اس کی طرف مڑیں۔

"کچھ نہیں، بس یونہی۔" بے اختیار ہی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا ہوا زرینہ، کھل کر بات کرو، کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟ ابرار سے جھگڑا ہوا ہے یا اماں نے کچھ کہا ہے؟" بشریٰ آپا فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں، کچھ نہیں، بس یونہی، جسے دیکھو شبنم کی تعریف، اس کا سلیقہ، اس کا سگھڑاپا، اس کی محنت اس کا صبر اور میں، میں کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی، صبر تو میں نے بھی کیا ہے، اوپر سے اس کی قسمت کہ ہر معاملے میں خود مختار ہے، مگر پھر بھی سب کی زبانوں پر اسی کا نام ہے۔" وہ پھٹ پڑی جیسے بھابھی کے سامنے اس کا ایک ہی رونا ہوتا تھا، بھول گئی کہ سامنے بھابھی نہیں بلکہ اس کی نند تھی۔

"تم اس سے حسد کر رہی ہو زرینہ؟" بشریٰ آپا کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

"نہیں...... پتہ نہیں...... شاید۔" وہ آنسو صاف کرنے لگی۔

"شاید نہیں...... یقیناً...... تم کچھ جانتی ہو اس کے بارے میں، تم کتنی خوش قسمت ہو، اس کا اندازہ تمہیں ذرا برابر بھی نہیں اگر ہوتا تو یہ بات نہ کرتی، ہاں ہم سب اس کی قدر کرتے ہیں، بے حد قدر کرتے ہیں، مگر یہ قدر بھی ہم سب کو پہلے دن سے نہیں آئی، اس کے ساتھ ہم سب نے جو سلوک کیا، اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم اپنی زندگی اور اپنے حالات پر شکر ادا کرو، ہاں آج اگر اس کا اپنا گھر ہے تو شاید یہ انہی مشکل دنوں کے صبر کا پھل ہے۔" آپا نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"آخر کیا ہوا ایسا؟" وہ متجسس ہوئی۔

"سب بتاتی ہوں، تم پہلے ہاتھ منہ دھو کر چائے پیو، پھر چلتے ہیں اس کے پورشن میں۔" آپا نے اس کے ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے پیالیوں میں چائے ڈالنے لگیں۔

☆☆☆

شبنم اسرار کے دفتر میں کام کرتی تھی، بہت بڑے خاندان سے تعلق ہے اس کا، پڑھے لکھے اور دولت والے لوگ، شبنم نے شوقیہ ملازمت کی اور اس عرصے میں اسے اسرار پسند آ گیا، اس نے شوق پورا ہونے کے بعد نوکری تو چھوڑ دی مگر اسرار سے رابطہ رکھا اور خود اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، اسرار نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کے اور ہمارے خاندان بھی زمین آسمان کا فرق ہے، شبنم روپے پیسے اور مادی اشیاء کی بجائے انسانوں کی قدر کرنے والی لڑکی تھی، اس نے اسرار کو یقین دلایا کہ وہ کبھی شکوہ نہیں کرے گی، اسرار نے اماں سے ذکر کیا اور اماں نے ابا سے مگر ابا اسرار کے لئے اپنی بھانجی کا سوچے بیٹھے تھے، ان دنوں میرا نکاح بھی ہو چکا تھا اور چھوٹی اذکیٰ کی پڑھائی بھی مکمل ہو چکی تھی۔

"ذرا سوچیں تو سہی، دونوں بیٹیوں کی ذمہ داری آپ کی معمولی سی پنشن اور اسرار کی تنخواہ سے کیسے ادا ہو سکے گی، آپ ابرار کی دفعہ اپنی مرضی سے بہو لے آئیے گا، یہی سمجھیں کہ اللہ نے خود اس لڑکی کو سبیل بنایا ہے، ڈھیروں جہیز لائے گی، زیور لائے گی نوکری کرے گی اور پھر اپنے شوہر کی محبت میں ہمارا بوجھ بھی ہلکا کرے گی۔"

اماں نے ابا کو رام تو کرلیا مگر ابا کے دل میں کہیں نہ کہیں شبنم کے لئے ان دیکھے ہی نفرت پیدا ہو گئی، شبنم نے اپنے ماں باپ کو کیسے راضی کیا نہ ہم نے پوچھا نہ اس نے بتایا، ہم لوگ بارات لے کر جب شادی ہال پہنچے تو وہاں سب نے ہمیں بہت عزت دی، اگلے دن ہماری طرف سے ولیمہ بس عام سا ہی ہوا، یہیں گھر کے قریب شامیانے لگا کر، شبنم کے قریبی رشتہ دار ہی آئے، تب پہلی بار شبنم ہم سب کے لئے اپنے میکے والوں سے لڑی۔

''اگر نہیں آسکتے تھے یہ ان تنگ گلیوں میں تو نہ لے کر آتے آپ، میری خوشیوں میں یہ سب نہ بھی شریک ہوتے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔'' اس لمحے میں نے سوچا کیسے ایک دن میں ہم سب اس کے لئے اتنے عزیز ہو گئے کہ یہ ہماری عزت کی خاطر اپنوں کی مخالفت کر رہی ہے، شبنم کے والدین بھی بیٹی کو ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں دیتے ہمارے اس چھوٹے سے گھر سے خاموشی سے چلے گئے، ابا نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ نہ تو دلہن کا کمرہ سجایا جائے گا نہ منہ دکھائی دی جائے گی اور نہ شادی کے بعد سیر سپاٹا ہوگا، ابا اسے پہلے دن سے ٹف ٹائم دینا چاہتے تھے، وہ شاید یہ باور کروانا چاہتے تھے کہ محبت کرنا آسان مگر نبھانا بہت مشکل ہے اور یہ بھی کہ اسرار کی پسند اس گھر میں کبھی فٹ نہیں ہو سکے گی بھاگ جائے گی مشکلوں سے گھبرا کر تب وہ کہہ سکیں گے کہ دیکھا یہ ہی ہونا تھا۔

شبنم ابا کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اس کی بری کے کپڑے، زیور سب واپس لے لیا گیا یہاں تک کہ جہیز کا زیور بھی لے لیا گیا، بس کچھ ضروری اور استعمال کی چیزیں اس کے پاس رہ گئیں، ابا نے صاف منع کر دیا کہ وہ گھر کے کسی کام میں حصہ نہیں لے گی، مطلب گھر کے معاملات، شادی بیاہ کے فیصلے وغیرہ، اسے کسی ملازمہ کی طرح سارا سارا دن کام پر لگائے رکھا، وہ امید سے ہوئی تو ابا نے اسرار سے ساری تنخواہ لینی شروع کر دی، شبنم نے نوکری کی اجازت مانگی تو ابا اور اماں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ ہمارے خاندان کی عورتیں گھر سے باہر کمانے کے لئے نہیں جاتیں، کھانے کے نام پر اسے جان بوجھ کر دال سبزی ہی کھلائی جاتی، کبھی جو اماں کہتیں کہ اس عرصے میں اسے اچھی خوراک کی ضرورت ہے تو ابا غصے سے صحن کے درمیان کھڑے ہو کر کہتے۔

''روز روز گوشت نہیں بھن سکتا اس گھر میں۔'' وہ بہت صبر میں رہی، میں اور اماں ابا کے ڈر سے خاموش رہتیں اور اسرار کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی، اس کی نظروں کے سامنے اس کی بیوی کے ساتھ برا سلوک ہو رہا تھا اس نے اف تک نہ کی، وہ ہنستی مسکراتے پر رونق چہرے والی شبنم مرجھا سی گئی، ڈیلیوری کے اخراجات کے لئے اسرار نے کچھ رقم رکھنے کی کوشش کی تو ابا برس پڑے۔

''سرکاری ہسپتال لے جاؤ، نواب زادی کو۔'' اور تب شبنم نے اپنے جھمکے بیچ کر پرائیوٹ ہسپتال کا خرچہ ادا کیا، ابا بچے کو اور بہو کو دیکھنے ہسپتال نہیں گئے، وہ گھر آئی تو ابا نے رسماً بھی مبارک باد دینا ضروری نہ سمجھا، اب تو ابا کو اور بھی موقع مل گیا، کبھی بچے کے ڈائپر کوڑے میں دیکھ کر شور مچا دیتے اور کبھی اس کے بکھرے کھلونے دیکھ کر۔

''یہ گھر ہے یا کوڑے کا میدان۔'' پھر ایک نیا شور اٹھا دیا ابا نے، شبنم اور اسرار کو الگ کر دینے کا واویلا۔

"حد کرتے ہیں آپ، ایک ایک بہو، اسے الگ کیسے کر دیں۔" اماں نے نکتہ اٹھایا۔

"کیوں...... کیوں الگ نہیں ہو سکتے، بس مجھے اس لڑکی کا چہرہ دیکھ کر اپنی شکست یاد آتی ہے، جو تم سب نے مل کر دلوائی ہے مجھے، میں اپنی بہن کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، مجھے اس لڑکی کا چہرہ دکھائی نہ دے، الگ کرو اسے، بہت برداشت کرلیا میں نے اسے۔" وہ فیصلہ کر چکے تھے، اگرچہ شبنم الگ ہونا نہیں چاہتی تھی اس نے ابا سے معافی بھی مانگی اپنے ناکردہ گناہوں کی پر ابا نے اسے منہ پر بدکردار اور گری ہوئی عورت کہہ دیا جو نوکری کے نام پر شوہر تلاش کرتی پھر رہی تھی، اسرار خاموشی سے اسے ابا کے قدموں سے اٹھا کر لے گیا، وہ بالکل خاموش تھی نہ کوئی گلہ نہ شکوہ، نہ کوئی ناراضگی کا اظہار، کچھ دن وہ کچن سیٹ نہ کر سکی تو ابا جان بوجھ کر اسرار کو رات کے کھانے کے لئے روک لیتے، وہاں وہ اکیلی بھوکی بیٹھی رہتی، اسرار کا دل وہاں اپنے پورشن کی طرف انکار رہتا مگر ابا کے ڈر سے نوالے حلق میں اتارتا رہتا، رات گئے یا تو باہر سے اس کے لئے کچھ لے آتا یا یہاں سے سب کا بچا کھچا لے جاتا، اب جب وہ الگ ہوگئی تو ابا ان کے پورشن کا پانی بند کر دیتے، وہ گھبرا کر پوچھنے آتی تو غصے سے اماں کو کہتے۔

"اسے کہو واٹر سپلائی کا پانی استعمال کیا کرے۔" وہ خاموشی سے پلٹ جاتی، میری شادی کے بعد ابا بہت بیمار ہو گئے، اسی عرصے میں اسرار کی ملازمت بھی ختم ہوگئی، اور ابرار کے پاس بھی ابھی نوکری نہیں تھی، گھر کے حالات بہت خراب ہو گئے، ادھر شبنم پھر امید سے تھی، وہ ایک دو بار ابا کو دیکھنے آئی مگر انہوں نے منہ پھیر لیا۔" آپا بات کرتے کرتے لمحہ بھر کو رکیں، نورینہ جو سنتے سنتے آنکھوں کے نم گوشے صاف کر رہی تھی دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی، وہ بنا کچھ جانے شبنم سے حسد کر رہی تھی، شبنم تو کبھی بھی ان لوگوں کے لئے پسندیدہ ہستی نہیں رہی تھی، وہ تو پہلے دن سے ان چاہی تھی، اسے ہر روز دھتکارا گیا اور وہ صبر شکر کے ساتھ اپنی محبت نبھاتی رہی۔

"ابا کے علاج کے لئے مشکل ہوئی تو شبنم نے ہی قدم اٹھایا اس نے نوکری کر لی، وہ اس حال میں بھی کام کرنے لگی، ابا کی دوائیاں، خوراک سب اس نے اپنے ذمے لے لیا، ان کی صحت کے لئے وہ اپنا آپ بھول گئی، شاید وہ اسی طرح ان کے دل میں جگہ بنانا چاہتی تھی، دوسرا بچہ پیدا ہوا تو اسے نوکری چھوڑنی پڑی، مگر وہ ابا کے لئے ابھی بھی فکر مند تھی، ابا ہاسپٹل داخل ہوئے تو اس نے اخراجات کے لئے اپنی ساری کمیٹی اماں کے ہاتھ پر لا رکھی، ابا نے جب اخراجات کے سلسلے میں اماں سے استفسار کیا تو اماں نے سب صاف صاف بتا دیا، وہی کر رہی ہے سب جسے آپ ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتے، دن رت آپ کی فکر میں محنت کی ہے اس نے، ہم تو مقروض ہو گئے اس کے، زبان پر کبھی شکوہ نہیں لائی مگر انسان ہے دل تو دکھایا ہے ہم سب نے اس کا، ناقدری تو کی ہے ہم نے اس کی محبت کی، اس کا قصور کیا ہے اسرار کے ابا، ہمارے بیٹے سے پسند کی شادی، ہم نے تو اس محبت کو اس کے لئے امتحان بنا دیا، مگر وہ خاموشی سے سہتی رہی سب۔" اماں نے سب کہہ دیا تب ابا کی آنکھوں سے آنسو نکلے، شبنم کو بلا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، وہ بھی رو پڑی، شاید وہ اسی دن کی منتظر تھی، ابا اس کے بعد تقریباً ایک سال زندہ رہے، وہ شبنم سے نظریں چرائے رہتے مگر اس کے لئے یہی بہت تھا کہ اب وہ اس کے سلام کا

جواب دیتے تھے، ابا کی وفات کے بعد اس نے ازکی کی شادی کے لئے بھی بہت کچھ کیا، سب کو اس کی قدر آ گئی مگر وہ وقت جو اس نے اذیت میں کاٹا، ہم سب آج بھی اس پر شرمندہ ہیں، تم تم اس سے حسد محسوس کر رہی تھی، تم تو شکر ادا کرو نورینہ کہ تمہیں اس گھر میں خوشی سے استقبال کیا گیا، تمہارا پہلے دن سے ایک مقام رہا، تمہیں بھوکا نہیں رہنا پڑا، تمہیں اپنے اور اپنی بچی کے اخراجات کے لئے باہر کی ٹھوکریں نہیں کھانی پڑیں، تمہیں کسی کی نفرت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، تمہیں اپنے شوہر سے محبت ثابت کرنے کے لئے اس کے گھر والوں کی نفرت اور عناد برداشت کرنا نہیں پڑا۔'' آپا نے ساتھ ساتھ سارے پورشن کا جائزہ لیا، نورینہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''اور اس کے ماں باپ؟''

''وہ میکے جاتی تھی مگر شاید ان سب باتوں سے بے خبر رکھتی تھی ابا کی بیماری کے دوران اس کے میکے سے خیریت کے لئے فون آتا رہتا تھا۔''

''اور اب...... اب بھی وہ سب کچھ تمہیں دے گئی، تم اس گھر میں ابرار کی دلہن بن کر آؤ یہ بھی ابا کی مرضی تھی، اور وہ ابا کی پسندیدہ بہو کے لئے اس گھر کو خالی کر گئی۔'' آپا کی اپنی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''ایک بات کہوں نورینہ، کبھی بھی کسی کی آسائشیں اور مسکراتے چہرے دیکھ کر اس کی زندگی کو اپنی زندگی سے بہتر نہ سمجھنا، کیا خبر اس نے کیا کھویا ہے تو یہ سب پایا ہے۔'' آپا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا، وہ سوچنے لگی کہ اس کی تو سیج بھی سجی تھی اور منہ دکھائی بھی ملی تھی، وہ ہنی مون پر بھی گئی تھی اور گھر کے ہر معاملے میں پیش پیش بھی رہی تھی، وہ نہ کبھی بھوکی رہی تھی اور نہ کبھی اس کا پانی بند کیا گیا تھا، ''اُف'' وہ ایک جھرجھری سے کرا ٹھی۔

''یہ کون سا مہینہ ہے آپا!'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے آپا کی طرف مڑی۔

''نومبر جا رہا ہے، دسمبر کی کل یکم ہو گی۔''

آپا نے حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔

''یعنی نیا سال آ رہا ہے، میں نے بہت غلط سوچیں پال رکھی تھیں، ناشکری اور حسد جیسی بیماریوں میں مبتلا تھی مگر اب نہیں...... وہ واقعی بہت اچھی ہے، اور مجھے بھی اچھا بننا ہے اس جیسا اچھا، مجھے بھی محبتیں نبھانی ہیں۔'' وہ ایک جذبے سے اٹھی۔

''شاید شبنم کے ان حالات کے بارے میں جان کر میرے اندر کی آگ پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا ہے، میں شکر کرنا سیکھ گئی۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولتی آپا کی طرف مڑی۔

''چلیں آپا! اماں کو لینے چلتے ہیں اور شبنم سے بھی کہہ آتے ہیں، اتوار کو رات کا کھانا وہ لوگ یہیں کھائیں گے ہماری طرف، نیا سال آنے والا ہے اور آنے والے سال میں نہ نفرت، نہ حسد، بس محبت اور رشتوں کی قدر کرنی ہے۔'' وہ ایک عزم سے بولی، آپا مسکراتے ہوئے چادر اوڑھنے چل دیں۔

''بھابھی میں شبنم کو دعوت دینے جا رہی ہوں اور ہاں میں نے اندر کی آگ بھی بجھا دی ہمیشہ کے لئے۔'' اس نے جلدی جلدی بھابھی کا نمبر ملایا اور وہ سوچتی رہ گئیں، کہ یہ معجزہ کیسے ہو گیا، نیا سال آنے کو ہے، نورینہ نے تو حسد کی آگ بجھا کر اپنی ناشکری کو شکر میں بدل دیا آپ سب کا کیا ارادہ ہے؟؟؟

☆☆☆

نورین شاہد

''ابو! آپ کو کالے خان بلا رہے ہیں۔'' عاشر نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا، احمد لفظ کالے خان پر بھونچکا کر رہ گئے جبکہ فاطمہ اور ان کی ساس کی حالت بھی مختلف نہ تھی۔

''یہ تم نے کالے خان کس کو کہا؟'' احمد نے اپنے اکلوتے بیٹے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ابو! وہ جو آپ کو لینے آتے ہیں نا ان کو۔'' عاشر نے معصومیت سے جواب دیا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے مخصوص ہارن کی آواز سن کر انہیں آفس کے لئے نکلنا پڑا فاطمہ کے عاشر سے باز پرس کرنے سے پہلے عاشر کی سکول وین آگئی اور وہ بھی خدا حافظ کہتا سکول کے لئے روانہ ہوا اور کام میں مصروف ہو کر فاطمہ بھی یہ بات بھول گئیں۔

''عاشر کہاں ہے؟'' احمد نے گھر آتے ہی پوچھا۔

''ہوم ورک کر رہا ہے بلاؤں؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

''نہیں کھانا کھا کر بات کرتے ہیں اس سے۔'' احمد بولے۔

''عاشر بیٹا اِدھر آؤ۔'' احمد نے عاشر کو بلایا اور عاشر ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''بیٹا صبح آپ نے گورے خان کو کالے خان کیوں کہا؟''

''ابو! ان کا رنگ کالا ہے نا اس لئے حالانکہ ان کی ساری فیملی کا رنگ گورا ہے اور ان کا نام ہی غلط ہے کالے لوگوں کا نام گورے خان تھوڑا ہوتا ہے۔'' عاشر نے نخوت سے جواب دیا، احمد نے حیرانی سے پوچھا۔

''آپ کو کس نے کہا یہ سب۔''

''میرے دوست نے، اس نے کہا کہ سب خان لوگ گورے ہوتے ہیں۔'' احمد نے عاشر کا جواب سن کر گہری سانس لی اور سوچا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم ذہنوں میں بھی کالے گورے کا فرق آگیا ہے تبھی انہیں عاشر کا خیال اپنی سوچوں سے واپس کھینچ لایا اور وہ عاشر سے گویا ہوئے۔

''عاشر بیٹا! آپ کو پتا ہے اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر نہ عجمی کو عربی پر نہ عربی کو عجمی پر۔''

''جی پاپا! میں نے اسلامیات کی بک میں پڑھا ہے۔'' عاشر فخر سے بولا۔

''پھر آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ذات پات، رنگ و نسل امیری، غریبی کے فرق کو ختم کر دیا ہے اور کہا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

''جی پاپا میں نے یہ بھی پڑھا ہے بک میں۔''

''آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہم مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں تو وہاں پر ہر صف پر لوگ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، کبھی آپ نے دیکھا کہ کالے رنگ والے لوگ الگ الگ جگہ نماز پڑھتے ہیں اور گورے لوگ الگ یا امیروں کی جگہ

الگ ہے اور غریبوں کی الگ۔'' احمد نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

''کیونکہ اللہ نے یہ فرق ختم کر دیا ہے اللہ کے لئے سب برابر ہیں کوئی کالا گورا، امیر یا غریب نہیں اسی طرح آپ نے چند دن پہلے لوگوں کو ٹی وی کے ذریعے حج کرتے دیکھا تھا نا۔''

''جی پاپا!'' عاشر جلدی سے بولا۔

''وہاں سب نے ایک جیسا لباس پہن رکھا تھا وہاں پاکستان کے علاوہ مختلف ممالک سے

لوگ آئے تھے لیکن وہاں سب ایک جیسے تھے سب نے ایک طرح کا لباس پہن رکھا تھا جسے احرام کہتے ہیں وہاں سب ایک ہی طریقہ سے عبادت کر رہے تھے وہاں لوگ پاکستانی، بنگالی، بھارتی، چینی نہیں تھے وہ صرف......"

"مسلمان تھے۔" عاشر نے بات پوری کی۔

"شاباش اور یہ یاد رکھنا کہ کس کو آپ کالا یا غریب کہہ رہے ہو وہ اللہ کی نظر میں آپ سے زیادہ اچھا ہو۔" احمد نے عاشر کو سراہنے کے ساتھ تاکید کی۔

"مطلب وہ انکل بھی جو آپ کو لینے آتے ہیں وہ بھی اللہ کی نظر میں اچھے ہو سکتے ہیں؟" عاشر نے سوال کیا۔

"ہاں ہو سکتے ہیں اب آپ نے کبھی کسی کو کالا، گورا، امیر یا غریب نہیں کہنا ہم صرف مسلمان ہیں یاد رکھنا اور دوسروں کو ہمیشہ عزت و احترام سے بلانا چاہیے۔"

"جی پاپا! اور میں اپنے دوست کو بھی یہ باتیں بتاؤں گا تاکہ وہ بھی ایسا نہ کرے اور میری ٹیچر کہتی ہیں کہ اچھی باتیں دوسروں کو بتانا صدقہ جاریہ ہے۔"

"بہت اچھی بات ہے ضرور بتانا اور اس پر عمل بھی کرنا۔" احمد بولے۔

"کاش کے بڑے لوگوں کو یہ باتیں سمجھانا آسان ہوتا مگر نہیں وہ تو جان کر بھی انجان بنتے ہیں۔" اماں دکھ سے بولیں اور فاطمہ نے سوچا وہ بھی تو اکثر دوسروں کے رنگ اور اسٹیٹس کو سامنے رکھ کر کام کرتی ہیں۔

"صحیح کہا اماں آپ نے آج کل موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے پٹھانوں اور سرداروں پر اتنے لطیفے بنتے ہیں اور ہماری نوجوان نسل بڑے فخر سے آگے بھیج کر ثواب کمانے کی کوشش کرتے ہیں اپنے ملک کے بارے میں مزاحیہ اور فضول پیغامات ایک دوسرے کو بھیج کر بہت خوش ہوتے ہیں اپنے ملک کی اپنے ملک کے لوگوں کی بے عزتی کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے انہیں۔"

"بس بیٹا یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی تو اپنی ذات اور اپنے ملک کے لئے نقصان دہ ہیں۔" اماں بی افسردگی سے بولیں۔

"اماں آپ جانتی ہیں جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اپنے ملک کے اکثر لوگوں کی رائے اور خیالات سنے ہیں تو میری خواہش بڑھ جاتی ہے کہ میں قائداعظم اور علامہ اقبال سے مل سکتا اور ان سے ضرور کہتا کہ کیوں کی ان بے ضمیر انسانوں کے لئے اتنی محنت، کیوں بنایا یہ ملک، کیوں اپنی زندگی ہم لاپروا اور خود غرض لوگوں کے نام وقف کی، ان لوگوں سے مل کر پوچھوں جنہوں نے اس وطن کی آزادی کے لئے جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں دیں کہ کیوں دیں اتنی قربانیاں اس ملک کے لئے جہاں ہم خود ساختہ تعصبات میں گرفتار ہیں جہاں ہر روز ایک نیا مسئلہ ایک نیا واقعہ جنم لیتا ہے جہاں کبھی شیعہ سنی فسادات ہوتے ہیں تو کبھی سیاسی پارٹیوں کے کارکن آپس میں لڑتے ہیں اور کبھی زبان کے اختلافات پیدا کر لئے جاتے ہیں اور یہ سب ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں ہم خود تعصبات و طبقات میں خود کو گھیر رہے ہیں۔" بات سے بات کیسے نکلتی ہے یہ فاطمہ کو آج صحیح معنوں میں معلوم ہوا اور اماں بی حیران و پریشان تھیں کہ آج لیا دیا انداز رکھنے والا احمد اتنا زیادہ کیسے بول رہا ہے مقام حیرت کے ملکی حالات کے بارے میں۔

احمد اٹھ کر اماں بی کے پاس آئے اور ان کی گود میں سر رکھ کر بولے۔

"آپ حیران ہوں گی کہ میں آج کیسی باتیں کر رہا ہوں لیکن یہ سچ ہے کہ ہر پاکستانی کی طرح میرا دل بھی اپنے ملک کے حالات کو دیکھ کر روتا ہے اماں ہر پاکستانی کی طرح میں بھی اپنے ملک سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔"

"آپ دونوں کو نہیں پتا کہ میں اپنے دل کی باتیں کسی سے کیوں نہیں کرتا، اماں میں جب اپنے دوستوں کو اپنے خیالات، احساسات اور ملک سے اپنے جذبات کے بارے میں بات کرتا تھا تو وہ میری فیلنگز کا مذاق اڑاتے ہیں مجھ پر میرے جذبات پر ہنستے تھے اس وقت مجھے بہت غصہ آتا تھا پھر میں نے علامہ اقبال کا ایک قول پڑھا کہ۔"

"اپنے غم اور خیالات دوسروں کو ضرور بتاؤ مگر بتانے سے پہلے یہ جان لو کہ وہ تمہارے غم اور خیالات سے شناسا ہیں بھی یا نہیں۔"

"تب مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ میرے دوست میرے غم شناس نہیں اور میں ان کو کچھ بھی بتانا چھوڑ دیا لوگ قائداعظم اور علامہ اقبال کے خواب پاکستان کو دیوانے کا خواب کہتے تھے میں سوچتا ہوں کہ جب مجھ جیسے انسان کو اتنی تکلیف ہوتی ہے تو جن لوگوں کو محنت کی اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا ان کو کتنی تکلیف ہوتی ہو گی۔" احمد صاحب ایک جذب کی کیفیت میں بولتے جا رہے تھے۔

"اماں کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی یا جادوئی منتر ہوتا میں اسے استعمال کر کے اپنے ملک کے حالات درست کر لیتا مگر میں اپنے ملک کے لئے کچھ نہیں کر سکتا کچھ بھی نہیں۔" احمد مایوسی سے بولے۔

"ہم کیوں کچھ نہیں کر سکتے اپنے ملک کے لئے کر سکتے ہیں ہم اپنے بیٹے کو اپنے ملک کا کار آمد شہری بنائیں گے ایسا انسان جو ہماری طرح اپنے وطن سے محبت رکھتا ہو اور سب سے بڑی طاقت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے وہ ہے دعا کی طاقت ہم اپنے ملک کے لئے دعا کر سکتے ہیں۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھی فاطمہ جب بولیں تو احمد اور اماں بی کو بھی خوش کر دیا تبھی احمد نے مسکرا کر اپنی زوجہ محترمہ کو دیکھا اور کہا۔

"شکریہ بیگم آپ نے مایوسی کے بادلوں میں امید کی کرن دکھا دی میں تو بھول ہی گیا تھا اپنی طاقت کو اب تو میں ضرور دعا کرتا رہوں گا اپنے ملک کے لئے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔"

"دعا ایک دستک ہے اور مسلسل دستک سے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔" تینوں کے چہروں پر امید بھری مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا۔

☆☆☆

حدیث مبارکہ
اللہ اور بندے کا ساتھ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں مجمع (یعنی فرشتوں میں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

رابعہ علی، فیصل آباد

صدقہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔'' (جامع ترمذی)

شازیہ رفیق، اسلام پورہ لاہور

انمول موتی

☆ مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ (فرمان الٰہی)

☆ دنیا کی (اندھی) محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ لوگوں کو حق سے پہچانو، حق کو لوگوں سے نہیں۔ (حضرت ابوبکرؓ)

☆ تم جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆ ایسی بات نہ کہو جو مخاطب کی سمجھ سے باہر ہو۔ (حضرت عثمانؓ)

☆ فرصت کے اوقات کو غلط مت جانو یہ ایسے بادل ہیں جو جا کر پھر نہیں آتے۔ (حضرت علیؓ)

طاہرہ آصف، ساہیوال

عاجزی

ایک روز حضرت واسعؒ نے اپنے بیٹے کو ذرا اترا کر چلتے دیکھا تو فرمایا۔

''تجھے کچھ خبر ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم کے عوض مول لیا تھا اور میں جو تیرا باپ ہوں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں، پھر یہ تیرا اترانا کس بات پر ہے؟''

نیت کا اثر

ایک دن نوشیرواں شکار کو گیا، راستے میں پیاس غالب ہوئی، سامنے اسے ایک باغ نظر آیا، جب وہ وہاں پہنچا تو باغ کے دروازے پر اسے ایک لڑکا ملا، نوشیرواں نے اس سے پانی طلب کیا تو لڑکے نے کہا۔

''یہاں پر پانی نہیں ہے۔''

نوشیرواں نے کہا۔

"اچھا ایک انار ہی دے دو۔"

لڑکے نے انار توڑ کر دیا، نوشیرواں نے جب انار کھایا تو وہ نہایت ہی شیریں اور لذیز تھا، دل میں خیال آیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، یہ باغ لے لیا جائے۔

اس لڑکے سے دوسرا انار لانے کو کہا، لڑکے نے دوسرا انار بھی توڑ کر دے دیا، نوشیرواں نے انار کھایا تو وہ بدمزا نکلا، نوشیرواں نے لڑکے سے پوچھا۔

"تم یہ انار اسی درخت سے توڑ کر نہیں لائے کیا؟"

لڑکے نے کہا۔

"انار تو اسی درخت سے توڑ کر لایا ہوں۔"

نوشیرواں نے حیرت سے کہا۔

"تو پھر اس کا ذائقہ کیوں بدل گیا؟"

لڑکا بولا۔

"اس لئے کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔"

عافیہ رحیم، سکھر

اقوال زریں

۱۔ جو لوگ اصولوں کے پابند ہوتے ہیں وہ زندگی کے کسی مقام پر محرومی کا شکار نہیں ہوتے۔

۲۔ خواہ مخواہ دوسروں کے کردار پر شک نہ کیا کرو ہوسکتا ہے کسی کے جس عمل سے تمہارے ذہن کو وقتی اذیت پہنچ رہی ہو کل وہ تمہاری زندگی کی اصل حقیقت بن جائے جسے تم تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاؤ سچائی اپنا آپ خود منوا لیا کرتی ہے۔

۳۔ دل میں خلوص ہو تو انسان کے زخموں کا مداوا تقدیر خود کر دیتی ہے۔

۴۔ خوددار انسان موت کا ہنس کر قبول کر لیا ہے موت تو آتی ہی ہے کیوں نہ اسے ہنس کر گلے سے لگایا جائے۔

۵۔ کائنات بولتی نہیں مگر زندہ ہے کائنات دلیلوں سے نہیں الجھتی لیکن اصلیت کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

۶۔ جو چیز نہ آتی ہے ہوا سے سیکھنے میں شرم محسوس نہ کرو۔

۷۔ برائی کھوٹے سکے کی مانند ہوتی ہے جو فوراً لوٹا دی جاتی ہے۔

۸۔ جس کو پیار کرو اس کی خامیاں نظر انداز کرو اتنے خلوص ہو کہ غیر کا خیال ہرگز دل میں جاگزین نہ ہو۔

۹۔ جس سے دوستی کرو اس کی برائیاں نہ اس سے کرو اور نہ کسی اور سے۔

۱۰۔ محبت مکمل زندگی ہے، اس کا نشہ تمام عمر انسان کو مدہوش رکھتا ہے۔

۱۱۔ خدا تعالیٰ نے کائنات میں بہت سی خوبصورتیاں پیدا کی ہیں، چاند، ستارے، قوس وقزح۔

۱۲۔ حسن بغیر نیکی کے ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

۱۳۔ ہر حسین چیز اچھی نہیں ہوتی لیکن ہر اچھی چیز لازماً حسین ہوتی ہے۔

۱۴۔ اگر دنیا میں پرسکون رہنا چاہتے ہو تو کسی کو دل کی گہرائیوں سے مت چاہو۔

۱۵۔ جہاں بیٹھو اپنے مرتبے کا خیال رکھو۔

مسز نکہت عبدالغفار، کراچی

چھوٹا چراغ بھی کافی ہے

مصیبت بہر حال مصیبت ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، اسی طرح نیکی بہر حال نیکی ہے خواہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نیکی ایک چراغ ہے، اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ایک مقام یا راستہ خطرناک ہو اور اس

میں تاریکی ہو اور بڑی قندیل نہ ملے تو کیا چھوٹے چراغ کو بھی ٹھکرا دیا جائے گا، ہرگز نہیں بلکہ تاریکی دور کرنے کے لئے چھوٹا چراغ بھی کافی ہوتا ہے۔

واجدہ امبر، حیدرآباد

جمہوریت

سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ یا جسے عام طور پر حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے دراصل کیا ہے؟ ہر تیسرے، چوتھے، پانچویں یا ساتویں سال غریب اور بے کس عوام سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کرنا کہ سرمایہ داروں میں کون سا فرد تم پر حکومت کرے اور تمہیں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جا سکے۔

سعدیہ سرور، ملتان

تجربے کار

اخبار کے مالک نے امیدوار سے پوچھا۔
''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم یہ اخبار کامیابی سے چلا سکو گے؟''
امیدوار فوراً بولا۔
''کیوں نہیں جناب! میں پورے تین سال تک تانگا اور ایک سال تک موٹر رکشا کامیابی سے چلاتا رہا ہوں۔''

فاطمہ محمود، لیہ

باتیں کچھ ہماری

☆ کسی بھی مرد یا عورت کی اچھی بری تربیت کا اندازہ ان کے اس رویے سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ لڑائی جھگڑے کے دوران اختیار کرتے ہیں۔ (جارج برنارڈ شا)

☆ میاں بیوی قینچی کے دو پھلوں کی مثال ہے کہ وہ اس طرح ملے ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتے، اکثر و بیشتر ایک دوسرے کی مخالف سمت میں حرکت کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کے درمیان آ جائے تو اس کی خوب خبر لیتے ہیں۔ (سڈنی اسمتھ)

☆ محفل میں اپنی خامیاں مت بیان کیجئے، آپ کے جاتے ہی یہ کام ہو جائے گا۔ (ایڈیسن)

☆ دنیا میں بہت زیادہ لوگ ہیں اور بہت کم انسان۔

عابدہ خان، راولپنڈی

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھی اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر صدا لگایا کرتے تھے ایک کی صدا تھی۔
''الٰہی مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔''
دوسرا کہتا۔
''الٰہی ام جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔''
ام جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھی پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔

دس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا گیارہویں روز ام جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے کو کہا۔
''کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے۔''
اندھے نے کہا۔
''مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔''
ام جعفر نے کہا۔
''اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب ہے اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔''

زینب شیخ، کراچی

☆☆☆ ☆☆

فاطمہ محمود ---- لیہ

محبتوں میں دکھاوے کی دوستی نہ ملا
اگر گلے نہیں ملتا تو ہاتھ بھی نہ ملا
خدا کی اتنی بڑی کائنات میں میں نے
بس ایک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا

....

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگا تعبیر کا

....

سب نے کیے ہیں مجھ پہ جفاؤں کے تجربے
اک بار آپ بھی تو مجھے آزمایئے
میں شہر بھر میں اک ایذا پسند ہوں
گر چاہیے دعا تو میرا دل دکھایئے

عابدہ خان ---- راولپنڈی

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا
آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتا ہے
راکھ کی تہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

....

کرم کرو ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول کبھی کھلا نہیں کرتے
خاک میں ملا دو ہمیں مگر اتنا یاد رکھو
ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

....

مجھ میں کیا ہے جو یاد بھلا کرے گا کوئی
اچھے اچھوں کو یہاں لوگ جلا دیتے ہیں

زینب شیخ ---- کراچی

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی مقام پہ پسپا نہیں ہوئے

....

میری آنکھوں میں سورج پگھلتا رہا چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

....

یہ اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
کبھی دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا
کوئی اک آدھ سپنا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا

مسز نگہت غفار ---- کراچی

اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھتا
بس یہ انداز غزل اس کا سراپا لکھتا
اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا پڑھتا
دل کو سیلاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھتا

عالیہ وقاص ---- بہاولنگر

وہ مجھ کو دیکھ کے برسا تھا بادلوں کی طرح
میں زخم زخم تھا پھر بھی اعتدال میں تھا

....

کوئی بتائے کون سمجھائے کون سے دیس سدھار گئے
ان کا رستہ دیکھتے دیکھتے نین ہمارے ہار گئے
ایک لگن کی بات ہے جیون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا کیا پایا جیتے کیا ہار گئے

....

مری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہیں

جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہیں
انہی ساعتوں کی تلاش ہے جو کیلنڈروں سے اتر گئیں
جو سمے کے ساتھ گزر گئیں وہی فرصتیں مجھے چاہیں
رابعہ سعید ---- لاہور

آ جا کہ اب زخم سنبھالے نہیں جاتے
یوں سنگ تو غیروں پہ بھی ڈالے نہیں جاتے
اک روز تیری یاد کے جنگل میں چلا گیا
اب تک میرے پاؤں کے چھالے نہیں جاتے

....

تیری یاد کی برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں بس اک دسمبر اکیلے

....

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ
عاصمہ رضوان ---- خانیوال

خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

....

رستے میں نہ بیٹھو ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کر چاہو آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو اک اک ادا تنگ کرے گی

....

نہ ملتا نقد جاں دے کر بھی ایک لمحہ محبت کا
گراں تھا اس قدر سودا کہ ہم بازار چھوڑ آئے
حنا خان ---- شجاع آباد

نہ جانے گزرے ہیں کتنے ساون اس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے ندی کنارے
کٹی ہے ایک عمر ہم نشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے ندی کنارے

....

یہ دن یہ رات یہ لمحے اچھے سے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے سے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تم ہی تک کے فاصلے اچھے لگتے ہیں

....

مرنے کا تیرے غم میں ارادہ بھی نہیں ہے
ہے عشق مگر اتنا زیادہ بھی نہیں ہے
کس موڑ پہ لے آیا ہے ہجر مسلسل
تا حد نگہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے
ام خدیجہ ---- پشاور

ہم اہل وفا حسن کو رسوا نہیں کرتے
پردہ بھی جو اُلٹے رخ سے تو دیکھا نہیں کرتے
کر لیتے ہیں دل اپنا تصور سے ہی روشن
ہم مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے

....

ہزار کار مسیحائی سے گزر کے بھی
یہ دل اجاڑ رہا بارہا سنور کے بھی

....

سڑکیں زہر آلود نگر ویران ہوئے
ایسا پھیلا خوف کہ دل سنسان ہوئے
آدم خور درندے فارغ بیٹھ گئے
جب سے وحشت پر مائل انسان ہوئے
صنم حمید ---- لاہور

نہ میں نے اس کو خط لکھا نہ اس نے میری پناہ چاہی
ہم کو اپنی جگہ پر ملال عجیب سا تھا
سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے میں نے پوچھا تو وہ رو پڑا
سوال کتنا عجیب سا تھا جواب کتنا عجیب سا تھا

....

دنیا خریدنے کی کوشش کرے گی بہت لیکن
میں تو لوٹوں گا ضرور تم خود کو سنبھال رکھنا

....

گیلے کاغذ کی طرح ٹھہری زندگی اپنی
کوئی لکھتا بھی نہیں اور کوئی جلاتا بھی نہیں
زویا ظفر ---- سکھر سندھ

کبھی حسن پردہ نشین بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ دیکھا کرو

....

میں تجھ کو ڈھونڈنے افق کے پار بھی گیا
تو مل گیا تو تجھ سے ملنے کا انتظار بھی گیا
شکست ہماری ذات کو قبول نہ تھی مگر
فتح کرتے کرتے اک مقام پہ میں ہار بھی گیا

....

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کے پل بھر ملیں یقین سے ملیں
سونیا ربانی ---- جام پور

سوچ کی زمینوں پر راستے جدا ہوں تو
دور جا نکلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے

....

آج کے دریا نہیں رکھتے کسی کا بھرم
اب یہاں کچے گھڑوں پر تیرنا اچھا نہیں

....

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے
ناظمہ احمد ---- کوئٹہ کینٹ

آتش عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرم سوز وفا شمع بھی پروانے بھی

....

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے
شاید کوئی منزل نہیں اس راہ میں پڑتی
واپس نہیں آتا کوئی یادوں کے سفر سے

....

کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہرباں خدا ہو جائے
شازیہ علی ---- جہلم

وہ سوئے اتفاق آ ملے تھے ہم سے
ہم ناداں سمجھے ہماری دعاؤں میں اثر ہے

....

نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی
اجڑ گئی ہیں دل و جان کی بستیاں کیسی
غموں نے لوٹ لئے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں بت پرستیاں کیسی

....

سوز جگر بھی دیدہ غم بھی اسی کا ہے
میری خوشی وہی میرا غم بھی اسی کا ہے
جس کی خلش رہی ہے مجھے جاں سے عزیز تر
کیوں کر کہوں وہ خار الم بھی اسی کا ہے
مدیحہ کرن ---- منڈی بہاؤالدین

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم ہی یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا
شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا

....

گھڑی بھر اس کی آنکھوں میں اتر کر
سمندر بھی کشادہ ہو گیا ہے

☆☆☆

فرمائش

ریستوران میں ویٹر کے آنے پر ایک صاحب نے اپنی محبوبہ سے پوچھا۔
''کہو کیا منگوایا جائے؟''
''میرے لئے کافی اور اپنے لئے ایمبولینس۔'' محبوبہ نے جواب دیا۔
''دروازے کی طرف دیکھو، میرا شوہر ریستوران میں داخل ہو رہا ہے۔''

عالیہ وقاص، بہاونگر

غیرت مند

ایک سکھ لڑکا روزانہ اپنی بہن کو چھوڑنے کالج جاتا تو راستے میں چند لڑکے اس پر آوازیں کستے۔
''سجناں نوں لے کے کتھے چلے او؟''
وہ لڑکا خاموش رہتا، تنگ آکر اس کی بہن نے کہا۔
''تمہارا میرے ساتھ آنے کا کیا فائدہ بھیا! وہ لوگ کتنی غلط باتیں کرتے ہیں، تم انہیں بتاتے کیوں نہیں کہ میں تمہاری بہن ہوں۔''
لڑکے کی غیرت جاگی، جوش میں ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔
''بس صبح ان بے غیرتوں کی بات کا منہ توڑ جواب دوں گا۔'' اس نے کہا، چنانچہ صبح وہ اپنی بہن کو چھوڑنے گیا تو لڑکوں نے کہا۔
''سجناں نوں لے کے کتھے چلے او؟''
''او بے غیرتو! ایہہ سجن ہوون گے تواڈے، میری سگی بہن ایں۔''

رابعہ سعید، لاہور

اعتراف

شادی سے دو روز قبل لڑکے نے لڑکی سے کہا۔
''میں چاہتا ہوں کہ تم سے ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف کرلوں۔''
''پندرہ دن پہلے تو تم سب کا اعتراف کر چکے ہو۔'' لڑکی نے حیرانی سے کہا۔
''وہ تو پندرہ دن پہلے کی بات تھی۔'' لڑکی نے ایمان داری سے کہا۔

عاصمہ رضوان، خانیوال

اوورٹیک

چوہدری صاحب اپنی پجیرو میں موٹروے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ان کا مزارعہ دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل جا رہا تھا، انہوں نے ترس کھا کر گاڑی ایک طرف روکی اور دینو کو بٹھا لیا، گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا، پجیرو کی رفتار پہلے پچاس، ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلومیٹر سے تجاوز کر گئی، گدھا بدستور بھاگتا رہا پیچھے آ رہا تھا، آخر رفتار سوا سو کلومیٹر ہوئی تو چوہدری صاحب پیچھے دیکھتے ہوئے بولے۔
''دینو! مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہو رہی ہے، اس کی گردن باہر لٹکی ہوئی ہے۔''
''کس طرف کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟'' دینو نے پوچھا۔
''دائیں طرف کو۔''
''بس تو پھر آپ اسی لین میں گاڑی رکھیں،

وہ آپ کو اوورٹیک کرنے والا ہے۔'' ڈینو نے پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔
حنا خان، شجاع آباد

تعریف

جگت آپا کی شادی نہ ہو سکی، حتیٰ کہ بڑھاپا آ گیا، ایک روز ان کی ایک شادی شدہ سہیلی نے ہمدردانہ لہجے میں آہ بھر کر کہا۔
''کاش تمہاری بھی شادی ہو جاتی۔'' آپا صابرانہ لہجے میں بولیں۔
''میرے پاس ایک کتا ہے جو خراٹے لیتا ہے، ایک طوطا ہے جو تیں تیں کر کے دماغ چاٹتا ہے، ایک بلا ہے جو رات بھر گھر سے باہر رہتا ہے مجھے بھلا شوہر کی کیا ضرورت ہے۔''
ام خدیجہ، پشاور

سردار جی

چار سکھوں نے مل کر کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے ایک موٹر ورکشاپ کھولی، ایک مہینہ گزر گیا، کوئی گاہک نہ آیا، کیونکہ ورکشاپ چوتھی منزل پر تھی، پھر انہوں نے ایک ٹیکسی خریدی، پورا مہینہ گزر گیا، لیکن کوئی سواری نہ ملی، اس لئے کہ ایک ٹیکسی چلاتا تھا باقی تینوں ٹیکسی میں بیٹھے رہتے تھے۔

اتفاق

ایک بوکھلاتے ہوئے شخص نے پولیس اسٹیشن فون کیا کہ اندھیرے میں کسی حملہ آور نے اس کے ماتھے پر ڈنڈا رسید کیا ہے، ایس ایچ او نے فوراً ایک کانسٹیبل کو تحقیق کے لئے بھیجا، کچھ دیر بعد کانسٹیبل ماتھے پر گومڑ لیے واپس آیا اور کہنے لگا۔
''سر میں نے گتھی سلجھالی ہے۔''
''شاباش، مگر تم نے یہ کام اتنی جلدی کیسے کر لیا؟'' ایس ایچ او نے پوچھا۔
کانسٹیبل نے کہا۔
''محض اتفاق سے میرا پاؤں بھی اسی پھاوڑے پر پڑ گیا تھا۔''
صنم حمید، لاہور

سعادت مند

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا اسے جو کام کہا جاتا نہایت سعادت مندی سے کر دیتا، ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے پاس سگریٹ ختم ہو گئی، اس نے سو کا نوٹ کتے کو دیتے ہوئے کہا۔
''جاؤ ایک پیکٹ سگریٹ لے آؤ اور باقی پیسے واپس لے آنا۔''
کتا نوٹ لے گیا اور ایک گھنٹے تک واپس نہیں آیا آخر مالک اس کی تلاش میں نکلا، کافی دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کتا ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چکن تکہ کھا رہا ہے اور کولڈ ڈرنک وغیرہ پی رہا ہے، مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا۔
''اس سے پہلے تم نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا میں نے جو کام تمہیں کہا وہ تم نے نہایت ذمہ داری سے کیا، یہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟''
کتا اطمینان سے بولا۔
''اس سے پہلے کبھی آپ نے پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیئے تھے۔''
زویا ظفر، سکھر سندھ

اتنی سی بات

پہاڑی علاقے کی ایک نہایت ضعیف عورت کو ایک جھگڑے کے سلسلے میں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا گیا تو جج صاحب نے پوچھا۔
''آپ اس جھگڑے کے سلسلے میں کیا جانتی ہیں؟''
''ایسی تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔''

جھریوں بھرے چہرے والی خاتون نے مبہم سا جواب دیا۔
''پھر بھی......آپ بتایئے تو سہی، آپ نے کیا دیکھا؟'' جج صاحب نے اصرار کیا۔
''ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔'' بڑی بی نے ایک بار پھر بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔
''بس ادھر کاشف خان نے امجد خان کو جھوٹا بولا، امجد خان نے کاشف خان کے سر پر ڈنڈا مارا، کاشف ادھر گر کے ٹھنڈا ہو گیا، کاشف خان گر گیا اے، تو اس نے خنجر نکال کر امجد خان پر حملہ کر دیا، ادھر امجد کا دوست بھی موجود تھا، اس نے جب یہ دیکھا تو گولی چلا کر کاشف خان کے دوست کو ٹھنڈا کر دیا، اسی بک بک میں دو تین آدمی اور مر گیا، بس اتنی سی بات پر جھگڑا شروع ہو گیا۔''

سونیا ربانی، جام پور

اقوال زریں

۱۔ بہتر وہ ہے جو دیر سے خفا ہو اور جلدی راضی ہو جائے اور بدترین وہ ہے جو جلد غصہ کرے اور دیر میں راضی ہو۔
۲۔ اہل فقیر سے دوستی بڑھالو قیامت کے دن ان کے پاس بڑی طاقت اور دولت ہوگی۔
۳۔ غصے کی حالت میں دو اشخاص کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔
۴۔ آپؐ نے فرمایا، یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ہونگے جیسے کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں کچھ فرق رکھ کر بتایا اس طرح۔
۵۔ حضورؐ نے فرمایا، جو تم میں سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے اس کو پناہ دو جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے اس کا سوال پورا کرو۔
۶۔ امانت سے رزق بڑھتا ہے اور خیانت سے افلاس آتا ہے۔
۷۔ عبادت کے ستر جز ہیں اور ان میں سے افضل ''کسب حلال'' ہے۔
۸۔ تم کسی کو برے کام سے روکو تو یہ بھی صدقہ ہے۔
۹۔ صبح کا سونا روزی کو روکتا ہے۔
۱۰۔ دنیا کی محبت ایمان کو کمزور کر دیتی ہے۔
۱۱۔ وہ بے دین ہے جو عہد کا پابند نہیں۔
۱۲۔ جس شخص نے اپنی زبان اور شرم گاہ کو قابو میں رکھا اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔
۱۳۔ جو شخص اللہ کی تلاش میں راستہ طے کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ کھول دیتا ہے۔
۱۴۔ بروں کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور نیک لوگوں کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔
۱۵۔ عبادت ایک پیشہ ہے دکان اس کی خلوت ہے خدا اس کا تقویٰ ہے اور نفع اس کی جنت ہے۔
۱۶۔ زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔
۱۷۔ مفلس انسان کو ایک درہم صدقہ خیرات دولت مند کے لاکھ درہم سے افضل ہے۔
۱۸۔ افسوس کہ چار ٹانگوں والا جانور تک اپنے مالک کو پہچانتا ہے، مگر اشرف المخلوقات انسان اپنے مالک حقیقی کی پہچان نہیں رکھتا۔
۱۹۔ نفیس لباس کے شوقین کفن کو ذہن میں رکھو۔
۲۰۔ اپنی بدکاری سے توبہ کرلو شاید تمہیں نجات مل جائے۔

مسز نگہت غفار، کراچی

☆☆☆

مسز نگہت غفار: کی ڈائری سے ایک غزل

وعدہ وفا توڑ کے جانے والے
ہم سے منہ موڑ کے جانے والے
جب تنہائی میں آئے گی تم کو ہماری یاد
ہمیں ڈھونڈھو گے تڑپو گے تم
کہیں چین نہ پاؤ گے ہمارا چین لوٹنے والے
ہماری کمی تم جب کرو گے محسوس
روؤ گے تم کبھی ہم کو رلانے والے
ابھی تو نئی راہوں پہ ہو گامزن
جب راہ میں آئے گی کوئی منزل کٹھن
ہمیں بہت ہی مس کرو گے ہمیں بھولنے والے
ہر لمحہ ہمیں پکارو گے مدد کو اپنی
ہم نہیں ہونگے یاد ماضی ہوگا اور تم
ہر طرف مایوسی ہو گی اندھیرا ہو گا
تم ٹوٹ کر بکھرو گے ہمیں بکھرنے والے

ناظمہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

اب کے سفر ہی اور تھا اور ہی کچھ سراب تھے
دشت طلب میں جا بجا سنگ گراں خواب تھے
اب کے برس بہار کی رت بھی تھی انتظار کی
لہجوں میں سیل درد تھا آنکھوں میں اضطراب تھا
خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے
پھولوں کے ہاتھ جل گئے کیسے یہ آفتاب تھے
سیل کی رہگزر ہوئے ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے
کیسی عجیب پیاس تھی کیسے عجیب سحاب تھے
ربط کی بات اور ہے ضبط کی بات اور ہے
یہ جو نشار خاک ہے اس میں کبھی گلاب تھے
ابر برس کے کھل گئے جی کے غبار ڈھل گئے
آنکھ میں رونما ہوئے شہر جو زیر آب تھے

شازیہ علی: کی ڈائری سے ایک نظم

مرے تن کے زخم نہ گن ابھی
مری آنکھ میں ابھی نور ہے
مرے بازوؤں پہ نگاہ کر
جو غرور تھا وہ غرور ہے
ابھی تازہ دم ہے مرا فرس
نئے معرکوں پہ تلا ہوا
ابھی رزم گاں کے درمیاں
ہے میرا نشاں کھلا ہوا
تیری چشم بد سے رہیں نہاں
وہ نہیں جو میری ذات کی
مجھے دیکھ مقفہ تیغ پر
ہے گرفت میرے ہاتھ کی
وہ جو دشت جاں کو چمن کرے
وہ شرف تو میرے لہو کا ہے
مجھے زندگی سے عزیز تر
یہ جو کھیل تیغ و گلو کا ہے
تجھے مان جوش گزر پر
میرا نعرہ حق مری ڈھال ہے
تیرا ہر ظلم بلا سہی
میرا حوصلہ بھی کمال ہے
میں اسی قبیلے کا فرد ہوں
مجھے ناز صدق قیس پہ ہے
یہ ہی نامہ بر ہے بہار کا
جو گلاب میری جبیں پہ ہے

مدیحہ کرن: کی ڈائری سے ایک نظم

(تب یاد بہت تم آتے ہو)
جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
سب جذبوں پر چھا جاتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب درد کی جھانجر بجتی ہے
جب رقص غموں کا ہوتا ہے
خوابوں کی تال پہ سارے دکھ
وحشت کے ساز بجاتے ہیں
گاتے ہیں خواہش کی لے میں
سب جذبوں پہ چھا جاتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو

نمرہ فاطمہ: کی ڈائری سے ایک غزل

دیوار کھڑی ہو گی کہیں خار ملیں گے
منزل کے سبھی راستے دشوار ملیں گے
انسان کو جو اپنا خریدار بنا لیں
اب ایسے کھلونے سر بازار ملیں گے
طوفان کے تھپیڑے ہمیں گم کر نہیں سکتے
ڈوبیں گے جو اس پار تو اس پار ملیں گے
شرمائے گا مجھ سے مرے حالات کا سورج
جب سایہ فگن راہ میں اشجار ملیں گے
فنکار غزل مٹ نہیں سکتا کبھی آفاق
ہر دور میں غالب کے طرفدار ملیں گے

رابعہ علی: کی ڈائری سے ایک نظم

میں اپنی ایڑھی پہ گھومتا ہوں
میں اپنی ایڑھی تیزی سے گھومتا ہوں
کہ چار جانب تمام منظر بدل کے
نظارہ مسلسل میں ڈھل گئے ہیں
عجب تحرک ہے
ایک افسوں ہے
ایک سپنا جو صرف اپنا ہے
تم نہیں ہو
کہو تو یہ گردش مہ و سال
اپنی ایڑھی پہ روک لوں میں
جو اک تسلسل ہے منظروں کا
وہ توڑ دوں میں
مگر یہ تب ہو سکے گا ممکن
اگر میرے ساتھ تم رکو تو
اگر میرے ساتھ تم رکو تو

شازیہ رفیق: کی ڈائری سے ایک غزل

ایک بارش نہیں رہی مجھ میں
اور کوئی نہیں کی مجھ میں
میں کھلے ذہن کا مسافر تھا
پر جو زنجیر آ پڑی مجھ میں
رات اک خواب کا سا عالم تھا
جب وہ بیدار ہو گئی مجھ میں
چاہتی ہے کہ زور سے چیخوں
خاموشی چیختی ہوئی مجھ میں
شب گئے در نیا کھلا کوئی
اور کچھ دھول سی اڑی مجھ میں
اور پھر تو ملا مقدر سے
اور پھر روشنی ہوئی مجھ میں

طاہرہ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل

عمر بھر اس نے اسی طرح لبھایا ہے مجھے
وہ جو اس دشت کے اس پار سے لایا ہے مجھے
کتنے آئینوں میں اک عکس دکھایا ہے مجھے
زندگی نے جو اکیلا کبھی پایا ہے مجھے
تو میرا کفر بھی ہے تو میرا ایمان بھی ہے
تو نے لوٹا ہے مجھے تو نے بسایا ہے مجھے

میں تجھے یاد بھی کرتا ہوں تو جل اٹھتا ہوں
تو نے کس درد کے صحرا میں گنوایا ہے مجھے
تو وہ موتی کہ سمندر میں بھی شعلہ زن تھا
میں وہ آنسو کہ سر شاخ گرایا ہے مجھے
میری پہچان تو مشکل تھی مگر یادوں نے
زخم اپنے جو کریدے ہیں تو پایا ہے مجھے
اے خدا اب تیرے فردوس پہ میرا حق ہے
تو نے اس دور کے دوزخ میں جلایا ہے مجھے

عافیہ رحیم: کی ڈائری سے ایک نظم

اسی ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں اس کے جال میں
کوئی شہریار وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
مجھے مجھ سے چھین کے لے چلے
کہیں دور شہر جمال میں
میرے سرد جسم کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے جواب میں
جہاں وہ ہو میرے سوال میں
نہ ہو ایک بھی سانس کا فاصلہ
جہاں اس کے میرے وصال میں

واجدہ امبر: کی ڈائری سے ایک غزل

بارش ہے آنسوؤں کی زمیں پر جھڑی ہوئی
پھر بھی ہے دل میں درد کی ندی چڑھی ہوئی
باقی تمام عمر بچھڑنے کی بات تھی
ملنے کی گفتگو تو گھڑی دو گھڑی ہوئی
یہ راہ تو چنی تھی جدائی کے واسطے
یہ آرزوئے وصل کہاں آ کھڑی ہوئی
یہ راہ کی نہیں یہ مقدر کی بات ہے
منزل چنی ہے جو وہی منزل کڑی ہوئی
اس کے لئے تو راہ وفا چاہیے عدیم
ہر راہ میں نہیں ہے محبت پڑی ہوئی

سعدیہ سرور: کی ڈائری سے

ہاں اے دل دیوانہ
وہ آج محفل میں
ہم کو بھی نہ پہچانا
کیا سوچ لیا دل میں
کیوں ہو گیا بیگانہ
ہاں اے دل دیوانہ
وہ آپ بھی آتے تھے
ہم کو بھی بلاتے تھے
کس چاہ سے ملتے تھے
کیا پیار جتاتے تھے
کل تک جو حقیقت تھی
کیوں آج ہے افسانہ
ہاں اے دل دیوانہ
بس ختم ہوا قصہ
اب ذکر نہ ہو اس کا
وہ شخص وفا دشمن
اب اس سے نہیں ملنا
گھر اس کے نہیں جانا
ہاں اے دل دیوانہ
ہاں کل سے نہ جائیں گے
پر آج تو ہو آئیں
اس کو نہیں پا سکتے
اپنے ہی کو کھو آئیں
تو باز نہ آئے گا
مشکل تجھے سمجھانا
وہ بھی تیرا کہنا تھا
یہ بھی تیرا فرمانا
ہاں اے دل دیوانہ

☆☆☆

رابعہ رزاق ---- سیالکوٹ
س: عین غین بھیا دل کا دروازہ کس طرف ہوتا ہے؟
ج: آنکھوں کی طرف۔
س: عین غین بھیا سر پر کتنے بال ہوتے ہیں؟ اگر آپ کے ہیں تو گن کر بتائیں؟
ج: جتنے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں اگر آپ کی آنکھیں ہیں تو گن لیں۔
س: عین غین بھیا سنا ہے آپ اپریل میں اپنی سوویں سالگرہ منا رہے ہیں؟ کیا واقعی؟
ج: یہ آپ کو خواب آیا ہے۔
س: عین غین یکم اپریل کو ''ان'' سے کیا شرارت کروں؟
ج: ''ان'' کے سامنے آجانا وہ ڈر جائیں گے۔

ریحانہ احمد ---- سکھر
س: ''مدت ہوئی ہے آپ کو پریشان کئے ہوئے'' اگلا مصرع لکھیں تو جانیں؟
ج: اس لئے پھر تنگ کرنے آگئے ہیں ہم۔
س: انو غنو جی کل آپ کو انگلیوں پہ کون نچا رہا تھا؟
ج: وہی جو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر آپ کو نچا رہا تھا۔
س: میرے بی اے کے پیپرز سر پر ہیں کوئی جلدی سے ایسا وظیفہ بتائیں پیپرز بھی دے دوں اور فیل بھی نہ ہوں؟
ج: محنت کا وظیفہ کرو۔
س: اصول اور فضول میں کیا بنیادی فرق ہے؟
ج: اگر اصول آپ کو اچھا انسان بناتا ہے تو اصول ہے وگرنہ فضول ہے۔

صبارانا ---- کوٹ چھٹہ
س: عقلمندی اور بیوقوفی میں کتنا فاصلہ ہے؟
ج: بہت کم۔
س: کبھی کی دن بڑے کبھی کی راتیں، آپ کا کیا خیال ہے؟
ج: نیک خیال ہے۔

فریحہ رحیم ---- خانیوال
س: مائیکل جیکسن کی روح یہ بتا کل تو لنڈے بازار کی طرف کیوں جا رہا تھا؟
ج: مائیکل جیکسن مر گیا؟ اچھا ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا۔
س: ہائے ٹونی ناراض تو مت ہو بات سنو نجانے کیوں تم بڑے اپنے اپنے سے لگتے ہو؟
ج: لگتا کہ ٹونی کا خط تم نے غلطی سے مجھے بھیج دیا ہے ویسے یہ ٹونی تمہیں اپنا کیوں لگتا ہے کہیں تم بھی تو......؟
س: سن وے بلوری اکھ والیا...... بھلا کیا؟
ج: آگے پورا گانا سن لو۔
س: میرا شعور بہلتا نہیں ہے لفظوں سے؟
ج: خانیوال بہت دور ہے کیا کروں۔

زیبا منصور ---- رحیم یار خان
س: صرف ایک بات پوچھنا تھی اگر محبت پر ٹیکس لگ جائے تو؟
ج: گرلز کالجوں کے دروازے سے رش ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

چکن ہرا مصالحہ

اشیاء

چکن	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	پچاس گرام
دھنیا	ایک گڈی
پودینہ	ایک گڈی
آئل	پچاس گرام
سویا	آدھی گڈی
دہی	پچاس گرام
ہری مرچ	پچیس گرام
میتھی	دس گرام
گرم مصالحہ	دس گرام

ترکیب

چکن کو کیوب کی شکل میں بوٹیاں بنوالیں، کسی برتن میں تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں بھن جائے تو اس میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں ہری پیاز، ہرا دھنیا، پودینہ، سویا اور ہری مرچ کو گرینڈ کرلیں، چکن میں اچھی طرح بھن جائے تو اس میں پیسا ہوا ہرا مصالحہ شامل کرلیں ہرے مصالحے اور چکن کو اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے اور تیل مصالحے سے الگ ہو جائے، اب اس میں دہی بھی شامل کردیں، تقریباً پندرہ منٹ تک پکائیں، آخر میں اس میں میتھی، نمک اور پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، پانچ منٹ مزید پکا کر اتار لیں، چکن ہرا مصالحہ ہے گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کاجو اور مرغی کا سالن

اشیاء

چکن	دو سو پچاس گرام
کاجو	چالیس گرام
لہسن	دس گرام
ہری پیاز	تین عدد
کارن فلور	دس گرام
میدہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	پچاس گرام
سویا سوس	دو چائے کے چمچے
دکنی مرچ	پانچ گرام
شکر	دس گرام
مرغی کی یخنی	بیس گرام

ترکیب

مرغی کے کیوبس بنوالیں، یہ بغیر ہڈی کے ہوں گے، میدہ، دکنی مرچ، سویا سوس کا پیسٹ بنا کر چکن کیوبس پر لگا دیں، کڑاہی میں اتنا آئل ڈالیں کہ کیوبس فرائی ہوسکیں، تیل گرم ہونے پر چکن کیوبس کو بقیہ تمام اشیاء کے ہمراہ فرائی کرلیں، جب چکن اچھی طرح بھن جائے تو چولہے سے اتار لیں، ہری پیاز کا سفید حصہ باریک پرتوں کی شکل میں الگ الگ کرلیں، سرد کرنے

سے پہلے ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

چکن زیرا

اشیاء

چکن	ایک کلو
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	بیس گرام
زیرا (پسا ہوا)	پچیس گرام
پیاز (باریک کٹا ہوا)	پچیس گرام
ٹماٹر	پچاس گرام
ہلدی پاؤڈر	دس گرام
لال مرچ پاؤڈر	بیس گرام
نمک	پندرہ گرام
گرم مصالحہ	پانچ گرام
لیموں کا رس	دس گرام

ترکیب

مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں پیاز کو باریک کاٹ لیں، کسی دیگچی میں آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں، پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن ڈال دیں، ساتھ ہی زیرا بھی شامل کر دیں، چند منٹ اس مصالحے کو بھونیں اس کے بعد اس میں مرغی بھی شامل کر دیں، نمک، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے چکن بھن جائے تو اس میں تھوڑا پانی شامل کر کے تقریباً دس منٹ تک پکنے دیں، جب گوشت گل جائے اور چکن کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار چکن زیرا تیار ہے۔

ریڈ چکن

اشیاء

چکن	آدھا کلو
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (پسا ہوا)	حسب ضرورت
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا)	ایک چوتھائی کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کو دھو کر اچھی طرح صاف کر لیں، پھر ایک فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کریں اب اس میں چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر کا پیسٹ، سرکہ، پسا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور تمام پانی خشک ہو جائے اب اس میں مکھن بھی شامل کر لیں اور پسا ہوا لہسن بھی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب اس میں چینی ملائیں اور کچھ دیر چمچہ چلائیں یہاں تک کہ چینی گل جائے، آپ سالن میں حسب ذائقہ نمک شامل کر سکتی ہیں، ریڈ چکن تیار ہے روٹی یا چاول کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چکن چیز سینڈوچ

اشیاء

چیز سلائس	آٹھ عدد
چکن روسٹ	ایک پیالی
مایونیز	حسب ضرورت
مکھن	حسب ضرورت
سلاد کے پتے	چار عدد
کھیرا	ایک عدد
ٹماٹر	حسب پسند
ڈبل روٹی کے سلائس	ایک پیکٹ

(بڑی ڈبل روٹی)

ترکیب

سب سے پہلے آپ ڈبل روٹی کے توسوں کے کنارے کاٹ لیں پہلے سلائس پر آپ مکھن لگائیں اور پھر مایونیز لگائیں اس کے روسٹ کیا ہوا چکن بریڈ پر رکھیں اور اس کے اوپر سلاد کا پتا رکھیں پھر اس کے اوپر چیز سلائس پھر کھیرے کے سلائس اور سب سے آخر میں ٹماٹر کے سلائس رکھ دیں، اس کے بعد اس کو بریڈ سے کور کر دیں، آپ کا چیز چکن سینڈوچ تیار ہے کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

پیچ ٹوپڈ پنیر سلاد

اشیاء

آڑو	دو عدد گول
ایپل جام	ایک کھانے کا چمچہ
مکس ڈرائی فروٹ	نصف کپ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ
چینی	پانچ کھانے کے چمچ
پنیر	ڈیڑھ کپ

ترکیب

آڑو کے چار پیس کر لیں، ایک دیگچی لیں اس میں چار چمچے چینی اور چار چمچے پانی ڈال کر چولہے پر رکھ کر ایک ابال دلائیں، اس کے بعد اس میں آڑو ڈال کر پکا لیں، احتیاط سے کہ آڑو ٹوٹنے نہ پائیں، جب چینی کا پانی خشک ہو جائے تو دیگچی چولہے سے نیچے اتار لیں۔

ایک پیالی لیں اس میں کریم ایک چمچہ چینی، پنیر اور جام ڈال کر ساتھ ہی ڈرائی فروٹ بھی ڈال دیں پھر ان سب کو آپس میں مکس کر لیں، آڑو ٹھنڈے ہو جائیں تو انہیں ایک باؤل میں رکھ کر اس میں کریم اور پنیر کا آمیزہ اس طرح بھریں کہ وہ چوٹی کی طرح ہو جائے، لذیذ پیچ ٹوپڈ پنیر تیار ہے۔

مزے دار سلاد

اشیاء

کاہو (سلاد کا پودا)	ایک پھول
شملہ مرچ	ایک عدد
ٹماٹر	تین عدد
تیل	تین کھانے کے چمچے
سیب کا جوس	تین کھانے کے چمچے
نمک	نصف کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

کاہو کے پھول سے پتوں کو علیحدہ کر کے ان کو اچھی طرح صاف کر کے ایک طرف رکھ لیں، ان پتوں کو ایسے برتن میں ڈال کر رکھیں جس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوں تاکہ ان پر لگا ہوا پانی بھی نیچے گر جائے اور پتیاں بالکل خشک ہو جائیں۔

شملہ مرچ کا تمام گودا اور بیج اس میں سے نکال لیں اور اس طرح باقی صرف خول رہ جائے گا، پھر اس خول کی لمبائی کے رخ ٹکڑے کر لیں اور اس طرح کہ ایک ٹماٹر کے آٹھ ٹکڑے بن جائیں، پنیر اور ابلے ہوئے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور سلاد کے پتے کاٹ لیں پھر سلاد کے پتے، ٹماٹر، پنیر، گوشت، ہری مرچ کے ٹکڑے ایک بڑے پیالے میں ڈال لیں، اس کے بعد ان چیزوں میں تیل، سیب کا جوس، نمک، کالی مرچ، چینی ڈال دیں ان تمام کو اچھی طرح ملا دیں، سلاد تیار ہے، یہ سلاد چار افراد کے لئے کافی ہے۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

نومبر 2017ء کے شمارے کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے اس پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

وقت تیزی سے ہاتھوں سے نکلتا جارہا ہے، وقت کی اس دوڑ میں زیادہ سے زیادہ کام نمٹا لینے کی خواہش سب کو حواس باختہ کیے ہوئے ہے، الجھا الجھا ذہن ہمہ وقت بے اطمینانی اور بے سکونی کا شکار رہتا ہے، انسان سارے جتن آرام وسکون اور خوشی کے حصول کے لئے کرتا ہے، وہی انسان ترقی کی انتہا کو پہنچ کر بھی یہ طے نہیں کر پایا کہ خوشی کا حصول کس طرح ممکن ہے۔

دولت و اقتدار کی ہوس اور بالا دستی کے جنون نے کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کو عذاب بنا رکھا ہے، روز بروز غیر محفوظ ہوتی اس دنیا کے بڑے معاملات میں تو ہمارا دخل ہے نہ اختیار ایسے میں ہم صرف اللہ سے دعا کر سکتے ہیں، لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں اس میں کوتاہی نہ ہو، زندگی کی اس ہماہمی اور بھاگ دوڑ سے کچھ لمحے نکال کر ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف اندوز ہونا سیکھیں، دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہو کر ان کے دکھوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں، اس سارے عمل سے ہمارے دل اور ذہن کو جو سکون نصیب ہوگا اس کا رنگ ہی انوکھا اور دلکش ہوگا۔

زندگی میں سب سے انمول تحفہ خلوص اور محبت ہے ہم اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو محبت اور خلوص سے ہی بارونق اور پرسکون بنا سکتے ہیں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیے گا ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں، آپ سے محبت کرتے ہیں۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں ہمیشہ کی طرح رب العزت کی بارگاہ میں درود پاک، استغفار اور تیسرے کلمے کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط عافیہ اصغر کا چیچہ وطنی سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار یوں کر رہی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ بے حد پسند آیا، سنیتا مارشل کے دلکش روپ سنگھار سے سجا ٹائٹل سیدھا دل میں اتر گیا۔

سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں پڑھیں، روح و قلب کو سکون ملا۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' میں محرم الحرام کے حوالے سے تحریر بے حد پسند آئی جزاک اللہ۔

انشاء جی کی محفل میں پہنچے اور انہیں سوئی میں سے اونٹ گزارتے دیکھتے ہوئے ہمیں یہ بھی پتا چلا کہ خالی وقت کو کیسے گزارا جائے، ''دل گزیدہ'' ام مریم اس ماہ کی قسط نے دل موہ لیا، بہت زبردست لکھتی ہیں آپ کا ایک ایک لفظ دل

میں اتر جاتا ہے، پلیز آپ قدر کو حمدان کی زندگی کا ساتھی بنائیے گا، شانزے جیسی بد دماغ عورت کو نہیں، سلسلے وار ناول میں ریحانہ آفتاب کا نام سرپرائز تھا، بے حد پسند آئی ریحانہ کی تحریر، ''اسیر ذات'' شبانہ شوکت نے جس موضوع پر قلم اٹھایا وہ بے حد اہم تھا، شبانہ نے بڑی خوبصورتی سے خواجہ سراؤں کے مسائل کو اجاگر کیا، اچھی لگی ہمیں ان کی یہ کوشش، ''مشک وفا'' حنا بشریٰ کے ناول کا اسٹارٹ تو بہت اچھا تھا مگر آگے چل کر حنا تحریر پر اپنی گرفت نہ رکھ سکی یوں تحریر بوجھل پن کا شکار نظر آئی، ''می رقصم'' بشریٰ سیال کا ناولٹ ابھی تک تو کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ سکا، آگے دیکھتے ہیں کہ یہ کیا کہانی سامنے لاتی ہیں جبکہ سدرہ اعجاز کا ناولٹ ''تم کو پالیا'' مصنفہ کی اچھی کوشش تھی، افسانوں میں روبینہ سعید کا افسانہ ''بے لگام گھوڑا'' جہاں تک مجھے یاد ہے پہلے بھی حنا میں شائع ہو چکا ہے اگر میں غلطی پر نہیں تو، ثناء کنول کی تحریر بھی اس مرتبہ دلچسپی سے خالی تھی جبکہ نفیسہ سعید اور رابعہ عمران کی تحریر پسند آئیں، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے، آپی پلیز کوئی نیا سلسلہ شروع کریں۔

عافیہ اصغر اس محفل میں خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید دونوں ہی ہمارے لئے اہم ہیں، کوشش کریں گے کہ آئندہ آپ کو شکایت نہ ہو، آپ کی تجویز اچھی ہے اس پر غور کریں گے شکریہ۔

حرا صادق: جہلم سے تشریف لائی ہیں وہ اپنی محبتوں کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں ہیں۔

اکتوبر کا حنا بہت انتظار کے بعد گیارہ تاریخ کو ملا، ٹائٹل نے تو انتظار کی کوفت ہی بھلا دی، اتنا اچھا ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

سب سے پہلے سردار طاہر محمود صاحب کی باتیں پڑھیں اور ایک ایک بات سے اتفاق کیا، واقعی اگر ضمیر زندہ ہو تو کربلا کا واقعہ انسان کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے، حمد و نعت سے دل کو منور کیا، پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتوں سے ایمان تازہ کیا اور پہنچ گئے اپنی فیورٹ کہانی ''پربت کے اس پار کہیں'' اتنی اچھی کہانی لکھنے پر سمجھ نہیں آتا نایاب جی کو کیسے مبارکباد دوں بہت اعلیٰ بہترین، نیل براور جہاندار کہاں تھے اس بار کوئی ذکر ہی نہیں نام و نشان تک نہیں، اللہ جانے یہ ولید اور عروفہ مل کر اب کیا کریں گے، پلیز نشرہ کے ساتھ کچھ برا مت کیجئے گا، ایک دو کرداروں کی بات کیا کروں مجھے تو ایک ایک لفظ پیارا ہے اس کہانی کا، بس ایک شکایت ہے صفحات بہت کم ہوتے ہیں ان کو بڑھا دیں۔

''دل گزیدہ'' بہترین جا رہی ہے، اللہ حمدان کے ساتھ کیا ہو گا پلیز علی شیر اور شانزے کو تو اتنے نزدیک سے گولی ماریں کہ ان کے وجود کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملے، سخت زہر لگتے ہیں مجھے یہ دونوں اور یہ منیب چوہدری کیا کرنے جا رہے ہیں کسی کے علم میں لائے بغیر حجاب کی منگنی بہت کھٹکا ہوا لگتا ہے اب منیب چوہدری، ''می رقصم'' میں فارقلیط نام بہت پسند آیا اگر کسی کو علم ہو تو اس کا معنی بتا دے۔

''اسیر ذات'' فنٹاسٹک بہت خوب، ہر وقت ہر لمحہ مذاق کا نشانہ بننے والوں کے احساسات جان کر بہت دکھ ہوا، بہت گہرے گھاؤ لگا جاتے ہیں سب انہیں بہت اعلیٰ برسوں یاد رہنے والی کہانی ہے، شبانہ شوکت اللہ کرے زور قلم اور چلے، ''تم کو پالیا'' واقعی یہ سچ ہے جو اللہ کی راہ پر چلتے ہیں اللہ انہیں مایوس نہیں کرتا دیا نے جیسا اپنا جیون ساتھی چاہا اللہ نے اس سے بڑھ کر نوازا۔

مکمل ناول اور افسانے سب بہت پسند آئے، ان پر لکھا تو پھر تبصرہ بہت لمبا ہو جائے گا سو اتنا ہی کافی ہے، مستقل سلسلے بھی سب بہت اعلیٰ ہیں، اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

پیاری حرا صادق اس محفل میں خوش آمدید، اکتوبر کے شمارے کی تحریروں پر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا سوائے ایک بات کے شانزے اور علی شیر کو گولی مارنے والی بات، ڈیئر جو پسند نہیں اس نظر انداز کریں اور جینے کا حق سب کو دیں، آپ کا مشورہ ام مریم اور نایاب جیلانی تک پہنچ گیا ہے آپ دیکھتے ہیں دونوں اپنے اپنے کرداروں کے ساتھ کیا کرتی ہیں، فارقلیط کے معنی آپ کو بشریٰ کی تحریر میں ہی مل جائیں گے (بشریٰ سیال متوجہ ہوں)، شبانہ شوکت کی طرف سے بھی شکریہ قبول کریں ہم اگلے ماہ بھی آپ کی پرخلوص محبتوں اور قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے، مستقل سلسلوں کے لئے آپ کا انتخاب دیر سے موصول ہوا اس لئے اگلے ماہ شائع کیا جائے گا شکریہ۔

مسز نگہت غفار: کراچی سے لکھتی ہیں۔

اس ماہ اکتوبر کا شمارہ آج تیرہ اکتوبر کو ملا، ٹائٹل بہت پیاری سی معصوم سی ہنسی لئے ماڈل اچھی لگی اللہ اپنی امان میں رکھے۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' ہمیشہ کی طرح جناب سردار طاہر محمود بھائی صاحب نے بڑی ہی خوبصورتی سے واقعہ کربلا کے بارے میں چند اہم باتیں تحریر کیں، اللہ تعالیٰ سے بھرپور التجاء عاجزی و انکساری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ ہم پڑھنے والے پر قاری کو اتنی توفیق عطا فرما کہ وہ اس عظیم سانحہ کے بارے میں سنجیدگی سے پڑھیں، سمجھیں اور ہمیں جو سبق دیا جا رہا ہے اسے پورا کرنے کی کوشش کریں ایک عزم ایک ولولے کے ساتھ کفر کے خلاف حق کی طرف سے نعرہ تکبیر بلند کریں ایک جوش ایک جذبے کے ساتھ مکمل خلوص اور سچائی کے ساتھ ملک دشمن عناصر اور باطل کے طوفانوں سے ٹکرا جائیں آمین۔

حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول ﷺ سے مستفیض ہوتے ہوئے پہنچے پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں، مفید دل و ذہن کو منور کرنے والی خوبصورت تحریر کے سرور میں روحانی مزا لیتے ہوئے آگے قدم بڑھایا تو سوچا پہلے آپ کا شکریہ ادا کروں خط کی اشاعت پر، میری ڈائری سے میں نے دو دفعہ بھیجا لیکن......؟ میں سعدیہ جبار، آنسہ ممتاز، فریال امین، نازیہ کمال، مریم رباب، ام خدیجہ، ثناء حیدر، آسیہ حیدر، عابدہ سعید کی تحریریں بہت اچھی تھیں۔

بیاض میں تقریباً سارے ہی قطعات اور اشعار اچھے لگے، میری ڈائری سے اس میں بھی تقریباً سارے ہی کلام پسند آئے، حنا کی محفل میں جوابات بہت زبردست ہوتے ہیں لیکن سوالات کبھی کبھی کچھ مناسب نہیں لگتے۔

ریحانہ آفتاب کا ناول اچھا لگا ریحانہ بیٹا ماشاء اللہ بہت اچھا لکھا ہے زور قلم اور زیادہ چلے، ''تقدیر کا لکھا'' رابعہ عمران کی تحریر بھی متاثر کن تھی۔

''تم کو پا لیا'' خوبصورت عنوان کی خوبصورت تحریر بہت اچھی لگی۔

''بے لگام گھوڑا'' روبینہ سعید کی اچھی تحریر تھی گھریلو سی بہت خوبصورت اختتام ہے اس کہانی کا کہانیاں تو سب ہی اچھی تھیں۔

بس ایک چیز کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے وہ ہے خطوط۔

مسز نگہت غفار کیسی ہیں آپ، اس محفل میں آپ کی آمد چائے کے اس کپ کی طرح ہے جو بے تحاشا تھکن میں ہمارے اندر ایک خوشگوار

تازگی سے بھرپور انرجی پیدا کرتی ہے، ڈائری کے سلسلے میں آپ کو شکایت ہے، انشاءاللہ وہ بھی دور ہو جائے گی، آپ مجھے ایک نئی تحریر لکھ کر بھیجیں افسانوں کے سلسلے میں، اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ اپنی محبتوں سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

تبسم بشیر عروسی: ڈنگہ گجرات سے آئیں ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

حنا اس ماہ کافی لیٹ ملا، ٹائٹل اس دفعہ دل میں بس گیا واہ، ٹائٹل ہمارے حنا کے معیار کے مطابق بہت خوبصورت ٹائٹل تھا، طبیعت کی خرابی کی بناء پر پورا حنا نہ پڑھ سکی جو پڑھ لیا اس پہ تو تبصرہ کرنا ہے؟ حمد و نعت اور اسلامیات کے حصہ کی تو کیا ہی بات دل کو سکون ملا، اس کے بعد ''دل گزیدہ'' یہ قسط لاجواب رہی، ''می رقصم'' قسط کچھ مختصر لگی لیکن مزہ آیا، شبانہ آپی ''اسیر محبت'' نے خوب رنگ جمایا ویل ڈن۔

''تم کو پا لیا'' سدرہ آپی بہت خوبصورتی کے ساتھ ناولٹ شروع اور ختم کیا۔

مکمل ناول ''مشک وفا'' بہت پسند آیا، صرف ایک ہی پڑھ سکے، ریحانہ آپی سے معذرت کے ابھی پڑھا نہیں، افسانوں میں ''مجھے تم سے محبت ہے'' اور محبت شانو اور وہ ہی پڑھا، آپ نے ہمارا خط شائع کیا اس کے لئے شکریہ اور جان کر اچھا لگا کہ اب ہم حنا کا حصہ ہیں، مستقل سلسلے بھی خوب رہے، بیمار انسان کی ایک خواہش ہے، کہ پلیز درثمن آپی ''تو میری ضرورت ہے'' جیسا دل نشین ناول لکھ دیں، یہ ناول آج بھی میرے دل میں قید ہے، یہ نہ ہو دل میں خواہش لے کر میں......؟؟؟

تبسم بشیر عروسی سب سے پہلے دعا گو ہیں آپ اللہ تعالیٰ جلد صحت کاملہ عطا کرے آمین، اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش ان سطور کے ذریعے درثمن تک پہنچا رہے ہیں، (درثمن متوجہ ہوں) ہمیں یقین ہے کہ آپ کو جلد درثمن کی تحریر حنا میں پڑھنے کو ملے گی، اپنی صحت کا خیال رکھنا اور رائے سے آگاہ کرتی رہنا شکریہ۔

زینب سحر: سکھر سے لکھتی ہیں۔

پچھلے ماہ کچھ مصروفیت کی وجہ سے خط نہیں لکھ پائی، اپنے پسندیدہ ناول ''ان لمحوں کے دامن میں'' کی آخری قسط پڑھی زبردست تھی، مبشرہ آپی کا شکریہ کہ انہوں نے الحان اور مانہ کا ملاپ کروا دیا، اب آتے ہیں اس ماہ کے حنا کی طرف، اس بار کا حنا پڑھ کر بہت مزہ آیا، ٹائٹل بہت پیارا تھا، دیکھ کر چہرے پر مسکان آ گئی، آگے بڑھے بہت خوبصورت اور پیاری سی حمد اور نعت پڑھی۔

ام مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' کی قسط پڑھی اچھی تھی، مریم آپی حمدان کی شادی قدر سے ہی کروائیے گا دونوں کی جوڑی خوب جچے گی، نایاب آپی کے ناول ''ربت کے اس پار کہیں'' کی قسط بہت اچھی تھی، مکمل ناول ''نیں میں کملی'' بہت اچھا تھا اور حنا بشریٰ کا ناول واقعی ''مشک وفا'' سے بھرپور تھا، ناولٹ میں ''می رقصم'' کی تیسری قسط پڑھ کر اچھا لگا، بشریٰ آپی سے گزارش ہے کہ پلیز عروبہ کو کسی اور مشکل میں نہیں ڈالیے گا، ''اسیر ذات'' اور ''تم کو پا لیا'' دونوں ناولٹ چھا گئے بہت زبردست تھے، اس کے علاوہ افسانے سارے اچھے تھے، باقی سلسلے بھی بہترین تھے۔

زینب سحر اکتوبر کے حنا کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

اقراء الیاس: مرید کے سے لکھتی ہیں۔

دو ماہ پہلے میں نے اپنی تحریر ''نادم زیست'' بھجوائی تھی قابل اشاعت ہوئی تو پلیز بتا دیجئے گا اگر نا قابل اشاعت ہوئی تو پھر بھی خیر میں تو یہی کہوں گی جواب حوصلہ افزاء ہونا چاہیے، نایاب جیلانی کے ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' ہر بار مسکرانے پر مجبور کر دیتا ہے صرف اور صرف ڈائیلاگ کی بنا پر نایاب جیلانی اسی بنا پر میری پسندیدہ رائٹرز کی فہرست میں شامل ہوئی ہے، بشریٰ سیال ناول مکمل ہونے پر ڈائجسٹ اکٹھے کر کے پڑھوں گی، جس ناول نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ شبانہ شوکت کا ناول ''اسیر ذات'' انتہائی عمدہ اور نازک موضوع پر لکھا مختلف اقسام کے لوگوں کی خواہشات، احساسات اور جذبات کی عکاسی کرتا ہوا اور ہماری ضمیر تلے سوئی ہوئی سوچوں کو ابھارتی ہوئی تحریر کہ ہر انسان کو اپنی جگہ پر رکھ کر سوچنا چاہیے، ثناء کنول نے جس موضوع پر قلم اٹھایا وہ آج کل ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے شیطان واقعی موقع کی تلاش میں رہتا ہے، مگر موقع بھی تو انسان ہی دیتا ہے ریحانہ آفتاب کی تحریری ''نی میں کملی'' واقعی ہر انسان کو ایک ہی پیمانے پر نہیں پرکھنا چاہیے۔

''تم کو پالیا'' ولی صاحب آخر راہ راست پر آ ہی گئے ''مشک وفا'' تو واقعی خوشبو کا جھونکا نکلی جو جہاں بھی ٹھہرے ایک چونکا دینے والا احساس بکھیر دے آخر کار مشک کی نیک نیتی اور سادہ دلی رنگ لائی۔

اقراء الیاس، خوش آمدید اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی خط نہیں ملا آپ کی تحریر مل گئی ہے قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہو گی، اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

کائنات خان: ڈنگہ سے لکھتی ہیں۔

برائیڈل ٹائٹل سیدھا دل میں اترا اس کے بعد اپنا خط پڑھا لیکن یہ کیا جواب؟ تبسم بشیر عروی، کائنات خان ایک نام نہیں ہے، ہم دونوں بہنیں ہیں، اس لئے اس دفعہ میں نے سوچا کہ الگ لکھو، (جگہ دیں گی نا) دل گزیدہ ختم کریں ''پربت کے اس پار کہیں'' اس دفعہ مختصر سی تھی، می رقصم ذرا متاثر نہ کر رہا ہے، اسیر ذات دیل ڈن شبانہ شوکت جب کہ سدرہ کا ناولٹ پسند نہیں آیا، نی میں کملی بے حد پسند آیا، مشک وفا ونڈر فل ناولٹ بے حد اچھا، افسانے، بے لگام گھوڑا، بازی لے گیا، جبکہ محبت ہے، تقدیر کا لکھا، شانو اور میں بھی اچھے تھے، بیاض دل میں ہم نے بھی تو شعر بھیجے تھے فوزی آپی لیکن ہمارے شعر؟ میری ڈائری میں سب کا انتخاب اچھا لگا، خط میں سب سے اچھا تبصرہ آنٹی نگہت کا تھا، ع غ کی محفل نے خوب مزہ دیا ہر ماہ شامل کیا کریں نا، رنگ حنا نے دل جیت لیا۔

کائنات خان ایک بار پھر آپ کو اس محفل میں خوش آمدید، حنا کا سرورق آپ کو اچھا لگا بے حد شکریہ آپ کی رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے شکریہ۔

☆☆☆